

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَصَاعِدًا (حدیث شریف)
 جس شخص نے سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ قرآن کریم کا کوئی اور بھی حصہ نہ پڑھا تو اس کی نماز نہ ہوگی (حدیث رسول)

أَحْسَنُ الْكَلَامِ

فِي

تَرْكِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ

جِلْد دَوِّم

جس میں اہم کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کو رکن اور ضروری ٹھہرانے والے فریق کے پیش کردہ نقلی اور عقلی دلائل پر روایت و درایت سے حاصل کلام کیا گیا ہے۔ اور یہ امر واضح تر براہین سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عباد بن الصامت وغیرہ کی اس روایت کے علاوہ جس میں فصاعداً ما تيسر اور ما زاد کی زیادتا یا الا و رد الا امام کی استثناء بھی مذکور ہے اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے، خصوصاً وہ روایات جن میں خلف الامم کی قید اور الا بفتح الحاء کتاب کی استثناء موجود ہے وہ تمام ضعیف کمزور اور معلول ہیں نیز حضرات صحابہ کرام اور تابعین وغیرہم کے آثار کا پس نظر بھی اٹھا کر کیا گیا ہے اور مؤلف خیر الکلام کے اعتراضات کا آنا بانا بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔

تالیف

ابو الزاہد محمد سرور خان صاحب دہرا گوجرانولہ

فہرست مضامین حسن الکلام (جلد دوم)

۴۰	تخصیص کن کن دلائل سے ہو سکتی ہے؟	۵	پیش لفظ
۴۲	پوچھا جواب مذکور کے اس سے جو امت کے نزدیک متشہنی ہے۔	۷	پہلا باب قرآنی استدلالات
۴۶	مذکور کے بارہ میں حضرت امام بخاریؒ کی دلیلوں کا حال	۸	پہلی آیت اور اس کا جواب
۴۷	پانچواں جواب اس روایت کے مرکزی زدی بھی	۱۰	دوسری آیت اور اس کا جواب
۴۷	اس حدیث کو صرف منفرد کے حق میں سمجھتے ہیں	۱۳	تیسری آیت اور اس کا جواب
۵۰	اس روایت کا چھٹا جواب فریق ثانی کو امام کے پیچھے جہت قرأت کرنی چاہیے کیونکہ حضرت عبادہؓ ایسی ہی کیا کرتے تھے	۱۳	چوتھی آیت اور اس کا جواب
	دوسری روایت	۱۷	دوسرا باب مرفوع روایتیں
۵۱	حضرت ابو ہریرہؓ کی خداج والی روایت اور اس کا جواب	۱۷	پہلی روایت
۵۲	علاء بن عبد الرحمنؓ محدثین کی نگاہ میں؟	۱۷	حضرت عبادہؓ بن الصامت کی مرفوع حدیث
۵۵	لفظ خداج اور غیر تمام کنیت کو نہیں چاہتا	۱۸	اس روایت کا پہلا جواب حرف منہ
۵۸	قرآن فی النفس کا اطلاق تدریجاً صحیح ہے	۱۸	عموم میں نص قطعی نہیں ہے۔
۶۱	فی نفس کے معنی اکیلے کے بھی آتے ہیں۔	۲۳، ۲۲	تولفت خیر الکلام کے اعتراضات اور ان کے جواب
۶۳	احادیث خداج کی بحث	۲۳	اس روایت کا دوسرا جواب کہ اس روایت میں قصاعداً ما تیسر اور مازاد کی زیادتی ہے
۶۳	حضرت عائشہؓ کی روایت اور اس کا جواب	۲۸	قصاعداً سے انکار کی دلیلیں اور ان کے
۶۴	حضرت ابن عمرؓ کی روایت اور اس کا جواب	۲۹	مسکت جوابات
۶۵	حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ کی روایت اور اس کا جواب	۳۹	اس روایت کا تیسرا جواب بعض حضرات صحابہ کرام اور محدثین کی تصریح ہے کہ یہ روایت صرف منفرد کے حق میں ہے
		۴۰	اس تخصیص پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

۹۹	دوسری روایت اور اس کا جواب	۶۶	حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت اور اس کا جواب
۹۹	تیسری روایت اور اس کا جواب	۶۷	حضرت ابوامامہؓ کی روایت اور اس کا جواب
۱۰۰	تیسرا جواب نافع مجمل ہے	۶۷	ایک دیہاتی (گنوار) کی روایت اور اس کا جواب
۱۰۱	نافع کی جہالت پر کلام اور اس کا جواب	۶۸	حضرت ہمرانؓ کی روایت اور اس کا جواب
۱۰۸	چوتھا جواب یہ روایت مضطرب ہے	۶۸	حضرت جابرؓ کی روایت اور اس کا جواب
۱۰۹	رفع اضطراب کی کوشش اور اس کا جواب	۶۸	اصل روایت میں ااوراء الامام کی استثنائی موجود ہے
۱۱۰	پانچواں جواب یہ روایت موقوف ہے	۷۰	لفظ کل کی تحقیق
۱۱۱	چھٹا جواب الادبام القرآن کی جملہ روایتیں ضعیف ہیں	۷۶	تیسری روایت
۱۱۲	ساتواں جواب لفظ خلف الامام مدرج ہے	۷۶	پہلا جواب اس میں محمد بن اسحاق ضعیف ہے
۱۱۵	امام ترمذی کی تحمیں کا جواب	۸۳	امام بخاریؒ کی توشیح کا جواب
۱۱۵	امام حاکم کی تصحیح کا جواب	۸۴	امام شعبہؒ کی توشیح کا جواب
۱۱۶	امام دارقطنیؒ کی تصحیح کا جواب		امام احمدؒ اور ابن مدینیؒ وغیرہ کی طرف
۱۱۶	امام خطیبیؒ کی تصحیح کا جواب	۸۵	اس کی توشیح کی نسبت غلط ہے
۱۱۶	مولانا عہدیؒ کی تصحیح کا مقام		علماء احناف نے اذان انصاف سمرقہ اور
۱۱۷	امام بیہقیؒ کی تصحیح کا حال	۸۶	تجیل اظہار میں اس سے استدلال نہیں کیا
۱۱۷	اٹھواں جواب بجز صحت خلف الامام کا مطلب کیا ہے؟	۹۱ تا ۸۶	ان مسائل میں احناف کے دلائل کیا ہیں؟
۱۲۰	نواں جواب اگر بالفرض فاتحہ کا پڑھنا ثابت بھی ہو جائے تو اس سے لزوم اور وجوب ثابت نہیں ہو سکتا۔	۹۲	ابن اسحاقؒ کی تحدیث بے کار ہے
۱۲۱	چونہی روایت	۹۲	اس کی متابعت میں پہلی روایت اور اس کا جواب
۱۲۲	اور اس کا جواب	۹۳	دوسری روایت اور اس کا جواب
۱۲۳	عن رجل من الصحابة کی سند کا حال	۹۴	تیسری روایت اور اس کا جواب
۱۲۴	صحیح حدیث کی تعریف کیا ہے؟	۹۵	چوتھی روایت اور اس کا جواب
۱۲۵	اجازت فاتحہ خلف الامام سے ذات رسول پر صرف آگے	۹۵	پانچویں روایت اور اس کا جواب
۱۲۶	پانچویں روایت	۹۶	دوسرا جواب محمول سند تھے اور وہ معیاری فقہ بھی دیکھے
		۹۸	انکی متابعت کی پہلی روایت اور اس کا جواب

۱۵۸	صحابہ کرام الیہ نہیں کرتے تھے	۱۲۷	اور اس کا جواب
۱۵۹	آثار حضرت تابعین وغیرہم	۱۲۹	چھٹی روایت
۱۶۰	حضرت محفل کا اثر اور اس کا جواب	۱۲۹	اور اس کا جواب
۱۶۰	حضرت عمرو بن زبیر کا اثر اور اس کا جواب	۱۳۰	ساتویں روایت اور اس کا جواب
۱۶۱	حضرت حسن بصری کا اثر اور اس کا جواب	۱۳۱	تیسرے باب آثار صحابہ و تابعین وغیرہم
۱۶۱	حضرت امام شعبی کی برسل روایات کا حکم	"	حضرت عمر کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۲	حضرت امام اوزاعی کا اثر اور اس کا جواب	۱۳۲	حضرت علی کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۳	حضرت مجاہد کا اثر اور اس کا جواب	۱۳۷	حضرت ابی بن کعب کا اثر اور اس کا جواب
"	حضرت قاسم بن محمد کا اثر اور اس کا جواب	۱۳۰	حضرت ابن مسعود کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۴	فریق ثانی کی پیش کردہ روایتوں میں اولیوں کا جہور اہل اسلام کے رواج سے تقابل	۱۴۱	حضرت عبداللہ بن مغفل کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۵	چوتھے باب قیاسی دلائل	۱۴۲	حضرت ابوسعید الخدری کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۵	پہلی قیاسی دلیل اور اس کا جواب	۱۴۲	حضرت انس بن مالک کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۶	دوسری قیاسی دلیل اور اس کا جواب	۱۴۳	حضرت عبداللہ بن عمرو کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۷	تیسری قیاسی دلیل اور اس کا جواب	۱۴۳	جابر کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۸	چوتھی قیاسی دلیل اور اس کا جواب	۱۴۶	حضرت ابن عباس کا اثر اور اس کا جواب
۱۶۹	فریق ثانی سے مخلصانہ اپیل	۱۴۹	حضرت ابوالدرداء کا اثر اور اس کا جواب
		۱۵۰	حضرت عمران بن حصین کا اثر اور اس کا جواب
		۱۵۱	ان کی مسلم وغیرہ کی روایت کا مطلب ؟
		۱۵۲	حضرت ہشام بن عمار کا اثر اور اس کا جواب
		۱۵۲	حضرت معاذ بن جبل کا اثر اور اس کا جواب
		۱۵۳	حضرت ابن عمر کا اثر اور اس کا جواب
		۱۵۵	حضرت عبادة بن الصامت کا اثر اور اس کا جواب
		۱۵۶	حضرت عبادة و جوب قرآۃ کے قابل نہ تھے
		۱۵۷	جبری نمازوں میں صرف حضرت عبادة ہی
		۱۵۸	ام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے دیگر حضرات

پیش لفظ

”احسن الکلام“ کے حصّہ اول میں جمہور اہل اسلام کے اس دعویٰ کو قرآن کریم صحیح احادیث، آثار حضرات صحابہ کرامؓ و تابعینؓ اور دیگر فقہاء اور محدثین کے اقوال سے نیز بعض عقلی و تریجیحی اور قیاسی دلائل سے نہایت وضاحت کے ساتھ مبرہن کیا گیا ہے کہ مقتدیوں کو امام کے پیچھے کسی قسم کی قرأت کرنی جائز نہیں ہے اور متعدد صحیح احادیث اور آثار صحابہ کرامؓ سے اہل القرآن اور فاتحہ الکتاب کے خاص الفاظ بھی عرض کر دیے گئے ہیں اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا صحیح نہیں ہے اور یہ کہ جہری نمازوں میں تو امام کے پیچھے قرأت کرنا شاذ، منکر اور خلاف اجماع ہے۔ اب اس حصّہ میں قرنی ثانی کی طرف سے پیش کردہ استدلال اور دلائل کا معیار اور ان کا پس منظر عرض کرنا ہے اور انصاف و دیانت سے یہ بات بعید ہے کہ ہم ان کے دلائل سے چشم پوشی کرتے ہوئے آگے نکل جائیں اور ان کو ہریرہ قارئین کرام نہ کریں، بلکہ ان کی طرف سے بطور وکیل اور ہی خواہ کے جوہر (اگرچہ انہوں نے پیش نہیں کی لیکن) ان کی دلیل بن سکتی ہے اس کو بھی نقل کر دیا گیا ہے، اور ان کے تمام پیش کردہ دلائل اور براہین کے صحیح محال عرض کر دیئے گئے ہیں اور حوالے بھی ساتھ ہی نقل کر دیئے گئے ہیں تاکہ ایک طرف ان کو اصل عبارت اور مضمون کی طرف مراجعت کرنا دشوار نہ ہو اور دوسری طرف شاید ”الانسان عبد الحسان“ پر نگاہ کرتے ہوئے وہ کچھ نرم بھی ہو جائیں اور ساری دنیا کو چیلنج نہ کرتے پھریں۔

مری ضد سے ہوا ہے مہرباں دوست

مرے احساں ہیں دشمن پر ہزاروں

چونکہ فریقِ ثانی کا دعویٰ بڑا سنگین ہے اس لیے اگر ہم سے کسی دلیل کی گرفت میں کوئی سخی نہ ہوگی

تو معذور تصور کیجئے کیونکہ البیادہی اظلم ما لم يتعد المظلوم کے پیش نظر ہم مظلوم ہیں اور

ان لصاحب الحق مقالا ارشاد نبوی ہی تو ہے۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ عوفن ومعاوضہ گمہ نذر و اور

حتی الوسع اس پر خطر وادی سے دامن بچا کر نکلنے کی کوشش کی جائے گی۔ والعصمة بيد الله تعالى وحده

پہلا باب

فریق ثانی کا یہ دعویٰ ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے کالعدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے۔ انصاف اور دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ جیسے ہم نے حضرات صحابہ کرام اور تابعین سے متعدد صحیح روایتیں پیش کی ہیں کہ آیت واذا قرئ القرآن الایۃ کا شان نزول تمار ہے اور اس پر اجماع بھی ہے اسی طرح فریق ثانی بھی کہ از کم کسی ایک ہی صحابی سے بسند صحیح یہ روایت نقل کر دیتا کہ فلال آیت کا شان نزول یہ ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا صحیح بلکہ ضروری اور واجب ہے اور خاص طور پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا لازمی ہے اور اس کے بغیر اس کی نماز کالعدم ہے بیکار ہے، اور باطل ہے مگر یقین کیجئے کہ دنیا کے کسی اسلامی کتب خانہ میں کوئی ایسی اسلامی کتاب موجود ہی نہیں ہے جس میں کسی صحابی سے صحیح اور متصل سند کے ساتھ یہ روایت موجود ہو کہ فلال آیت اس بارے میں نازل ہوئی ہے کہ امام کے پیچھے مقتدیوں پر سورہ فاتحہ کی قرأت ضروری ہے ورنہ نماز باطل اور کالعدم ہوگی یہ ہے ہل من مبارذیبارذنی کا صحیح مقام، مگر نہ معلوم فریق ثانی اس سے کیوں اغراض کر جاتا ہے کیا ہے کوئی خوش نصیب اور زندہ دل غیر مقلد صحابی جو یہ مطالبہ پورا کرے اور جیسے ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس جیسے مفسر قرآن صحابہ سے صحیح اسانید کے ساتھ آیت کا شان نزول بیان کیا ہے ایسا ہی وہ بھی کسی ایک صحابی سے آیت کا شان نزول نقل کرے (دیدہ باید) باقی العامی چلتی کاجب تو اتم الحروف کثیر العیال اور مفلوک الحال آدمی ہے۔ نہ مال ہے اور نہ لاف و گزاف اور ڈھینگیں مارنے کی عادت ہے۔ دلائل آپ کے سامنے ہیں جو بیان کر دیے گئے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ کہ ایسی کوئی آیت فریق ثانی پیش نہیں کر سکتا جس کا حضرات صحابہ کرام

اور تابعین سے صحیح اور متصل مند کے ساتھ نشان نزول یہ ثابت ہو چکا ہو کہ اہم کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرأت ضروری ہے پھر بھی مجوزین قرأت خلف الہام نے قرآن کریم کی آیات سے اس مدعی پر استدلال و احتجاج کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔ ہم ان کے قرآنی استدلال نقل کر کے ان کا صحیح محل عرض کرتے ہیں اور فرقی ثانی کی خامی بھی عرض کر دیتے ہیں تاکہ مسئلہ زیر بحث کا کوئی پہلو نشہ نہ رہے اور حق بات بھی سامنے آجائے۔

پہلی آیت: حضرت اہم بیہقی فرماتے ہیں کہ ہر نمازی اپنے لیے نماز پڑھتا ہے اور قرأت نماز کا ایک حصہ ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بعض نماز تو خود مقتدی ادا کرے اور بعض (یعنی قرأت سورۃ فاتحہ) اس کا اہم ادا کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعَىٰ (پ، سورۃ نجم، رکوع ۲) اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا۔

اور اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ (پ، سورۃ طہ، رکوع ۱) تاکہ بدلے ہر شخص کو جو اس نے کمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہم کی قرأت صرف اس کے لیے ہے اور مقتدی کو الگ سورۃ فاتحہ پڑھنی ہوگی۔ (محصلاً کتاب الفراء ص ۵۴) اور یہی کچھ تھوڑے بہت تغیر کے ساتھ خیر الکلام ص ۶۱ میں کہا گیا ہے۔

جواب: یہ استدلال محض باطل ہے اولاً اس لیے کہ کسی صحابی یا تابعی سے بلند صحیح ثابت نہیں کہ ان آیتوں کا شان نزول قرأت خلف الہام کا مسئلہ ہے اور خاص طور پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ان سے ثابت ہے اور نہ ان آیتوں میں سورۃ فاتحہ اور قرأت کا اور اہم و مقتدی کا کوئی لفظ ہی موجود ہے اس لیے دعویٰ کا دلیل سے معمولی سا تعلق بھی نہیں ہے، بلاشبکہ قرآن کریم کی کوئی آیت اور حکم شان نزول پر بند نہیں اور قرآن کریم قیامت تک اقوام عالم کے لیے دستور ہے لیکن اگر کسی مسئلہ کے استدلال پر کوئی ایسی آیت پیش کی جائے جس سے نہ تو حضرات صحابہ کرام نے وہ مسئلہ سمجھا ہو۔

اور نہ تابعین نے اور نہ وہ مسئلہ اس کا شان نزول ہو تو یقیناً وہ کشید ہوگا۔ مولف خیر الکلام اس نقطہ کو نہیں سمجھے یا بالکل بی گئے ہیں۔ وثانیاً پہلے تو قرأت کا فریضہ صرف اہم پر ہے مقتدی پر نہیں اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے جیسا کہ بقول مولف خیر الکلام فیض الباری کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی پر بھی قرأت ہے لیکن اہم اس کا مستحل ہے تو کیا اہم بیہقی وغیرہ کے نزدیک اہم کا سترہ اور بیہقی وغیرہ مقتدیوں کو کافی نہیں ہے؟ یہ کہنا کہ اسی طرح جماعت کی

صورت میں اہم کے آگے سترہ کا کفایت کرنا اس لیے نہیں کہ اہم کا سترہ مقتدی کو کفایت کرتا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جیسے استقبال کعبہ مقتدی کا فعل ہے اور وہ ہر نمازی سے مطلوب ہے اسی طرح نمازی کے آگے سترہ کا ہونا ہر نمازی سے مطلوب ہے اگر ایک نمازی ہو تو اس کے آگے ہو اگر جماعت نماز پڑھے تو اہم کے آگے ہو جیسے کعبہ ایک ہے اور سب کا ہے اسی طرح سترہ اگرچہ ایک ہے مگر سب کا ہے نہ خاص اہم کا نہ خاص مقتدی کا ۱۵ خیر الکلام ص ۶۵ محصلہ ان کے لیے سو دینہ نہیں بلکہ نرمی و رفع الوقتی ہے۔ اذوات اس لیے کہ سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ (بخاری جلد ۱ ص ۱) ایک مسلمہ قاعدہ ہے پھر اس کا انکار کون تسلیم کر لے و تانیۃ یعنی یہی دلیل بسلسلہ قرأت ہماری طرف سے سمجھے کہ منفرد ہو تو اس پر قرأت لازم ہے جماعت کی نماز ہو تو اہم کی قرأت مقتدی کے لیے ہے جیسے کعبہ ایک ہے اور سب کا ہے اسی طرح قرأت بھی ایک ہے مگر سب کی ہے نہ خاص اہم کی نہ خاص مقتدی کی جیسے مذکورہ دلیل میں باوجودیکہ سترہ اہم کے آگے ہے مگر سب کا ہے اسی طرح قرأت بھی بظاہر اہم کر رہا ہے مگر سب کی ہے جیسے نمازی سے مطلوب یہ ہے کہ سترہ اس کے آگے کی جانب ہو یہ مطلوب نہیں کہ ہر نمازی اس کو گاڑے اسی طرح قرأت میں بھی یہی مطلوب ہے کہ آگے اہم قرأت کرے اور مقتدی نہیں نہ یہ کہ سب مقتدی قرأت کریں۔ اور کیا ہمیری نمازوں میں اہم کا جہر مقتدیوں کو کافی نہیں ہے؟ اور کیا ما زاد علی الفاتحہ میں اہم کی قرأت مقتدیوں کو کفایت نہیں کرتی؟ دوسری باتوں میں نیابت اور کفالت کا مسئلہ تو الگ رہا نفس نماز میں یہ آیتیں امام بہتقی کے مخالف پڑتی

بیخاری اور عجز کے وقت حج کے سلسلے میں نیابت فذین اللہ احق بالقتاد کے تحت جمہور کا سکتا ہے اور من مات و علیہ صوم صام عنہ ولیہ ۲ پر فرق ثانی کا خاصا امر ہے و علی ذیہ نکاح اور طلاق وغیرہ میں و نیابت امام بہتقی کے قاعدہ کے خلاف پڑتی ہے اور ہالی طور پر ایصال ثواب میں تمام اہل سنت کا اتفاق ہے (دیکھئے نووی ص ۲۲۴ و شرح فقہ اکبر ص ۱۵۸) اور بخاریین حدیث کا ایصال ثواب کے انکار پر ان کیوں کو پیش کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ میت نے اپنی زندگی میں کوشش کر کے علم حاصل کیا، اشادی کی اور اولاد پیدا ہوئی، انکروں کی اعانت کی اچھے اخلاق سے برتاؤ کر کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا اسکی وفات کے بعد لوگوں نے اسکو ایصال ثواب کیا تو اسکو اپنی ہی کوشش کا ثمرہ اور چل ملاوان لیکس للہذا نساکی الاما سنی لندیہ آیتیں ایصال ثواب کی دلیل میں نہ کرنا انکار کی رد دیکھئے کتاب اللرح ص ۱۵۸ الحافظ ابن القیم و شرح تھبیرۃ الطحاوی ص ۳۸۴ وغیرہ جن سطحتی قسم کے لوگوں نے اس آیت کریمہ کو ایصال ثواب کے لیے حجت گردانا ہے انکو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ تو سرسرن کے خلاف جاتی ہے لیکن ہر بات میں غم اور تسلیم شرط ہے جو غم سے محروم ہو تو تسلیم کے لیے آمادہ نہ ہو اس کو جہاد دلائل سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے!

ہیں۔ مولف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ ما زاد علی الفاتحہ اور ہر مقتدی پر ہے ہی نہیں یہ امام کا فریضہ ہے۔
 (محصلاً ص ۶۷) ہمیں ضرور نہیں کیونکہ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ قرآۃ امام کا فریضہ ہے مقتدی کا فریضہ صرفت
 استماع والنصا ہے۔ رہا ان آیتوں کا مطلب تو بالکل واضح ہے کہ توحید و رسالت اور معاد وغیرہ
 کے بنیادی عقیدوں اور اصولی امور میں جہاں کسی دوسرے کی نیابت اور وکالت کام نہیں آسکتی وہاں ہر ایک
 کو اپنا عقیدہ اور عمل ہی کام آئے گا وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَسْعٰی اور جہاں نیابت اور وکالت
 درست ہے، تو وہاں بھی اصل اور موکل کی محنت اور مشقت کا فرما ہے کہ اُس نے اپنا نائب اور وکیل
 مقرر اور انتخاب کیا ہے اور اس کو اپنی ہی کوشش اور سعی کا نتیجہ ملتا ہے عام اس سے کہ اس کی سعی
 بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ وہ اس کا موجب ہو یا عامل، داعی ہو یا سبب، علت سب کی ایک ہے۔

دوسری آیت :- امام بیہقی^۱ اور مولانا عبد الصمد صاحب پشوری^۲ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
 وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَ
 دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا
 تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ (پہ، اعدا، ۲۴۱)
 اور یاد کرتا رہے اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور
 ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر بولنے سے کم ہو
 صبح کے وقت اور شام کے وقت اور مت رہ بے خبر۔

ان اکابر کا کہنا ہے کہ یہ آیت امام اور مقتدی کو نیز جہری اور سہری تمام نمازوں کو شامل ہے اور
 سورۃ فاتحہ وغیرہ فاتحہ کی قرأت کو عام ہے اس سے ثابت ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی
 اپنے دل میں آہستہ آہستہ قرأت کرنا صحیح ہے اور امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ یہی مطلب اس آیت
 کا حضرت زید بن اسلم سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ علمائے اربعین میں بڑے پایہ کے مفسر تھے۔
 (محصلاً کتاب القراءۃ ص ۸۲ و اعلام الاعلام ص ۱۹) اور حافظ ابن تیمیہ نے سہری نمازوں میں امام
 کے پیچھے قرأت کے جواز میں یہ آیت پیش کی ہے (ملاحظہ ہو فتاویٰ ص ۱۴۹) اور مولف خیر الکلام
 نے بھی اس استدلال کا ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو خیر الکلام ص ۶۸)

جواب :- اس آیت سے امام کے پیچھے قرأت سورۃ فاتحہ پر استدلال کرنا باطل ہے اولاً
 اگر واقعی اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ
 اور جمہور سلف و خلف پر یہ مطلب ہرگز مخفی نہ رہتا چونکہ یہ تفسیر صحیح حدیث اور حضرت ابن مسعودؓ اور ابن
 عباسؓ کی صحیح تفسیر کے (جس کا حوالہ کے ساتھ ذکر جلد اول میں ہو چکا ہے) مخالف ہے اس لیے

یہ قابل قبول نہیں ہے لہذا اس کی صحت میں کلام ہے وثانیاً نہ اس آیت میں اہم کا لفظ ہے اور نہ مقتدی کا نہ قرأت کا اور نہ سورہ فاتحہ کا مطلق ذکر کو خود ساختہ قیود میں جبراً لایا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟ علاوہ انہیں اگر آیت کا عموم ملحوظ رکھا جائے تو کیا فرق ثانی سورہ فاتحہ کے علاوہ کسی اور قرأت کو مقتدی کے لیے تسلیم کرنے کا؟ اگر نہیں تو کیوں؟ جو جواب وہ غیر سورہ فاتحہ کا ہے گا۔ فہو جواب عن الفاتحة اور اہم سیوطی نے نتیجہ الفکر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں ذکر سے قبلی ذکر مراد ہے زبان سے پڑھنا مراد ہی نہیں (کذا فی الدلیل الملبین ص ۳۶) لہذا یہ ہمیں مضر نہیں ہے کمالاً یخفی۔ وثالثاً اگر واقعی یہ آیت تمارک کے بارے میں ہے تو اس سے صرف اہم مراد ہوگا نہ کہ مقتدی کیونکہ اذکر اور دیک و لا تکن میں مفرد صیغے اس پر دلالت کرتے ہیں اور اس سے پہلی آیت فاستمعوا لہ وانصتوا اور لعلکم ترحمون میں مقتدوں کو خطاب کیا کیونکہ یہ تمام جمع کے صیغے ہیں جو تقابل کی صورت میں بیان ہوئے ہیں محض مفرد ہی نہیں جس سے جمع بھی مراد ہو سکتی ہے جس طرح دیکھو تشریح میں ہے جس سے موافق خیر الکلام کو مخالطہ ہوا ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ اہم کو تشریح نمازوں میں اپنے دل میں قرأت کرنی چاہیے اور مقتدوں کو استماع اور انصات کرنا ہوگا اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ استماع اور ہے اور سماع اور، بلکہ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت اور صحیح حدیث اس مطلب کی تائید کرتی ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابتداء میں حضرات صحابہ کرام کو بلند آواز سے قرأت کر کے نماز پڑھایا کرتے تھے، مشرکوں نے آپ کو اور قرآن کریم و جبریل علیہ السلام کو سب دشمن کا نشانہ بنایا، آپ نے بحالت امامت اتنی آہستہ قرأت شروع کر دی کہ مقتدی نہیں سن سکتے تھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا۔

اور مت پکار کر پڑھ اپنی نماز اور نہ چپکے پڑھ اور ڈھونڈ
 وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَوَاتِكَ وَلَا تُخَافِتُ بِهَا
 وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا (بني اسرائيل ۱۲) سے اس کے بیچ میں راہ۔

اور انہیں کتابوں میں اس آیت کا مفہوم اعتدال فی الدعاء بھی مذکور ہے (بخاری جلد ۲ ص ۶۸۶ و مسلم جلد ۱ ص ۱۸۳ و البوعوانہ جلد ۲ ص ۱۲۳) ولایعاب حافظ ابن کثیر کے حوالہ سے پہلے یہ نقل کیا جا چکا ہے کہ مقتدوں کے لیے اس آیت سے قرأت کرنے کا اثبات (بعید منافقہ) وللانصات المأمور بہ (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۲۸۲) بعید ہے اور انصات کے بالکل مخالف

ہے جس کا مقتدیوں کو حکم ہے بہر حال اس آیت کے مقتدیوں کے لیے نفس قرأت پر استدلال کرنا انصاف سے بعید اور حکم خداوندی کے سرسرم مخالف ہے چہ جائیکہ سورہ فاتحہ کی قرأت کا حکم اسے مقتدیوں کے لیے ثابت ہو سکے۔ مولف خیر الکلام نے ص ۶۹ میں بحوالہ تفسیر نیشاپوری یہ لکھا ہے کہ آہستہ پڑھنا انصاف کے منافی نہیں۔ لیکن ہم پہلے بحوالہ کتب لغت عرض کر چکے ہیں کہ آہستہ پڑھنا بھی استماع و انصات کے بالکل منافی ہے، ارہی حضرت زید بن اسلم کی تفسیر تو وہ درایت اور روایت قابل توجہ نہیں ہے درایت تو آپ حافظ ابن کثیر کے حوالہ سے سن ہی چکے ہیں اور خود حضرت زید بن اسلم سے قرأت خلف الامام کی ممانعت کی تفسیر منقول ہے چنانچہ امام ابن قدامہ لکھتے ہیں۔ وقال زید بن اسلم والوالعالیۃ كانوا یقرؤن خلف الامام فنزلت واذا قرئ القرآن ان الله (معنی جلد ۵ ص ۱۱۱) زید بن اسلم اور ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ لوگ امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے اس پر یہ آیت واذا قرئ القرآن الایۃ نازل ہوئی۔ اور روایت بھی یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس روایت کی سند میں عبد الغزیز بن محمد ہے گو وہ ثقہ ہے لیکن ابو زرعمہ اس کو سنی الحفظ سے اور امام احمد اور ابن حبان اس کو غلطی سے اور ابن سعد ان کو غلط سے اور ساجی ان کو کثیر الوهم سے تعبیر کرتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۳۵۴) کیا معلوم کہ حضرت زید بن اسلم نے اس آیت کی کیا تفسیر بیان کی تھی اور راوی مذکور کی غلطی اور وہم سے وہ کیا سے کیا ہو گئی ہے۔ مولف خیر الکلام ص ۶۱ میں لکھتے ہیں مگر یہ جرحیں بھی بلا سند ہونے کی بنا پر مردود ہیں الخ مگر یہ محض ان کی دفع الوقتی ہے امام ابو زرعمہ، امام احمد، امام ابن حبان وغیرہ کیا ائمہ جرح و تعدیل نہیں؟ اور معتبر کتب رجال میں ان کے اقوال کیا بلا سند ہیں؟ جب سنی الحفظ وغیرہ کی جرح امام ابو حنیفہ وغیرہ پر ہو تو وہ مولف مذکور کے نزدیک معتبر ہو اور یہاں مردود ہو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اور ائمہ جرح کے اقوال کے مقابلہ میں اٹکل پچو باتیں کون سنت ہے؟ باقی آیت کا مطلب بالکل عیاں ہے جو خلقا اللہ تعالیٰ کے ذکر، یاد اور دعا پر مشتمل ہے جیسا کہ دو سکر مقام پر ارشاد ہوتا ہے ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃً۔ (پٹ، اعراف) پکارو اپنے رب کو گڑ گڑا کر اور چپکے چپکے اور ایک مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے۔ تَدْعُوْنَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً (پٹ، انعام، ۸) پکارتے ہو تم اس کو گڑ گڑا کر اور چپکے چپکے، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ خود بنفس نفیس تحریر فرماتے ہیں کہ دعائیں سنت

طریقہ یہ ہے کہ آہستہ دعا کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **وَذَكَرُوكَ فِي بُفْسِكَ الْيَتِيمَ** (فتاویٰ جلد ۱، ص ۱۶۶) خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کو مقتدیوں کی قرأت (خصوصاً قرأت فاتحہ) پر دلیل بنانا اندرونی اور بیرونی عقلی اور نقلی تمام دلائل کے سراسر مخالفت ہے۔ الغرض اس سے مراد ذکر اور دعا ہے گو خطاب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے مگر حکم امت کو ہے گفتہ آید در حدیث دیگران۔

تیسری آیت :- مولوی محمد صادق صاحب دخطیب جامع الہدایت قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَلَا تَزِدُْوا زَكَاةً وَّذَرُّوا حُرْمَةَ** (پا۔ بنی اسرائیل، ۲) اور کسی پر نہیں پڑتا بوجھ دوسرے کا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ امام کی قرأت سورہ فاتحہ مقتدیوں کو کفایت نہیں کر سکتی کیونکہ ایک آدمی کا بوجھ دوسرے کیسے اٹھا سکتا ہے؟ (بحوالہ ازالہ ستر ص ۵۸) مولفہ جناب مولانا قاضی نور محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۱۳۸۲ھ (۱۹۶۲ء)۔

جواب :- یہ استدلال بھی نہایت کمزور ہے اولاً حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ شریعت کی اصطلاح میں کسی شے کو جواز قبیل عبادت ہو و ذر ہرگز نہیں کہا جاتا اگر کہیں قرآن اور حدیث میں وذر کا لفظ کسی عبادت پر اطلاق کیا گیا ہو تو پیش کریں ورنہ (سعدہ) فاتحہ کو وذر بنانے سے شرمائیں (بلغفظ ازالہ ستر ص ۶۲) وثانیاً کیا سورہ فاتحہ ہی وذر ہے یا ما زاد علی الفاتحہ قرآن کریم کی ایک سوتیرہ سورتیں بھی وذر ہیں تو صرف فاتحہ کی تخصیص کیوں کی گئی ہے؟ اور ان میں امام کیوں کفایت کر جاتا ہے؟ اور اگر وہ وذر نہیں تو کس منطلق کے رُوسے وثالثاً جہری نمازوں میں جہر اور سترہ وغیرہ وذر کو امام کیوں اٹھا لیتا ہے کیا ان میں وذر والا فلسفہ اپنا کام نہیں کرتا؟ عجیب بات ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسی سورت (فاتحہ) عطا کی ہے کہ نہ تو تورات و انجیل اور زبور میں ایسی سورت نازل ہوئی ہے اور نہ قرآن کریم میں اس کی مثال موجود ہے۔ (مشکوٰۃ جلد ۴ ص ۱۸) و معطا امام مالک ص ۲۸ و ترمذی جلد ۲ ص ۱۱۱ (وقال صحیح) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو اس سورت کو نعمت عظمیٰ بتلاتے ہیں مگر مدعیان عمل بالحدیث اس کو وذر سے

تعبیر کرتے ہیں فوا اسفا۔ آیت کریمہ کا مفہوم بالکل ظاہر ہے کہ ہر آدمی صرف اپنا ہی بوجھ اٹھانے کا خواہ وہ اس عمل کا موجب ہو یا مروج عامل بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ اپنے ہی کئے کا پھل پائے گا اور وہ معنوی اور ماضی جو دوسروں کے گناہوں کو اپنے پیٹے ڈالنے کا معنی ہے اس کو عدالت عالیہ اور سچی سرکار سے گویا یہ خطاب ہوگا۔ ع۔ تجھ کو پرانی کیا پڑی اپنی نیڑے تر۔ ہاں مگر اغوا اور اضلال چونکہ اس کا اپنا عمل ہے لہذا اس کا بوجھ اس پر ضرور پڑے گا اور گمراہ کرنے پر اپنے کئے کا ضرور پھل پائے گا وہ بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔

الغرض اہم کے پیچھے مقتدیوں کے لیے قرأت سورۃ فاتحہ کا اس آیت سے اثبات تحریر قرآن

کریم کے مترادف ہے۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ)

چوتھی آیت: مولانا محمد اسماعیل صاحب (خطیب جامع مسجد اہل حدیث گوجرانوالہ) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ آخِئًا رِبًّا سُوْرَةُ طه (۱۰۰ رکوع ۷) اور جس شخص نے منہ پھیرا میرے ذکر اور یاد سے تو اس کو ملتی ہے گدازان تنگی کی اور لائیں گے ہم اس کو قیامت کے دن اندھا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد اہم کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ہے اور جو شخص اس سے اعراض کرتا ہے وہ عذاب خداوندی کا شکار ہوگا۔ (محصلہ اخبار تنظیم

ص ۱۰۰ کا لہذا مجددیہ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۳ء ماخذ از برہان ساطع ص ۳)

جواب :- فریق ثانی کا دوسرا ہی عجیب آیت وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ صحیح

روایات اور اجماع امت سے خلف الامم کا مسئلہ ہے۔ مگر وہ آیت اُن کے نزدیک کافروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ آیت جو بالاتفاق کفار منافقین اور عصاة کے بارے میں نازل ہوئی ہے

اس کو وہ مسلمانوں کے بارے میں بتاتے ہیں بعض مفسرین کرام نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے۔

کہ مَعِيشَةً ضَنْكًا کے یہ معنی ہیں کہ زندگی میں خیر اور بھلائی داخل نہ ہو سکے گویا خیر کو اپنے اندر

لینے سے تنگ ہو گئی ہے اور اکثر مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور قرآن کریم سے

اعراض کرنے والے کافروں اور منافقوں کو اگرچہ مال، اولاد اور دنیا کی ترقی حاصل ہو جاتی ہے۔

لیکن زندگی کا وہ سکون جو خدا تعالیٰ کے احکام ماننے سے ہوتا ہے اس سے وہ محسوس نہیں ہو جاتا اور محروم

ہوتے ہیں اور اس دنیا کے خاک و گل میں حقیقی امن اور تسلی ہی ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ جو

اللہ تعالیٰ کی یاد سے اپنے دل کو معمور رکھتے ہیں سچ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل مطمئن ہو سکتے ہیں۔ الا بذكر الله تطمئنن القلوب اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے معیشتہ فتناً کی تفسیر عذاب قبر سے کی ہے چنانچہ حضرت ابوسعید الخدری سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا معیشتہ فتناً قال عذاب القبر (متحدک جلد ۲ ص ۲۸) قال المحاکم والدمہبی علی شرط مسلم کہ اس آیت میں معیشتہ فتنک سے عذاب قبر مراد ہے۔ اور امام نزاری نے بھی حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً یہ روایت نقل کی ہے حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں اسناد جید (جلد ۳ ص ۱۶۹) کہ اس کی سند حید اور عمدہ ہے اب مولانا صاحب ہی ازراہ بزرگی ارشاد فرمائی ہیں کہ کیا ان تمام حضرات کو عذاب قبر ہو گا جن کے حوالے پوری تفصیل کے ساتھ جلد اول میں بیان ہو چکے ہیں جو قرأت خلت اللہم کے قائل نہ تھے؟ اور کیا عذاب قبر مشرکوں، کافروں، منافقوں اور گنہگاروں کو ہو گا یا قرآن کریم اور صحیح احادیث پر عمل کرنے والوں کو جن کا دامن تحقیق اکثر حضرات صحابہ و تابعین اور جو فقہاً اور محدثین کی معیت سے بھی وابستہ ہے؟ اگر استدلال اسی کا نام ہے تو کیوں نہیں کہا جا سکتا کہ واذا قرئ القرآن الایتہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کا حکم ہے اور فریق ثانی اس سے عرض کرے کہ آیت اللہ ان کی منطق کی رو سے وہ معیشتہ فتنک کے مستحق ہیں بلکہ یہ مطلب زیادہ صحیح ہو گا۔ کیونکہ اس کا مطلب ہی صحیح روایات اور اجماع امت سے مسئلہ عدم قرأت خلت اللہم ثابت ہو چکا ہے اور من اعرض عن ذکرہی الایتہ کا یہ مطلب کہ اس سے اہم کے پیچھے سورہ فاتحہ سے اعراض کرنا ہے نہ تو جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اور نہ حضرات صحابہ کرام سے بلکہ کسی بھی معتبر اور مستند مفسر سے یہ ثابت نہیں ہے پھر کیونکہ اس سے قرأت خلت اللہم کی اور خصوصاً اہم کے پیچھے سورہ فاتحہ کی اجازت ثابت ہے۔ مؤلف خیر الکلام نے ص ۵۸ میں فاقدوا ما تیسرہ الایتہ سے بھی اپنے دعویٰ پر استدلال کیا ہے مگر ہم نے جلد اول میں باحوالہ بحث عرض کر دی ہے کہ یہ آیت ہی نماز تہجد سے متعلق ہے نہ کہ مسئلہ خلت اللہم سے حضرات! اسی قسم کی بعض اور آیات بھی فریق ثانی نے اپنے اس دعوے کے اثبات پر پیش کی ہیں مگر ان کو وہ کسی طرح بھی مفید نہیں ہو سکتیں بخلاف اس کے ہم نے محض حضرات صحابہ کرام سے نہیں بلکہ ان حضرات صحابہ کرام سے جن کا فن تفسیر میں مقام حضرات خلفاء راشدین سے

بھی بڑھا ہوا ہے صحیح اسانید کے ساتھ ایک آیت کا مطلب اور شان نزول پیش کیا ہے اور حدیث تابعین و جہور مختصرین سے بلکہ اجماع امت سے بھی آیت کی تفسیر نقل کی جا چکی ہے اور فریق ثانی صحابی چھوڑ کسی تابعی سے بھی اس صحیح کی آیت کا مطلب نہیں پیش کر سکا صرف تفسیر بالرائے اور سینہ زوری سے کام لیتا ہے۔

فَاللّٰهُ تَعَالٰی الْمَشْكٰی۔

دوسرا باب

اس باب میں وہ مرفوع روایات اور احادیث پیش کی جاتی ہیں جن سے فریق ثانی نے مقتدی کے لیے امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے پڑھنے کا وجوب ثابت کیا ہے اور ہم ان پر روایت اور درایتاً سنداً اور معنی کلام کریں گے اور یہ واضح کریں گے کہ ان کا یہ دعویٰ اور اس کی دلیل کہاں تک اور کیسے ان کو مفید ہے؟ اور دعویٰ و دلیل کی مطابقت کیا ہے؟

پہلی روایت :- حضرت عبادة بن الصامت کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :- لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب (بخاری ج ۱ ص ۱۲۳ و مسلم جلد ۱ ص ۱۶۹) کہ جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی۔ چونکہ اس روایت میں مقتدی اور خلف الامام کی کوئی قید مذکور نہیں اس لیے فریق ثانی کو اس حدیث سے استدلال کرنے میں علوم آلی خارجی قرآنی اور حضرات محدثین کرام کے مفروض اجماع ایسے خوش کن الفاظ سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے چنانچہ مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ لفظ من عام ہے جس میں امام مفرد اور مقتدی سب داخل ہیں (ابکار المن من تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۲۰ و تحف الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۷) اور مولانا محمد ابراہیم صاحب میر لکھتے ہیں کہ غرض تمام محدثین بالاتفاق اس حدیث کو ہر نماز اور ہر نمازی پر شامل

لے یہ روایت نسائی جلد ۱ ص ۱۰۵، البوارہ جلد ۲ ص ۱۲۴، دارمی ص ۱۳۶، البوارہ جلد ۱ ص ۱۱۹، ترمذی جلد ۱ ص ۱۷۱، ابن ماجہ ص ۶۰، دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۲، سنن البیہقی جلد ۲ ص ۶۱، جزء القراءة ص ۲، کتاب القراءة ص ۹، کتاب الاعتبار ص ۹، اور مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۷۱ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے یہ روایت متعدد حضرات صحابہ کرام سے لے کر صحیح مردی سے مثلاً حضرت ابن عمرؓ اور حضرت جابرؓ سے صحیح سند سے مرفوعاً مروی ہے لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب کتاب رکت القراءة ص ۳۳ کلاہما

بطلیف اسحاق بن بنان البغدادی وغیرہ)

کتے ہیں۔ (تفسیر واضح الیمن ص ۱۷) اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ یہ حدیث عام ہے اس میں کسی نماز کی تخصیص نہیں ام یا منفرد کا کوئی ذکر نہیں ہے جیسے یہ حدیث ام یا منفرد کو شامل ہے۔ اسی طرح مقتدی کو بھی شامل ہے الخ (ص ۷۷)

جواب اول :- بلاشبہ سند کے لحاظ سے یہ روایت صحیح ہے لیکن اس روایت سے فریق ثانی کا استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ دعویٰ بنیاد اور دلیل عام ہے (تقریباً نام نہیں ترمی منطقی اصطلاح ہی ملحوظ نہیں کیونکہ) نہ اس میں مقتدی کی قید موجود ہے اور نہ خلف الامام کی اور جب تک دعویٰ اور دلیل میں مطابقت نہ ہو کسی بانصاف عدالت میں ایسا دعویٰ ہرگز سموع نہیں ہو سکتا۔ رہا حرف من سے استدلال تو وہ بھی قابل التفات نہیں ہے اس لیے کہ فریق ثانی جیت تک یہ نہ ثابت کرے کہ حرف من تعمیم میں نص قطعی ہے اور کبھی کسی مقام میں تخصیص کے لیے مستعمل نہیں ہوا تو پھر ان کا دعویٰ ایک حد تک صحیح ہو سکتا ہے مگر یقین کیجئے کہ اس کا اثبات کارے دار دیہ صحیح ہے کہ بعض اوقات حرف من عموم کے لیے آتا ہے لیکن بسا اوقات اس میں تخصیص بھی مراد ہو سکتی ہے۔ نہایت اختصار کے ساتھ ہم بعض حوالے درج کرتے ہیں ملاحظہ کریں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ (پہلے شوریٰ ۱) کہ فرشتے زمین پر اپنے والوں کے لیے طلبِ مغفرت کرتے ہیں۔ اس آیت میں حرف من ہے اور ظاہر ہے کہ زمین پر سب بسنے والوں کے لئے فرشتے دعا و مغفرت نہیں کرتے بلکہ مومنوں کے لیے طلبِ استغفار کرتے ہیں جیسا کہ دوں کے مقام پر ارشاد ہوتا ہے وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا (پ ۲۴ مومن) کہ فرشتے صرف مومنوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں نہ یہ کہ ہندوؤں، سکھوں، یہودیوں اور نصرانیوں اور دیگر مشرک قوموں کے لیے خواہ وہ انسانوں میں ہوں یا جنوں میں تو یہاں حرف من تخصیص کے لیے آیا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ عَامِنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ الْأَرْضَ الَّتِي (پہلے، ملک، ۲) کیا تم نڈر ہو چکے ہو اُس سے جو آسمان میں ہے اس سے کہ دھنسا دے تم کو زمین میں یہاں بھی حرف من ہے اور اس سے مراد صرف اللہ کی ذات ہے نہ کہ ہر ایک من فی السماء اور قرآن کریم صحیح احادیث اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ آسمانوں میں فرشتے اور ارواحِ حقیر

انبیاء علیہم السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب غصہ غمی کے ساتھ بلکہ تمام دیگر مومنوں کی روحیں آسمانوں پر موجود ہیں اور ایک صحیح روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وہ اولاد جو اہل النار سے ہے پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب موجود ہے (بخاری ص ۱۱۵) مسند ج ۱ ص ۹۲ والبو عوانہ جلد ۱ ص ۱۲۳) اور آسمان پر کوئی چپٹا ایسا نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ عبادت اور سجدہ میں مشغول نہ ہو (مستدرک جلد ۳ ص ۵۴۴) قال الماکہ والذہبی علی شرطہما

۳۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَمْ اَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ اَنْ يُّسَلِّ عَلَيْكُمْ مَخْلَصًا (۲۰، ملک) کیا نڈر ہو چکے ہو تم اس سے جو آسمان میں ہے اس سے کہ برسائے تمہارے اوپر پتھروں کا مینہ اس آیت میں بھی حرف من ہے مگر اد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں انما هلك من كان قبلكم (الحديث) بخاری جلد ۲ ص ۱۳۱ کہ تم سے پہلے لوگ صرف اس لیے ہلاک ہوئے ہیں کہ احکام خداوندی میں امیر و غریب اور اعلیٰ و ادنیٰ کا فرق کرتے تھے، اس حدیث میں حرف من ہے مگر اد صرف بعض قومیں ہیں نہ کہ حضرات انبیاء عظام اور ان کے مومن ساتھی (علیہم الصلوٰۃ والسلام)

۵۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَتَجَنَّ سَنَنْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ (الحديث) بخاری ص ۱۰۸۱ و مسند ج ۲ ص ۳۲۹) تم پہلے لوگوں کی (جو یہود اور نصاریٰ ہیں جیسا کہ اسی حدیث میں اس کی تصریح ہے) اتباع کرو گے جو تمہاری مگر اہی کا موجب بنے گی اس میں بھی حرف من ہے اور اس سے مراد بعض قومیں ہیں نہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کیونکہ ان کی اتباع کا تو آپ کو حکم ہے فَبِعَدَاهُمْ اُقْتَدِ (پ۔ انعام) سو آپ ان پیغمبروں کی رحمن میں اٹھارہ کے مترادف نام لیے گئے ہیں اور باقی حضرات کا اجالا ذکر ہوا ہے، اقتدائیجے اور آپ کی وساطت سے آپ کی تمام امت کو ان کی اتباع اور اقتدار کا حکم دیا گیا ہے۔

۶۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طاعون اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب ہے (جس ارسل علی من قبلكم) بخاری جلد ۱ ص ۴۹۴ و مسند جلد ۲ ص ۲۲۸) جو تم سے پہلے لوگوں پر نازل کیا گیا ہے اس حدیث میں بھی حرف من ہے حالانکہ یہ عذاب صرف بعض مجرموں پر نازل کیا گیا تھا نہ کہ پیغمبروں اور مومنوں پر علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۷۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عصر کی نماز تم سے پہلے لوگوں پر پیش کی گئی مگر انہوں نے پروا نہ کی۔ عرضت علی من قبلکم (مسئلہ جلد ۱ ص ۲۷۵) حالانکہ حضرت انبیاء عظام علیہم السلام اور ان کے پیروکار اس جرم سے مبرا تھے۔

۸۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو زمین پر بسنے والوں پر رحم نہیں کرتے تو یرحمہ من فی السماء (الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۱۵۵) بتدقیق ان پر آسمان والا رحم نہیں کرے گا، یہاں بھی حرف من ہے اور مراد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

۹۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرشتوں کو اور نیک بندوں کو ارشاد فرمائیں گے اخرجوا من النار من ذکر فی یومئذ مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۴۵ و متدرک ص ۱۷ جن لوگوں نے مجھے ایک دن بھی یاد کیا ہے۔ ان کو دوزخ سے نکال لو اس حدیث میں بھی حرف من ہے لیکن اس سے مراد صرف اہل توحید ہیں گو کہتے ہی گنہگار ہوں نہ کہ کافر اور مشرک حالانکہ وہ بھی خدا کا نام تو لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اگر آپ ان سے سوال کریں تمہیں کس نے پیدا کیا ہے لَیَقُولُنَّ اللّٰهُ تو ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے کتب حدیث میں سینکڑوں مثالیں ایسی موجود ہیں جن سے بخوبی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حرف من تخصیص کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے، ہم نے صرف بطور مثال کے چند نمونے عرض کئے ہیں، اب آپ علمائے عربیت کی چند عبارتیں ملاحظہ کریں۔

۱۔ علامہ زحشرمی آیت۔ اکی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حرف من تعمیم کے لیے نہیں بلکہ جنس کے لیے اور جنسیت کل افراد میں بھی متحقق ہو سکتی ہے اور بعض میں بھی لیکن اس مقام میں بعض یعنی اہل ایمان مراد ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے کافروں کے لیے دعائے مغفرت نہیں کرتے۔

۲۔ مولف خیر الکلام نے ان عبارات کا جو یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک حرف من وضع تو عموم کے لیے ہے اور اس مقام پر خصوص کے معنی پر لگی دلالت ہے اور وضع و دلالت میں فرق ہے (محصلاً ص ۸۵) تو یہ ایک ناکام بہانہ ہے کیونکہ علامہ زحشرمی وغیرہ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ حرف من تعمیم کے لیے نہیں بلکہ جنس کے لیے ہے تو پھر بیکار مطلب کو کون مانتا ہے؟ اور اگر دلالت کے لحاظ سے خصوص آیا ہے تب بھی استعمال کے لحاظ سے عموم میں نص قطعی تو نہ رہا وهو المطلوب۔ اور پھر علامہ سید شریف جربانی کی صریح اور واضح عبارت کا کیا جواب ہے جس میں وہ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ عموم کیلئے وضع ہی نہیں بلکہ جنس کے لیے وضع ہیں۔

(تفسیر کشف جلد ۳ ص ۶۳)

۲۔ ام رازی لکھتے ہیں کہ حرف من لایقید العموم یہاں عموم کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ اس سے بعض مراد ہیں (جو اہل ایمان ہیں) (تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۴۳۹)

۳۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ حرف من یہاں جنس کے لیے ہے نہ کہ عموم کیلئے (روح المعانی ص ۱۲۹)

۴۔ ام ابو بکر رازی بھی اسی کے قریب قریب الفاظ لکھتے ہیں (احکام القرآن ص ۴۳۹)

۵۔ ملا احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں ما ومن یختلفان العموم والخصوص واصلہما العموم

رنور الانوار ص ۵۵) کہ حرف ما اور من عموم اور خصوص دونوں کا احتمال لکھتے ہیں۔ اصل اگرچہ ان دونوں کا عموم ہے۔

مطلب واضح ہے کہ اگرچہ اصل میں دونوں عموم کے لیے ہیں لیکن استعمال کے لحاظ سے دونوں عموم کے لیے نص قطعی نہیں کہ ان میں تخصیص نہ آسکے بلکہ استعمال میں عموم و خصوص دونوں کا برابر احتمال لکھتے ہیں اور ص ۸۱ میں لکھتے ہیں۔ وکلمة من لیت بحکمة فی العموم الخ کہ کلمہ من عموم میں محکم اور نص قطعی نہیں ہے۔

۶۔ ام اہل عربیت علامہ سید شریف جرجانی (المتوفی ۸۱۶ھ) تحریر فرماتے ہیں (المصولات

لہ توضیح للعموم بلہی للجنس یحتمل العموم والخصوص شرح مواقف جلد ۲ ص ۴۵۵ طبع

مصر و ص ۲۳) طبع لونڈکٹوں کہ جملہ مصولات (جن میں ما ومن داخل ہیں) عموم کے لیے موضوع

ہی نہیں بلکہ ان میں عموم و خصوص دونوں کا احتمال ہے اور ابو بکر محمد بن احمد السرخسی (المتوفی ۴۹۰ھ)

لکھتے ہیں ومن هذا القسم کلمة من فانها کلمة مبہمة وهي عبارة عن

ذات من یعقل وهي تحتل الخصوص والعموم الخ اصول سرخسی جلد ۱ ص ۱۵۵ طبع مصر

کہ اسی قسم سے کلمہ من بھی ہے کہ وہ مبہم اور مجمل ہے اور وہ عقل والی شخصیت پر دلالت کرتا ہے

اور خصوص و عموم دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور اصول فقہ کی مشہور کتاب التوضیح والتلویح

ص ۱۵۹ میں بھی اس کی تصریح ہے کہ کلمہ من خصوص اور عموم دونوں کے لیے آتا ہے۔

قارئین کرام! آپ قرآن کریم، صحیح احادیث اور ائمہ تفسیر اور علماء عربیت کی واضح عبارت

سے یہ معلوم کر چکے ہیں کہ حرف من تعمیم کے لیے نص قطعی نہیں ہے اور اسی پر فریق ثانی کے استدلال

کی عمارت قائم تھی جو اس بحث کے بعد بیوند زمین ہو جاتی ہے کیونکہ حرف من تخصیص کے لیے بھی آتا ہے اور ادب عربی کے ساتھ تعلق رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ بہت کم ایسے مقامات ہوں گے جہاں اندرونی اور بیرونی قرآن سے حرف من سے حقیقی تعمیم مراد لی جائے۔ حضرت شاہ ولی نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے (اور قرآن و شواہد کی روشنی میں ان کا دعویٰ بیجا نہیں ہے)

الواصل فی العمومات التخصیص بما یناسب المقام (تفہیمات الہیہ ج ۱ ص ۲۵)
 کہ عمومات میں قاعدہ اور اصل یہی ہے کہ ان میں مقام اور محل کے مناسب تخصیص مراد لی جائے گی۔ قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ عام کو مطلقاً خاص پر حمل کیا جائے گا، امام شافعی اور دیگر ائمہ اصول کا یہی مسلک ہے، وهو الحق (رسید جلد ۱ ص ۱۹) مبارکپوری صاحب بجا لہ قاضی شوکانی لکھتے ہیں کہ مطلق کو مقید پر اور عام کو خاص پر حمل کرنا واجب ہے اور یہی قوی ترین مذہب ہے (تحفۃ الاحق

جلد ۲ ص ۶۳) اور نواب صاحب بھی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ درحقیقت از باب تخصیص است (افادۃ الشیوخ ص ۱۵) اور مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ خاص عام پر اور مقید مطلق پر مقدم ہوتا ہے، ان تمام حوالوں اور دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ میر صاحب

کا ہر نماز میں لفظ ہر پر اور مبارکپوری صاحب اور مولف خیر الکلام کا حرف من پر اپنے استدلال کی بنیاد رکھنا باطل ہے اور اس سے امام مقتدی، منفرد اور ہر نمازی ہی مراد لینا صحیح نہیں ہے بلکہ اس سے صرف امام اور صرف منفرد مراد لینا بھی یقیناً صحیح ہے۔ مولف خیر الکلام نے ان ٹھوس اور صریح حوالوں سے انتہائی ناراض اور تنگدل ہو کر بلکہ گھبرا کر جو مخنص تلاش کیا وہ یہ ہے

۱۔ مولف "احسن الکلام" نے یہ تو تسلیم کر لیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے مگر اپنی طرف سے یہ اعتراض کیا ہے کہ حدیث عام ہے یعنی مقتدی، امام اور منفرد سب کو شامل ہے اس میں خاص مقتدی کا ذکر نہیں اور نہ خلف الامام کا ذکر ہے۔

۲۔ دو سے لفظوں میں ان کا یہ مطلب ہوا کہ یہ حدیث لغو اور بیکار ہے کیونکہ اس میں حکم عام ہے نہ منفرد کا ذکر ہے نہ امام کا اور نہ مقتدی کا۔

۳۔ حنفیوں کی معتبر کتاب حسامی میں ہے کہ عام کا حکم یہ ہے کہ جتنے افراد کو وہ لفظ شامل ہو ان تمام کو عام کا حکم قطعی اور یقینی طور پر شامل ہوتا ہے خاص و عام میں کوئی فرق نہیں اور یہی ہمارا

مذہب ہے۔

۴۔ حنفیوں کی بہترین کتاب توضیح میں ہے کہ ہمارے اور اہم شافعی کے نزدیک عام جمیع افراد میں حکم واجب کرتا ہے یعنی عام کے حجت ہونے میں حنفی اور شافعی متفق ہیں۔

۵۔ توجیح میں ہے کہ عام کے حجت ہونے پر امت کا اجماع ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہؓ اور غیر صحابہؓ سے عموماً اسے استدلال کرنا ثابت اور مشہور و معروف ہے۔

۶۔ حرف من کی دلالت عموم پر قطعی ہے کیونکہ من عموم کے لیے موضوع ہے اور بدون قرینہ لفظ اپنے اصل معنی پر قطعاً دلالت کرتا ہے۔

۷۔ مولف احسن الکلام نے جو حوائج نقل کئے ہیں ان تمام سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حرف من میں بسا اوقات تخصیص بھی مراد ہو سکتی ہے اور اصل میں من عام ہے مگر یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ لفظ من عام و خاص دونوں کے لیے موضوع ہے یا دونوں اس میں اصل ہیں۔

۸۔ مولف احسن الکلام کی اس جگہ روش مرزائیوں کی سی ہے کہ وہ لَانَبِيَّ بَعْدِي کی حدیث میں جمیع افراد کی نفی مراد نہیں لیتے حالانکہ اس میں ہر قسم کی نبوت کی نفی ہے۔

۹۔ قاضی شوکانی فرماتے ہیں کہ جمہور کا مذہب ہے کہ عموم کے لیے ایسے الفاظ ہیں جو اس کے لیے حقیقتاً موضوع ہیں وہ اسما شرط اور اسما استفہام اور اسما موصولات ہیں (ارشاد الفحول ص ۱۱)

۱۰۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ من جنس کے لیے موضوع ہے ان کے نزدیک بھی یہاں عام ہونا چاہیے کیونکہ صفت عام ہے۔ منار اور نور الانوار ص ۵۷ میں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے ہن شاء من عبیدی

العتق فهو حرّ فثا و اعتقوا (جو شخص کے میرے غلاموں میں سے جو آزاد ہونا چاہے وہ آزاد ہے اگر وہ چاہے گے تو آزاد ہو جائیں گے الخ) (محصلة خیر الکلام از ص ۵۷ تا ص ۵۸)

الجواب :- تم ترتیب وار ہر ایک ثنق کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ راقم نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ یہ حدیث عام ہے اور یہ اہم و منفرد اور مقتدی سب کو شامل ہے جیسا کہ مولف خیر الکلام نے غلط بیانی سے کام لیا ہے، راقم تو اس حدیث کو عام مانتا ہی نہیں بلکہ یہ

کتاب ہے کہ یہ اہم و منفرد کے ساتھ خاص ہے اور اسی لیے حرف من کی تخصیص کی باحوالہ بحث درج کی ہے کہ وہ عموم میں محکم اور نص نہیں ہے راقم نے تو یہ لکھا ہے کہ اس روایت سے فریق ثانی کا

استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ دعویٰ خاص اور دلیل عام ہے نہ اس میں مقتدی کی قید موجود ہے اور نہ خلف اللام کی الخ اور دلیل کو بھی اس لیے عام کہا کہ فریق ثانی اس کو عام کہتا ہے اور یہ لفظ عام بھی صرف الزامی طور پر استعمال کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ مولف خیر الکلام کو حدیث کے عام ہونے اور مقام استدلال میں دلیل کے عام ہونے کے واضح فرق کو سمجھنے کی توفیق بخشے گا۔

ایں دعاہ از من واز جملہ جہاں آمین یاد

۲۔ یہ بھی خوب کسی کہ حدیث لغو اور بیکار ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اپنے ناخواندہ حواریوں کو بھیرا کاتے گا کیا نرا اڈھنگ ہے، راقم جب چلا چلا کر یہ کہتا ہے کہ اس حدیث کا مصداق ہی صرف امام اور مفرد ہیں، اندرونی اور بیرونی ٹھوس دلائل سے مقتدی اس میں داخل نہیں تو انصاف سے فرمائیے دلشہرہ طیکہ فریق ثانی انصاف کی قدر کرتا ہو کہ راقم کے نزدیک یہ حدیث لغو اور بیکار کیونکہ ہوئی؟ اور راقم نے یہ کب تسلیم کیا ہے کہ اس میں حکم عام ہے جس پر مولف "خیر الکلام" نے بلاوجہ عاصیہ آرائی کی ہے۔

۳۔ حامی کا حوالہ مولف مذکور کو مفید نہیں کیونکہ نزاع اس میں نہیں کہ عام اپنے افراد کو قطعی طور پر شامل ہے یا نہیں؟ بلکہ نزاع اس میں ہے کہ حرف منعموم کے لیے موضوع ہے یا جنس اور ابہام کے لیے موضوع ہے؟ جب کسی لفظ کو عام تسلیم کر لیا جائے تو اس کا اپنے افراد پر بشمول قطعی ہو گا مگر حرف منعموم ایسا نہیں۔

۴ و ۵۔ توضیح و تلویح کے حوالے بھی مولف خیر الکلام کو سود مند نہیں ہیں کیونکہ نہ تو عام کے حجت ہونے میں اختلاف ہے اور نہ لفظ عام کے اپنے جمیع افراد میں حکم واجب کرنے میں یہ دونوں باقیں محل نزاع سے خارج ہیں۔ نزاع صرف اسی میں ہے کہ حرف منعموم میں محکم اور قطعی ہے یا نہیں؟

۶۔ ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ حرف منعموم میں محکم اور قطعی نہیں بلکہ یہ مبہم ہے اور موصولات عموم کے لیے موضوع نہیں ہیں اور حافظ ابن ہمام اپنی دقیق کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

کیا اسما، شرط، استفہام، موصولات، محلی، ہنقی، جمع باللام اور اضافات کے صیغے علی الخصوص عموم کے لیے موضوع ہیں؟ یا اس میں مجاز ہیں؟ یا مشترک ہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام ابو الحسن اشعری نے قاضی ابوبکر

هل الصیغ من اسماء الشرط والاستفہام والموصولات والمحلی والمنفیة والجمع باللام والاضافة موضوعة للعموم علی الخصوص او مجاز فیہ او مشتركة

وتوقت الاشعری مرة كالقاضي و
 مرة بالاشتراک ۱۱۔ (التحریر ص ۶۵ طبع مصر) کے قابل ہوتے۔
 الباقی کی طرح کبھی تو وقت کیا اور کبھی اشتراک

ملاحظہ کیجئے کہ علم عربیت کے پہاڑ اور ماہر اہم بھی موصولات وغیرہ کے بارے میں جتنی طور پر یہ کہنے سے قاصر ہیں کہ وہ قطعاً عموم کے لیے موضوع ہیں۔ کوئی تو عموم کے لیے ان کی وضع کو مجازی کہتے ہیں اور کوئی اشتراک اور وقت کے قابل ہیں پھر بھلا مولف خیر الکلام کے اس دعویٰ کو کون سنتا اور مانتا ہے کہ من عموم کے لیے موضوع ہے جب عموم کے لیے وضع ہی نہیں اور کم از کم ائمہ عربیت کا اس میں شدید اور قوی اختلاف ہے تو حرف من کی عموم میں قطعیت کا دعویٰ باطل ہے اور جب قطعی طور پر اس کا معنی عموم ہے ہی نہیں تو قرینہ اور غیر قرینہ کا کیا سوال؟ جس کے پیچھے مولف خیر الکلام پڑے ہوئے ہیں اور خصوص کے لیے قرینہ کے طالب ہیں۔

۷۔ جب مولف خیر الکلام کو اس کا اقرار ہے کہ حرف من میں بسا اوقات تخصیص بھی مراد ہو سکتی ہے تو انہیں کے اس اقرار کے موافق یہاں حرف من سے خاص مراد ہے یعنی اہم اور منفرد تاکہ دیگر صحیح اور صریح دلائل سے تعارض بھی نہ ہو اور فصحاء کی زیادت بھی بر محل ثابت ہے۔

۸۔ مولف خیر الکلام کا رویہ بھی رافضیوں سے کسی طرح کم نہیں کہ وہ دیگر تمام نصوص سے انماض کر کے محض سینہ زوری سے تَبَيَّنَا نَا كِلَّ شَيْءٍ میں لفظ كل کے عموم پر اصرار کر کے اپنے ائمہ کے لیے مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ کا علم غیب ثابت کرنے پر کمر بستہ ہیں (ملاحظہ ہو اصول کافی جلد ۱ ص ۱۱۱) باقی حدیث لابی بعدی شکرہ لقی کے پیچھے داخل ہے جس کا حکم واضح ہے۔

۹۔ قاضی شوکانی کا یہ دعویٰ کہ جمہور کے نزدیک موصولات وغیرہ عموم کے لیے وضع ہیں مسموع نہیں کیونکہ ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ یہ عموم کے لیے موضوع ہی نہیں اور ائمہ فن کا اس میں خاصا اختلاف ہے علاوہ ازیں تلویح ص ۱۶۷ میں اس کی تصریح ہے کہ حرف من کی چار قسمیں ہیں شرطیہ، استفہامیہ، موصولہ اور موصوفہ پہلی دونوں قسموں میں وہ عموم کے لیے اور دوسری دونوں قسموں میں

یعنی موصولہ اور موصوفہ ہونے کی صورت میں عموم اور خصوص دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے اور حدیث زیر بحث میں حرف من نہ شرطیہ ہے اور نہ استفہامیہ جیسا کہ محقق نہیں ہے لہذا اگر حرف من اپنی پہلی دو قسموں کے اعتبار سے عام بھی ہو تو جمہور کا یہ ارشاد بجا ہے لیکن

حدیث مذکور میں مَنْ یا موصول ہے یا موصوف اور اس میں عموم و خصوص دونوں مراد ہو سکتی ہے اور یہاں صحیح اور ٹھوس دلیل کے پیش نظر خصوص مراد ہے اور اس عبارت سے بھی واضح ہو گیا کہ مطلق حرف مَنْ عموم کے لیے وضع نہیں اس کی بعض اقسام عموم کے لیے ہیں اور بعض خصوص کے لیے اس لحاظ سے بھی وہ علی الاطلاق عموم میں نص اور محکم نہ رہا اور یہی ہم کہتے ہیں۔

۱۰۔ نور الانوار کے حوالہ میں جو عموم آیا ہے تو بلاشبہ وہ درست ہے ایک تو اس لیے کہ اس میں حرف مَنْ شرطیہ ہے اور ابھی گزر چکا ہے کہ وہ استعمال میں عام ہوتا ہے اور دو کسریاں مشیت کے فعل کی اسناد میں عبیدی میں جمع کی طرف کی گئی ہے اور وہ عام ہے اور مَنْ بیانیہ ہے بخلاف حدیث مذکور کے کہ اس میں مَنْ یقراً فعل کی اسناد حرف مَنْ کی طرف ہے جو موصول یا موصوف ہونے کی وجہ سے عموم و خصوص دونوں کے لیے ہوتا ہے اور یہاں خصوص کے لیے آیا ہے جس کی منصل بحث کتاب میں مذکور ہے غرض کہ نہ تو یہاں حرف مَنْ عام ہے اور نہ اس کی صفت عام ہے جیسا کہ مؤلف خیر الکلام کو دھوکہ ہوا ہے اور اگر بالفرض عام بھی ہو تو بھی فصاعداً وغیرہ کے قرینہ سے اس سے خاص منفرد ہی لیا جاسکتا ہے چنانچہ خود مؤلف خیر الکلام نے ایک جگہ لکھا ہے کہ پس یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ جو حدیث عام ہے، اس سے مراد بھی خاص مقتدی ہی لیا جائے۔ انتہی بلطفہ (۲۰)

تو یہاں اس عام سے خاص منفرد لینے میں کیا رکاوٹ ہے، مؤلف خیر الکلام نے ص ۸۳ میں بحوالہ نور الانوار ص ۶۹ یہ لکھا ہے کہ اگر نکرہ کی صفت عام ہو تو عام ہو جاتا ہے اھ مگر یہ قاعدہ تمام احناف کے ہاں مسلم نہیں ہے، اس پر اباب اصول نے خاصی بحث کی ہے۔ توضیح و تلویح وغیرہ میں اس پر سیر حاصل بحث موجود ہے۔ اور علامہ تفتازانی لکھتے ہیں کہ۔

والقول بعموم التکرۃ الموصوفۃ مما نکرہ موصوفہ کے عموم میں بہت سے علماء حنفیہ نے قدح فیہ کثیر من العلماء الحنفیۃ اھ کلام کیا ہے۔

(التلویح ص ۶۹)

مؤلف مذکور اور ان کی جماعت پر لازم ہے کہ وہ صرف نور الانوار ہی کو نہ دیکھا کریں کیونکہ وہ تو برائے درس طلبہ بڑی مختصر سی کتاب ہے اس میں تمام تفصیل موجود نہیں ہوتیں دیگر اصول کی کتابوں کو بھی اگر بن پڑے تو (اگرچہ ہیں تو وہ دقیق اور مشکل ہی) پڑھا کریں تاکہ حقیقت

منکشف ہو جائے۔

جواب دوم :- جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حروف من عموم میں نص قطعی نہیں تو اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ حدیث کس کے حق میں ہے؟ اہم اور منفرد کے بارے میں یا مقتدی کے حق میں؟ سو اس سے بہتر طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم اسی حدیث کے تمام طرق پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں شاید کہ کوئی سراغ مل جائے چنانچہ یہ بات زبان زد خلاق ہے جو بندہ یا بندہ، جب ہم نے دیکھا تو اسی حدیث میں یہ زیادت بھی مل گئی۔ لوصولاً لمن لم یقداً بفاتحة الكتاب فصاعداً کہ جس شخص نے سورۃ فاتحہ اور اس سے زیادہ کچھ اور نہ پڑھا تو اس کی نماز نہ ہوگی اگر فریق ثانی کے نزدیک مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ اور فصاعداً اس کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھنا جائز ہے تو یہ حکم مقتدی کو بھی شامل ہے، ورنہ یہ حدیث صرف اور صرف اس شخص کے بارے میں ہوگی۔ جس کو سورۃ فاتحہ کے ساتھ فصاعداً کچھ اور بھی پڑھنا ضروری ہے اور وہ صرف امام یا صرف منفرد ہے اس سے مقتدی ہرگز مراد نہیں کیونکہ فریق ثانی کے نزدیک بھی مقتدی کو سورۃ فاتحہ کے علاوہ اور کچھ بھی پڑھنا جائز نہیں ہے تو اس فصاعداً کی زیادت نے یہ بات متعین کر دی ہے کہ حروف من سے مراد امام یا منفرد ہے مقتدی اس سے یقیناً خارج ہے۔ یہ زیادت بطریق اہم معمر صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۶۹ والیو عوانہ ص ۱۲۳ اور نسائی جلد ۱ ص ۱۶۸ وغیرہ میں لیس صحیح مروی ہے صحیح مسلم اور الیو عوانہ کی سند کے صحیح ہونے میں تو کوئی کلام نہیں ہو سکتا نسائی کے روایہ ہیں۔ (۱) سوید بن نصرہ اہم نسائی انکو ثقہ کہتے ہیں، ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور ان کو متقن لکھتے ہیں، مسلم ان کو ثقہ کہتے ہیں، تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۸ (۲) عبد اللہ بن مبارک ان کا ترجمہ جلد اول کے مقدمہ میں گذر چکا ہے (۳) اہم معمر بن راشد ان کا ترجمہ بھی جلد اول باب اول میں گذر چکا ہے۔ (۴) اہم زہری ان کا ترجمہ بھی جلد اول کے مقدمہ میں گذر چکا ہے (۵) حضرت محمود بن الریح، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر پانچ سال کی تھی ابن حبان ان کو صحابہ میں لکھتے ہیں ابو حاتم کا بیان ہے کہ انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے لیکن صحبت حاصل نہیں کر سکے، اہم علی ان کو ثقہ اور من کبار التابعین کہتے ہیں اور یہ حضرت عبادہ بن الصامت کے داماد تھے۔

تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۶۳، (۶) حضرت عبادہ بن الصامت جلیل القدر صحابی تھے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی خالہ حضرت ام صراہ بنت لیثان ان کے نکاح میں تھیں۔ (دیکھئے
ہاشم بخاری جلد ۱ ص ۳۹۱ وغیرہ)

اختر ارض ۱۔ فصاعداً کی اس زیادت کے سلسلہ میں جو اعتراضات اس ناچیز کی نگاہ سے گذرے
ہیں یہ ہیں (۱) فصاعداً کی زیادت نقل کرنے میں اہم معرکہ متفرد ہیں (جزء القراءۃ ص ۱ کتاب
القراءۃ ص ۱ تلخیص الجبیر ص ۵ تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۳۲ و البکار
المتن ص ۱۲۲ اور مؤلف خیر الکلام نے بھی اہم بخاری کے حوالہ سے اس کو شاذ کہہ ہے ص ۱۵۴) (۲) اگر
یہ زیادت صحیح بھی ہو تب بھی اس سے ما زاد علی الفاتحہ کا وجوب ثابت نہیں ہوگا۔ اور اس
حدیث میں فصاعداً کی زیادت اس لیے بیان کی گئی ہے تاکہ یہ وہم دور ہو جائے کہ شاید صرف
فاتحہ ہی پڑھنی چاہیے جیسے تقطع الید فی ربع دینار فصاعداً میں ہے (جزء القراءۃ
ص ۳ فتح الباری جلد ۲ ص ۱۹۳ و تحقیق الکلام و البکار المتن وغیرہ) (۳) مبارک پوری
صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
نے ایک مرتبہ دو رکعت نماز پڑھائی اور ان میں سورہ فاتحہ ہی پڑھی (فتح الباری جلد ۲ ص ۲۰۲۔
کتاب القراءۃ ص ۵ و مسند احمد جلد ۱ ص ۱۴۳ وغیرہ) اگر ما زاد واجب ہوتا تو آپ کیوں
ما زاد اور فصاعداً کو ترک کرتے لہذا فصاعداً واجب نہ ہوا (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۲۲
۱۴۳) موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ سورہ فاتحہ سب نمازوں میں کافی
ہے اگر زیادہ ہو جائے تو بہتر ہے (کتاب القراءۃ ص ۸) معلوم ہوا کہ ما زاد علی الفاتحہ واجب
نہیں ہے (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۲۱) (۵) موصوف لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے اس
پر اجماع نقل کیا ہے کہ ما زاد علی الفاتحہ واجب نہیں ہے (فتح الباری جلد ۲ ص ۱۲۱) اور
یہ نقل اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ ما زاد علی الفاتحہ واجب نہیں ہے (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۲۱)
(۶) اہم بیہقی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اہل القرآن عوض من
غیرہا ولیس غیرہا عوض منہا کتاب القراءۃ ص ۵ و مستدرک جلد ۱ ص ۲۳۸) کہ
سورہ فاتحہ باقی تمام سورتوں کا عوض ہے لیکن اس کے علاوہ کوئی اور سورت اس کا عوض نہیں

ہو سکتی لہذا سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہی کافی ہے اور فصاعدا کی حاجت نہ ہوگی کیونکہ صحیح
 كل الصيد في جوف القراء یہ ہیں وہ اعتراضات جو فصاعدا کی زیادت کو رد کرنے یا
 غیر ضروری ٹھہرانے کے لیے کئے گئے ہیں۔

جواب :- ان جملہ اکابر اور حضرات نے فصاعدا کی زیادت کے سلسلے میں جو اعتراض کئے
 ہیں ٹھوس دلائل اور واضح براہین کی بنا پر وہ باطل اور بے بنیاد ہیں علی الترتیب شرح وار
 سب کے جوابات سن لیجئے۔

۱۔ ان اکابر کا یہ دعویٰ کہ فصاعدا کی زیادت بیان کرنے میں معمرؓ متفرد ہیں خود ان کے قواعد
 اور مسلمات کے خلاف ہے۔ اولاً اس لیے کہ معمرؓ بالاتفاق ثقہ، ثبوت اور حجت ہیں اور ثقہ کی زیادت
 بالاتفاق قابل قبول ہوتی ہے جس کی پوری تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ پھر یہ خلاف اصول دعویٰ
 کون سنتا ہے کہ معمرؓ کا تفرّد مضر ہے و ثانیاً امام زہری کے تمام تلامذہ میں معمرؓ زیادہ قابل اعتماد
 اور (اثبت الناس فی الزہری) ہیں جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس لیے قاعدہ اور ضابطہ
 کے پیش نظر معمرؓ کی یہ زیادت صحیح اور معتبر ہے اور جن راویوں نے یہ زیادت نقل نہیں کی اصل
 قصور ان کا ہے و ثالثاً فصاعدا کی زیادت دیگر ثقہ راویوں سے بھی مروی ہے چنانچہ یہی
 فصاعدا کی زیادت سفیان بن عیینہ سے بسند صحیح مروی ہے (البوداؤد جلد ۱ ص ۱۱۹)

علاوہ انہیں فصاعدا کی زیادت امام اوزاعیؒ اور شعیب بن ابی حمزہ سے بھی مروی ہے (کتاب
 القذاة ص ۱۱۹) امام اوزاعیؒ کا ترجمہ نقل کیا جا چکا ہے اور شعیب بخاری و مسلم کے مرکزی راوی ہیں حافظ
 ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور عابد تھے (تقسیم ص ۱۶۹) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اس کی سند
 میں احمد بن مارون مستملی ہے۔ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ثقہ راویوں سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے (الاصحاح ص ۸۸)

۲۔ سند کے راوی یہ ہیں قتیبہ بن سعید و ابن السرح، سفیان بن عیینہ، امام زہری، محمود بن ریح، حضرت عبادہ بن، ان تمام کی توثیق
 اپنے اپنے موقع پر نقل کی جا چکی ہے اور ان میں ہر ایک ثقہ اور ثبوت ہے مولف خیر الکلام نے یہ بیکار بہانہ کیا ہے کہ امام ابوداؤد
 قتیبہ اور ابن السرح کے طریق سے یہ زیادت نقل کرتے ہیں مگر دوسری کتابوں میں قتیبہ کی یہ زیادت نہیں لہذا ابن السرح متفرد
 ہیں (مصدق ص ۸۸) مگر یہ کوئی جواب نہیں کیونکہ دوسری کتابوں میں نہیں تو نسبی ابوداؤد میں تو بسند صحیح دونوں سے مروی ہے

الجواب :- خود مولف مذکور کے قلم سے وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ان کے بعض راوی اگرچہ ضعیف ہیں مگر متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی حرج نہیں ہے بلفظہ (خیر الکلام ص ۳۱) اور یہی فصاعدا کی زیادت عبد الرحمن بن اسحاق مدنی سے بھی مروی ہے (کتاب القراءۃ ص ۱) و فصل الخطاب ص ۱) اور جلد اول باب دوم حدیث ۱۲ میں ان کا ترجمہ نقل کیا جا چکا ہے اور ان کے علاوہ یہی فصاعدا کی زیادت صالح بن کیسان سے بھی منقول ہے (عمدة القاری جلد ۳ ص ۶۹) اور صالح بن کیسان ثبت اور فقیہ تھے (تقریب ص ۱۴۴) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ علامہ عینی نے خواہ نہیں دیا (محصلا ص ۸۸) الجواب :- اگر اس میں کچھ کمزوری بھی ہوئی تب بھی متابعت میں پیش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور خود مولف مذکور اس کے قائل ہیں کہما متراً۔

آپ نے دیکھ لیا کہ فصاعدا کی زیادت کو امام معمرؒ، امام سفیان بن عیینہ، امام ابو اسحاق، امام شعبہ بن ابی حمزہ، امام عبد الرحمن بن اسحاق مدنی اور امام صالح بن کیسان جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث اور ثقات و حفاظ نقل کرتے ہیں مگر فریق ثانی کا یہ پادر ہوا دعویٰ ہے کہ اس زیادت کے نقل کرنے میں معمر متفرد ہیں اور دوسرے ثقات ان کی مخالفت کرتے ہیں فواسفاً۔ فصاعدا کے بجائے حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مرفوع روایت میں ماتیسر کی زیادت بھی مروی ہے (البدو و جلد ۱ ص ۱۱۸ مستد احمد جلد ۳ ص ۱۵۱ سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۲ اور معرفت علوم الحدیث ص ۹ وغیرہ) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اس کی سند قوی ہے وفتح البیاری جلد ۲ ص ۲۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ اسناد صحیح (تلخیص الجید ص ۸۷) امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ماتیسر کی زیادت بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے (شرح المہذب جلد ۳ ص ۳۲۹) قاضی شوکانیؒ، امام ابن سید الناس سے (جو الشیخ العلامة، المحرث، الحافظ، الادیب اور البارع تھے۔ تذکرہ جلد ۲ ص ۲۸۵ نقل کرتے ہیں کہ اسناد صحیح و رجالہ ثقات۔ رسیل الاوطار جلد ۲ ص ۱۱) اس کی سند صحیح اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ نواب صاحبؒ بھی اس زیادت کی تصحیح نقل کرتے ہیں وفتح البیان جلد ۳ ص ۲۲۷) مولانا شمس الحق صاحبؒ لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ، امام ابن حبانؒ اور علامہ ابن سید الناس وغیرہ اس کی تصحیح کرتے ہیں (عنوان المعجود جلد ۱ ص ۳) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے حکم دیا کہ جا کر لوگوں میں یہ اعلان کرو کہ ان لاصلاۃ الالبقرۃ فاتحۃ الکتاب وما تیسر
(موارد النظم ص ۱۲۶)

حضرات! فن روایت میں اس سے بڑھ کر کسی روایت کی صحت ناممکن ہے فصاعداً
لورمانتیسر کے علاوہ ما زاد کی زیادت بھی مروی ہے (جزء القراءۃ ص ۳۰، کتاب القراءۃ
ص ۱۲ مستدرک جلد ۱ ص ۲۳۹ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۳۰ وغیرہ) رہا مبارکپوری
صاحب کا یہ اعتراض کہ اس میں جعفر بن میمون ضعیف ہے (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۲۳ جلد
ص ۳۰ و ایکار المنن ص ۱۲۲) تو یہ کوئی وقعت نہیں رکھتا، اہم حاکم ان کو بصرہ کے ثقافت میں لکھتے
ہیں۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور جعفر ثقہ ہیں (مستدرک مع التلخیص جلد ۱
ص ۲۳۹) ابن معین ان کو ثقہ اور صالح الحدیث کہتے ہیں۔ دارقطنی ان کو معتبر کہتے ہیں۔ ابن عدی
کہتے ہیں کہ ان کی کوئی روایت منکر نہیں ہے ابن حبان اور ابن شاہین ان کو ثقافت میں لکھتے ہیں
(میزان جلد ۱ ص ۱۹۲) و تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۹۔ فصاعداً، ماتیسر اور ما زاد
کے علاوہ اور بھی متعدد الفاظ ایسے ہیں جو ما زاد علی الفاتحۃ کی اصلیت پر وضاحت و دلالت
کرتے ہیں اندر اس حالات اس زیادت کا انکار کرنا تعصب کے علاوہ سراسر اصول شکنی اور مسلمات کی
خلات و رزی ہے جو قطعاً قابل قبول نہیں۔

لہ ایک روایت میں و سورۃ معہا کی زیادت ہے (ترمذی جلد ۱ ص ۳۰) اور ابن ماجہ ص ۱۰ اور ایک روایت میں و آیتین
و ثلاث کی زیادت ہے (جزء القراءۃ ص ۱۳) ایک روایت میں و السورۃ کی زیادت ہے (زمعی جلد ۱ ص ۳۹) ایک روایت
میں و ثلاث آیات فصاعداً کی زیادت ہے (نصب الریہ جلد ۱ ص ۲۵) ایک روایت میں و آیتین من القرآن
کی زیادت ہے (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱۵) ایک روایت میں ثم اقرأ بما شئت کی زیادت ہے (منذ احمد جلد ۱ ص ۳۰)
ایک روایت میں و بما شاء اللہ ان تقرأ کی زیادت ہے (الودود جلد ۱ ص ۱۳۲) ایک روایت میں و شئ معہا
کی زیادت ہے۔ و کتاب القراءۃ ص ۱۳) ایک روایت میں ثم قرأت بما معك من القرآن کی زیادت ہے (کتاب القراءۃ ص ۱۳)
اور ایک روایت میں معہا غیرہا کی زیادت ہے (ایضاً) اور ایک روایت میں بفاتحۃ الکتاب و شئ
فہی حجاج کے الفاظ ہیں (ایضاً ص ۳) اور ایک روایت میں الالباتحۃ الکتاب فافوق ذلك کے الفاظ
ہیں (ایضاً ص ۱۵) اور اسی قسم کے الفاظ کتب حدیث میں اور بھی موجود ہیں مگر نونہ کے لیے ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔

۲۔ فریق ثانی کا یہ کہنا کہ مازاد علی الفاتحة کا وجوب اور اس کی رکنیت مسلم نہیں ہے یہ بھی محض اپنے دل کو عارضی تسکین پہنچانے کا سامان ہے اور ان کا مازاد علی الفاتحة کے وجوب کے انکار کرنا باطل ہے بلاشبہ اس لیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لا صلوة کے عمومی الفاظ کے تحت سورہ فاتحہ اور فصاعداً (وما تیسر اور مازاد) کا حکم دیا ہے تو جیسے سورہ فاتحہ واجب ہے اسی طرح فصاعداً اور مازاد علی الفاتحة بھی واجب ہے اور بلا کسی صحیح منقول یا معتول دلیل کے فصاعداً کے وجوب کا انکار کون تسلیم کرتا ہے؟ وثانیاً حضرت ابوسعید بن الخدریؓ کے حوالہ سے مرفوع اور صحیح حدیث (جس کی تصحیح پر امام نوویؒ ابن سیر الناس عافظ ابن حجر قاضی شوکانیؒ اور نواب صاحب وغیرہ سب متفق ہیں) پہلے نقل کی جا چکی ہے اس کے پورے الفاظ یوں ہیں امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقرأ بفاتحة الكتاب وما تیسر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم سورہ فاتحہ اور اس کے علاوہ کچھ اور بھی جو آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھا کریں۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ جس طرح آپ نے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے اسی طرح آپ نے ما تیسر کی قرأت کا بھی حکم دیا ہے اگر آپ کے حکم اور امر سے بھی وجوب ثابت نہیں ہوتا تو کس کے حکم سے ثابت ہوگا؟ وثالثاً مشہور مسنی الصلوة کی حدیث میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ثم اقرأ یا امر القرآن ثم اقرأ بما شئت (مسند احمد وابن حبان، سبل السلام جلد ۱ ص ۳) پھر تم سورہ فاتحہ پڑھو اور پھر اس کے بعد تم قرآن کا جو حصہ چاہو پڑھو اور البوداؤد جلد ۱ ص ۱۲۵) میں بسند صحیح یہ روایت ان الفاظ سے مروی ہے ثم اقرأ یا امر القرآن وبما شاء الله ان نقرأ پھر تم سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی جو اللہ کو منظور ہو پڑھو۔ ان روایتوں میں آپ نے مازاد علی الفاتحة کی قرأت کا امر کے صیغہ (اقرأ) سے حکم دیا ہے اور اس کی پوری تحقیق پہلے ہو چکی ہے کہ امر وجوب کے لیے ہوتا اور حافظ ابن حجرؒ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ امر وجوب کے لیے ہے۔

(فتح الباری جلد ۲ ص ۲۲۲) جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحیح اور صریح امر اور حکم کو اپنی مرضی اور خواہش سے رو کر دینا کمال کا انصاف ہے؟ ان دلائل سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ مازاد علی الفاتحة کی قرأت یا بالفاظ دیگر ضد السورة مع الفاتحة

بھی واجب ہے رہا اس حدیث میں فصاعدا کی زیادت کو تقطع الیحد فی ربع الدنیا رقماعداً
 (کہ چور کا ہاتھ ربع دینار اور اس سے زیادہ میں قطع کرنا چاہیے) پر قیاس کرنا تو قیاس صحیح الفارق اور باطل
 ہے۔ اولاً اس لیے کہ محض عبادت کو محض عقوبت پر قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ سورہ فاتحہ اور اس کے
 بعد کسی بھی سورہ کا پڑھنا بالاتفاق عبادت اور کارِ ثواب ہے، اور ربع دینار یا اس سے زیادہ میں قطع یہ
 کی سزا، نکال اور عقوبت ہے، اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، پھر ایک کو دوسرے پر قیاس
 کرنا چہ معنی وارد؟ مؤلف خیر الکلام کہتے ہیں کہ یہ قیاس نہیں بلکہ ایک مثال کے کہ فصاعداً والی
 ترکیب کا مفہوم واضح کرنا ہے الخ (ص ۱۳۳) کیا اس مثال کے لیے کتب حدیث کے ذخیرہ میں قطع
 سرقہ والی حدیث ہی مثال کے لیے دستیاب ہوئی ہے اور کوئی چیز موجود نہیں؟ اور جو لوگ
 عبادت کو عقوبت پر قیاس بھی کرتے ہیں وہ کب تمام دنیا کو چیلنج کرتے ہیں؟ اور کب دوسرے
 فریق کے عمل کو باطل بیکار اور کالعدم قرار دیتے ہیں؟ دثانیاً چوری کے سلسلہ میں تو صرف فصاعداً
 کا لفظ مذکور ہے اور یہاں فصاعداً۔ ماتیسر اور ما زاد وغیرہ دیگر بے شمار الفاظ وارد ہیں
 جیسا کہ آپ بعض کا مطالعہ کر چکے ہیں اس میں نرا فصاعداً ہی نہیں تاکہ آسانی کے ساتھ اس کو
 اس پر قیاس کر لیا جائے۔ مؤلف خیر الکلام اس سے یوں گلو خلاصی کرتے ہیں کہ ہماری بحث عبادہ کی
 حدیث میں ہے دوسری احادیث زیر بحث نہیں (ص ۱۳۴) الجواب :- آخر کیوں نہیں؟ کیا وہ اس
 باب کی حدیثیں نہیں ہیں؟ بات واضح ہے کہ چونکہ وہ صحیح بھی ہیں اور ان میں صرف واو کے ساتھ
 (جو مغائرت کے لیے ہوتا ہے) وھائیسر وغیرہ آیا ہے جن کو مؤلف مذکور کا معرہ، مضم نہیں کہہ
 سکتا اس لیے وہ زیر بحث نہیں و ثالثاً اگر اس قیاس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ ہمیں
 مضر نہیں ہے کیونکہ جیسے ربع دینار ادنیٰ نصاب ہے جس میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور فصاعداً
 میں بطریق اولیٰ کاٹا جائے گا، اسی طرح سورہ فاتحہ اقل درجہ کا واجب ہے اور ما زاد علی الفاعلۃ
 کامل اور مکمل واجب ہوگا۔ و ثالثاً جب اصل مقیاس علیہ ربع دینا ہی حنفیہ وغیرہ کے نزدیک مختلف
 فیہ ہے تو اس پر قیاس کرنے کا کیا مطلب؟ و خاصاً یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ نص کی موجودگی
 میں قیاس باطل ہے۔ اور جمہور کی طرف سے مقتدی پر فاتحہ کے نہ ہونے کی صحیح اور صریح حدیثیں پیش
 کی جا چکی ہیں جو اس مسئلہ میں نص ہیں۔ مؤلف خیر الکلام نے لفظ فصاعداً پر ضرورت سے زیادہ

لاطلاع بحث کی ہے جس میں کام کی بات ایک بھی نہیں اس لیے ہم قارئین کرام کے ذہن کو پریشان نہیں کرتے

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے طریق سے جو روایت پیش کی گئی ہے وہ نہایت ہی کمزور اور ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں حنظلہ سدوسی نامی راوی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ القطان نے فرمایا کہ میں نے عمداً اس کو ترک کر دیا تھا اور بعد کو وہ مختلط بھی ہو گیا تھا (ضعفاً ضعیفاً) امام نسائی لکھتے تھے کہ وہ ضعیف تھے (ضعفاً ضعیفاً امام نسائی ص ۱۷۱) امام احمد اس کو منکر الحدیث اور ابن معین اس کو لیس ہشٹی کہتے ہیں (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۲۹۲ والجوہر النقی جلد ۲ ص ۶۱) محدث میمونؒ، امام ابو عبد اللہ سے اس کی تضعیف نقل کرتے ہیں۔ ابو حاتم اس کو لیس بالقوی کہتے ہیں۔ ابن حبان اس کو ضعیفاً لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ایسے مختلط ہو چکے تھے کہ ان کی اگلی اور پچھلی سب روایتیں غلط ہو چکی تھیں کہ ان میں تمیز نہیں ہو سکتی (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۶۲) یہ ہے وہ روایت جس سے مبارکپوری صاحب فصاعداً، ماتیسر اور ما زاد وغیرہ کی صحیح زیادت کو رد کرتے ہیں تعجب اور حیرت ہے، اس انصاف پر حضرت ابو ہریرہ سے بھی ایک روایت مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا یا رسول اللہ اذیت ان لم یکن معی الا امر القرآن قال ہی حسبک ہی السبع المثانی (کتاب القراءة ص ۱) یا رسول اللہ یہ فرمائیے کہ اگر مجھے سورہ فاتحہ کے علاوہ اور کوئی سورت یاد نہ ہو تو میں کیا کر دوں؟ آپ نے فرمایا یہی تجھے کافی ہے کیونکہ یہ سبع مثانی ہے لیکن اس کی سند میں ابو ہریرہؓ بن فضل مدنی ہے امام احمد اور ترمذی اس کو ضعیف الحدیث کہتے ہیں ابن معین کہتے ہیں لیس حدیث ہشٹی امام بخاری اس کو منکر الحدیث اور ابو حاتم ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث کہتے ہیں ابو زرہ اس کو ضعیف کہتے ہیں نسائی اس کو لیس بشقہ اور منکر الحدیث کہتے ہیں ابو احمد حاکم کہتے ہیں کہ وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے، دارقطنی اور ازدی اس کو متروک کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۵۱) الخرض ما زاد علی الفاتحہ کی تفسیر پر صریح، صحیح اور مرفوع روایت موجود نہیں ہے بخلاف اس کے ما زاد، ماتیسر اور فصاعداً کی روایتیں بالاتفاق صحیح صریح اور مرفوع ہیں پھر ان کا انکار محض تعصب ہے۔

۴۔ مبارکپوری صاحب نے کفایت سورۃ فاتحہ پر حضرت ابوہریرہؓ کی جو روایت پیش کی ہے۔ وہ ان کے لیے ہرگز مفید مطلب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ حضرت ابوہریرہؓ پر موقوف ہے اور کسی مرفوع اور صحیح روایت میں اس قسم کے الفاظ منقول نہیں ہیں (دیکھئے فتح المسلمین جلد ۲ ص ۳۱ وغیرہ) اور موقوفات صحابہ کے بارے میں فریق ثانی کا مسک نقل کیا جا چکا ہے کہ در موقوفات صحابہ نہ حجت نیست اگرچہ بصورت رسد و ثانیاً یہ تو ان موقوفات کا حکم ہے جو بظاہر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مخالف نہ ہوں اور یہاں تو یہ قول فصاعداً، ماتیسراً اور ما زاد کے مخالف ہے پھر یہ کیسے حجت ہو گا؟ بجائے اس کے کہ خود اس موقوف اثر کا کوئی مناسب اور صحیح محل بیان کیا جائے اس کو مرفوع حدیث کے مقابلہ میں پیش کرنا عجیب تر بات ہے۔

۵۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اہم قرطبیؒ اور ابن حبانؒ وغیرہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ما زاد علی الفاتحۃ کی قرأت بالاجماع نہیں ہے لیکن حافظ موصوفؒ ان پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں فیہ نظر لثبوتہ عن بعض الصحابۃ ومن بعدہم وفتح الباری جلد ۲ ص ۲۶، اجماع کا دعویٰ محمل غور ہے کیونکہ بعض حضرات صحابہ کرامؓ اور بعد کے سلف سے ما زاد کا وجوب بھی ثابت ہے اور حافظ ابن القیمؒ بفاتحۃ الكتاب میں حروف با کے تعدیر سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وهذا یعطی الاقتصار علیہما بل یشعر بقراءة غیرہا معہارید البیع القوائد جلد ۴ ص ۱۷۶ اس سے صرف سورۃ فاتحہ پر اقتصار ہی ثابت نہیں بلکہ غیر فاتحہ کی قرأت پر بھی یہ دال ہے۔ اور قاضی شوکانیؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر یہ فرماتے ہیں کہ :-

وهذه الأحادیث لا تقصر عن الدلالة على وجوب قرآن مع الفاتحة الى ان قال وقد ذهب الى ايجاب قرآن مع الفاتحة عمر وابنه عبد الله وعثمان بن ابی العاص والهمادی و القاسم والثوید بالله الى ان قال والظاهر ما ذهبوا اليه من ايجاب شئ من القرآن

اور یہ حدیثیں (جن میں فصاعداً، ماتیسراً اور ما زاد کی زیادت موجود ہے) اس حکم پر دلالت کرنے سے قاصر نہیں ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن کا کوئی اور حصہ بھی واجب ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت عثمانؓ ابن ابی العاص ہادی، قاسم اور مؤید باللہ کا یہی مسک ہے اور ان احادیث کے پیش نظر بظاہر ان کا

یہ مسلک صحیح ہے کہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ قرآن کریم کا کوئی اور حصہ بھی واجب ہونا چاہیے۔

حضرت مولانا شیخ الاسلام شبیر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں کہ

ولهذا اوجب الحنفية قراءة الفاتحة
وضم السورة اليها قال في البحر
وما واجبتان للمواظبة -

ان احاديث کو نہ نظر رکھ کر فقہاء احناف نے سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کسی اور سورت (خواہ چھٹی سورت ہی ہو) کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ صاحب البحر اللائق

(فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۰)

کہتے ہیں کہ چونکہ آپ نے ان پر مواظبت کی ہے۔ لہذا سورۃ فاتحہ اور اس کے علاوہ کوئی اور سورۃ دونوں واجب ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے (فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۹) اور ابن کنازہ ماہی کا بھی یہی مسلک

ہے رہا مشنائی جلد ۱ ص ۱۵ اور امیر میمانیؒ حدیث مسنی الصلوٰۃ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ فوجب الفاتحة في كل ركعة وتجب قراءة ما شاء معها في كل ركعة اه (سبل السلام جلد ۱ ص ۲۴۸) کہ ہر رکعت میں اس کے ساتھ جتنی قرأت نمازی چاہے وہ بھی واجب ہے، اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

ووجوب السورة قول عند المالكية والحنابلة (فضل الخطاب ص ۱) یعنی

سورۃ فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورت کا ملانا اور اس کو واجب قرار دینا مالکیوں اور حنبلیوں کا بھی ایک قول ہے، بلکہ حضرت امام شافعیؒ کی ایک عبارت سے بھی ما زاد علی الفاتحة کا وجوب ہی مترشح ہوتا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-

اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ جو شخص قرآن کریم کی

وهو قد يمتثل ان يكون الفرض على

اچھی طرح قرأت کر سکتا ہو اس پر سورۃ فاتحہ اور ایک

من احسن القراءة قراءة ام القرآن وآية

آیت اور اس سے زیادہ کی قرأت بھی فرض ہو۔

واكثر۔ (کتاب الام جلد ۱ ص ۸۹)

اگر اتنی خدا کی دنیا کے مکمل جاننے کے بعد بھی اجماع باقی رہتا ہے تو وہ کوئی عجیب سخت

جان اجماع ہو گا۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ وضو اور غسل میں پانی استعمال کرنے کی کوئی حد اور

مقدار متعین نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے (شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۴۸) مبارکپوری صاحب ان پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں فی دعویٰ الاجماع کلام کہ اجماع کے دعویٰ کرنے میں کلام ہے کیونکہ ابن شبحان مالکی اور محمد بن الحسن اس سے اختلاف کرتے ہیں (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۱۴۸) امام ابن حزم ایک مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عطاء بن عمر بن عبد العزیز، حسن، زہری، ابو سلمہ بن عبد الرحمن اور سلیمان بن یسار اس سے اختلاف کرتے ہیں وَاُفٍّ لِّكُلِّ اِجْمَاعٍ يَخْرُجُ عَنْهُ هَوْلًا (محلّی جلد ۳ ص ۳۷) اور حیف ہے اس اجماع پر جس سے یہ بزرگ خارج ہوں۔

قاریں کرام! آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ فرق ثانی فصاعداً، مَا تَسْتَرُّ اور ما زاد کی صحیح زیادت سے کیسے پہلو تہی کرتا ہے اور عدم وجوب ما زاد علی الفاتحہ پر کیسی روایات استدلال کرتا ہے اور اجماع کے خوش کن الفاظ کے ہوائی قلعے میں کیسے بچاؤ کا انتظام کرتا ہے مگر یہ سب کچھ کرتے ہوئے وہ اہلحدیث اور ان کے مخالف تمام صرف اہل الرائے ہیں۔ انوس اور حدافنوس ہے ایسے تعصب پر۔ مؤلف خیر الکلام نے اس سے یہ نخلص تلاش کیا ہے کہ ان روایات میں مقدار کا ذکر نہیں اور واجب میں تعین لازمی ہوتی ہے (محصلاً ص ۱۶۲) الجواب :- ہر واجب میں تعین غیر مسلم ہے اصول فقہ کی کتابوں (مثلاً التحریر ص ۲۸) اور مسلم الثبوت ص ۲۹ وغیرہ) میں اس کی تصریح موجود ہے کہ واجب میں کبھی تخیر بھی ہوتی ہے جس کو واجب مخیر کہتے ہیں جیسے قسم کے کفارہ میں متحد اشیا میں سے جو چاہے کرے اور جنایات حج میں بعض صورتوں میں دم (یعنی قربانی) لازم ہے ادنی بکری وغیرہ ہے اور اعلیٰ کی کوئی مقدار متعین نہیں اونٹ ہو یا گائے وغیرہ اور یہاں عند البعض ادنی تین آیتیں اور عند البعض ایک آیت طویلہ ہے زیادہ کی کوئی حد نہیں علاوہ انہیں ابھی امیر میانی وغیرہ کے حوالہ سے عرض کیا گیا ہے کہ وہ سورۃ فاتحہ کی قرآنہ کے سوا اور قرآنہ کو بھی واجب کہتے ہیں جو نمازی کی مرضی پر ہے ماشاء معہا اھ۔

۶۔ ام القرآن عوض عن غیرھا لکی روایت ما زاد علی الفاتحہ کی نفی پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ اولاً ایسے کہ اس کی سند میں محمد بن غلام ہے علامہ ذہبی لکھتے ہیں - لا یدری من ہو (میزان جلد ۳ ص ۵۳) معلوم نہیں کہ وہ کون اور کیسا تھا۔ ابو سعید بن یونس ان کو صاحب مناکیر بتاتے ہیں (ایضاً) امام دارقطنی کا بیان ہے کہ اھ القرآن عوض عن غیرھا الخ کے الفاظ بیان کرنے میں محمد بن غلام متفرد ہے صحیح الفاظ

وہی ہیں جو امام زہریؒ (دو غیر) نے بیان کئے ہیں لا تجزئ صلوة لا یقرأ فیہا بام القرآن۔
 (المیزان الاعتدال جلد ۱ ص ۱۲۲) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ اگرچہ محدث علیؒ اور ابن حبانؒ نے
 ان کی تشریح کی ہے لیکن معنی اہل القرآن الخ میں محمد بن خالد نے غلطی کی ہے اور نقل بالمعنی کا ارتکاب
 کیا ہے صحیح الفاظ وہی ہیں جو لا صلوة الا بفتح الکتاب سے مروی ہیں کیونکہ جمہور محدثینؒ
 جن میں حضرت امام احمدؒ ابن ابی شیبہؒ اسحاق بن راہویہؒ ابن ابی عمرؒ عمرو الناقدؒ معمرؒ صالح بن کیسانؒ
 اور زعمیؒ اور یونس بن یزیدؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں اس حدیث کو لا صلوة لمن یقرأ بفتح الکتاب
 کے الفاظ ہی سے نقل کرتے ہیں (لسان المیزان جلد ۵ ص ۱۵۱) و ثانیاً اگر یہ روایت انہیں الفاظ کے
 ساتھ صحیح بھی ہو تب بھی ما زاد علی الفاتحة کی نفی پر اس سے استدلال صحیح نہیں ہے اس لیے
 کہ اس میں نہ خلط الایمان کی قید ہے اور نہ مقتدی کی تصریح ہے لہذا یہ امام اور منفرد کے حق میں ہوگی
 اور اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے سورۃ فاتحہ کی جگہ کوئی اور سورت قائم نہیں ہو سکتی جیسا کہ
 محققین احنافؒ کا مسلک ہے اور اس کے وجوب پر تو تمام کا اتفاق ہے اور مطلب واضح ہے کہ سورۃ فاتحہ
 باقی تمام سورتوں کی عوض ہے مگر اس کی جگہ کوئی اور سورت قائم نہیں ہو سکتی اس کو نفی ما زاد سے
 کیا تعلق ہے؟ اسی طرح ایک روایت ان الفاظ سے مروی ہے لا تجزئ صلوة لا یقرأ
 الرجل فیہا فاتحة الکتاب (کتب القراءۃ ص ۱۵۱) لیکن حافظ ابن حجرؒ اور صاحب تعلق المغنی
 (جلد ۲ ص ۱۲۲ میں) اس کی تصریح کرتے ہیں رواہ جماعة بلفظ لا صلوة لمن لم یقرأ
 وهو الصحیح وكان زیاد رواہ بالمعنی۔ (فتح الباری) کہ محدثین کی جماعت اس روایت
 کو لا صلوة لمن یقرأ کے الفاظ سے روایت کرتی ہے یہ زیاد بن ایوبؒ کی غلطی ہے کہ انہوں
 نے روایت بالمعنی کا ارتکاب کر کے اس کا مطاب بدل دیا ہے اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ
 اشہبؒ اور زیاد بن ایوبؒ کی روایت منقولۃ بالمعنی (لسان جلد ۵ ص ۱۵۱) منقول بمعنی
 ہے۔ پہلے تو مثال کے طور پر ہم یہ سنا کرتے تھے کہ بعض لوگ لا یقرؤن الصلوة کے قائل
 ہوتے ہیں اور آگے نہیں پڑھا کرتے مگر اب تو اپنے ماتھے پر ٹپکی ہوئی آنکھوں کے ساتھ ایسا
 فرقہ بھی دیکھ لیا ہے جو کبھی تو واذا قرأ فانصتوا کی صحیح زیادت کو کھا جاتا ہے۔ اور کبھی
 فصاعداً ما تیسر اور ما زاد کی صحیح زیادت کو ہضم کر جاتا ہے اور کبھی الاولاد الایمان

کی استثناء کو ٹھہرا کر جاتا ہے اور اس زیادت کو اڑا کر ساری دنیا کے مسلمانوں کو یہ چیلنج کرتا ہے کہ تمہاری نماز باطل ہے، ایسا ہے، اور کالعدم ہے۔ تعجب اور حیرت ہے اس دیانت پر سو فیصدی محدثین کا اتفاق پورے نقل کیا جا چکا ہے کہ زیادت جو ثقہ راوی سے منقول ہو وہ واجب القبول ہوتی ہے اور حافظ ابن حجرؒ بھی بالزاید فالزاید کا ضابطہ بیان کرتے ہیں رفع الباری جلد ۲ ص ۲۲ اور اس زیادت کو بیان کرنے والے بالاتفاق ثقہ، ثبت اور حجت بلکہ اثبت الناس فی فلال کا مصدق ہیں مگر باوجود اس کے فرقی ثانی تمام طے شدہ اصول و ضوابط کو پامال کرتا ہوا صرف اپنی ضد پر قائم ہے اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

جواب سوم: جب یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حرف من عموم میں نص قطعی نہیں ہے اور یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اسی روایت میں صحیح اسانید کے ساتھ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فصاعداً ما تيسر اور ما زاد کی زیادت بھی مروی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ قرآن کریم کے کسی اور حصہ کی قرأت نہ کی تو اس کی نماز نہ ہوگی اور گو مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ کی قرأت کا پڑھنا اور نہ پڑھنا محل نزاع ہے لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ما زاد علی الفاتحہ کی قرأت مقتدی کے لیے جائز نہیں اس لیے اس حدیث کا صحیح اور حقیقی مصدق صرف امام یا منفرد ہے کیونکہ سورہ فاتحہ کے ساتھ قرآن کریم کے کسی اور حصہ کا پڑھنا صرف امام اور منفرد کے لیے ہی ضروری ہے مقتدی پر اس روایت کے مشتمل نہ ہونے کے لیے فصاعداً ما تيسر اور ما زاد کی زیادت نہ صرف کافی ہے بلکہ نص صریح ہے اور اس حدیث کا امام پر مشتمل ہونا اتفاقی امر ہے البتہ بعض حضرات صحابہ کرامؓ اور دیگر ائمہ حدیث کے بیان سے یہ بات صاف آشکارا ہوتی ہے کہ اس حدیث کا اصلی مصدق صرف منفرد اور اکیلا ہے اور ضمنی طور پر امام بھی اس میں داخل ہے لوجود العلة۔ ہاں مگر مقتدی اس سے بہر حال خارج ہے۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ حدیث لا صلوة لمن یقداً بفاتحہ الكتاب فصاعداً منفرد کے حق میں وارد ہوئی ہے (موطا امام مالک ص ۲۸ و ترمذی جلد ۱ ص ۱۶۰) وقال هذا حدیث حسن صحیح) اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ یہ حکم منفرد کے لیے ہے (موطا امام مالک ص ۲۹) امام احمد بن حنبلؓ فرماتے ہیں

کہ یہ حکم منفرد کے لیے ہے۔ (ترمذی جلد ۱ ص ۱۲۲) امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم منفرد کے لیے ہے (البرہان جلد ۱ ص ۱۱۹) اور امام اسمعیلی (المعروفی ص ۱۳۷) جو الامام، الحافظ الثبت، شیخ الاسلام اور کبیر الشافعیہ تھے، تذکرہ جلد ۲ ص ۱۴۹) امام حاکم کہتے ہیں کہ وہ شیخ المحررین والفقہاء تھے (الاصحاح) خطیب تبریزی لکھتے ہیں کہ وہ الامام اور الحافظ تھے (کمال ص ۶۲۸) فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے (بذل الجہود جلد ۲ ص ۵۲) امام موفق الدین ابن قدامہ الجنبلی فرماتے ہیں کہ :-

فاما حدیث عبادۃ الصبیح فهو محمول علی غیر المأمور وكذلك حدیث ابی ہریرۃ الخ (معنی جلد امت طبع بولاق) حضرت عبادۃ کی جو حدیث صحیح ہے تو وہ غیر مقتدی پر محمول ہے اور اسی طرح حضرت ابو ہریرہ کی روایت بھی غیر مقتدی پر محمول ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی حدیث آگے دوسری حدیث کے عنوان سے آرہی ہے اور امام شمس الدین فرماتے ہیں کہ :-

فالحديث الاول الصحيح محمول علی غیر المأمور وكذا حدیث ابی ہریرۃ الخ (شرح منبع اللبیر جلد ۲ ص ۱۳۱) وہ مقتدی کے علاوہ دوسروں پر محمول ہے اور اسی طرح حضرت ابو ہریرہ کی روایت بھی غیر مقتدی کے حق میں ہے۔

فصاعداً، مائتین اور ما زاد کی زیادت کے پیش نظر ان اکابر کا یہ ارشاد سو فیصدی صحیح ہے جس میں شک نہیں ہو سکتا۔ مولف خیر الکلام کہتے ہیں کہ حضرت جابر اور حضرت ابن عمرؓ کی یہ بات نہایت کمزور ہے کیونکہ وہ اس حدیث کے راوی نہیں ہیں بخلاف حضرت عبادہؓ کے کہ وہ اس کے راوی ہیں، یا قی امام احمدؓ اور سفیانؓ کے قول سے اس کو منفرد پر کوئی محمول کرے تو اس کی مرضی دوسرے کے لیے حجت نہیں (محصلا ص ۱۳۵)

الجواب :- حضرت عبادہؓ کی روایت بقید خلف الامام ہے ہی ضعیف جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا جس کا کوئی اعتبار نہیں بخلاف حضرت جابرؓ وغیرہ کی حدیث کے جو باطل صحیح ہے اور حرف منہ کی تخصیص کا (بشرطیکہ عام ہو) یہ واضح قرینہ ہے اور اسی لیے حضرت امام احمدؓ وغیرہ نے اس روایت کو غیر مقتدی کے لیے کہا ہے جو مبنی بر دلیل ہے انہی مرضی کا سوال نہیں

کیونکہ اسی حدیث میں فصاعداً اور ماتیسراً وغیرہ کی زیادت بھی تو موجود ہے جو غیر مقتدی کے بارے میں ایک گونہ نص ہے۔

اعترض :۔ مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کی تخصیص کتاب اور سنت سے ہی ہو سکتی ہے امام احمد اور سفیان بن عیینہ کے قول سے نہیں ہو سکتی (ایکارا المن)

جواب :۔ مبارکپوری صاحب نے کیسی دور اندیشی کا ثبوت دیا ہے کہ حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عمرؓ کا نام تک نہیں لیا اور صرف امام احمد اور ابن عیینہ کا نام لے کر دفع الوقتی کی ناکام کوشش کی ہے لیکن موصوف کا یہ اعتراض بھی باطل ہے اولاً اس لیے کہ حرف من کی تخصیص کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی سے کی گئی ہے اور علمائے بیت کے حوالے اس پر تشریح ہیں وثالثاً اگر اس حدیث میں منفرود وغیرہ کی تخصیص کی گئی ہے تو جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحیح ارشاد فصاعداً، ماتیسراً اور ما زاد وغیرہ کی زیادت کی بنا پر نہ کہ صرف امام احمد اور ابن عیینہ وغیرہ کے قول سے ان کا اگر کوئی قصور ہے تو صرف یہ کہ انہوں نے اس کو بیان کیوں کیا ہے؟ وثالثاً ضرورت تو نہیں مگر مبارکپوری صاحب کا مغالطہ بھی نکالنا ہے کہ عام کی تخصیص کتاب اور سنت کے علاوہ کسی اور چیز سے بھی ہو سکتی ہے۔ یا نہیں؟ قاضی شوکانی جو علامہ زمن اور مجتہد مطلق تھے (تفسیر ص ۸۲) لکھتے ہیں فذلک علی ان العموم یخص بالقیاس (شیل الاوطار جلد ۳ ص ۵۸) اس سے معلوم ہوا کہ عموم کی تخصیص قیاس سے بھی صحیح ہے امام ابن دقیق العید (المتوفی ۷۰۲ھ) جو امام الفقیہ المجتہد، المحدث، الحافظ، العلامة اور شیخ السلام تھے (تذکرہ جلد ۳ ص ۲۶۲) فرماتے ہیں کہ جب تخصیص کی وجہ ظاہر ہو تو بلا اختلاف احدے قیاس اور رائے سے بھی عموم کی تخصیص جائز ہے (بحوالہ فیض الباری جلد ۲ ص ۱۳۷) علامہ جزائری لکھتے ہیں کہ تمام علماء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عموم کی تخصیص دلالت عقلی اور قیاس سے بھی جائز ہے (توجیہ النظر ص ۷۹) اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

لأن القیاس مقدم علی العموم كما حضرت امام ابو حنیفہ اور جمہور اہل اسلام کے نزدیک

هو مذهب ائمة الذیعة والجمہور قیاس عموم سے مقدم ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۱)

مولانا طغر احمد صاحب تھانویؒ لکھتے ہیں کہ خبر واحد کی تخصیص جب عقل، عرف اور قیاس سے جائز ہے۔ جیسا کہ فن اصول کی یہ طے شدہ اور برہن حقیقت ہے تو صحابی کے قول سے خبر واحد کی بطریق اولیٰ تخصیص جائز ہوگی (اعلاء السنن جلد ۸ ص ۵۳) اور اصول فقہ کی کتابوں میں اس پر مستقل بحث موجود ہے کہ عموم کی تخصیص عقل، جس اور عادت وغیرہ سے جائز اور صحیح ہے مثلاً دیکھیے توضیح وتلویح ص ۱۱۸ وغیرہ)

مولف "خیر الکلام" لکھتے ہیں کہ مطلق کے بعض افراد کی تفسیر موقع اور محل کے اعتبار سے جائز ہے (ص ۳۸۳) نہ معلوم مبارکپوری صاحب کس سادگی سے عموم کی تخصیص کے لیے کتاب سنت کی دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں؟ حالانکہ اس روایت میں عموم کی تخصیص محض قیاس سے نہیں کی گئی بلکہ کتاب اللہ اور صحیح احادیث سے بلکہ خود اسی روایت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحیح ارشاد سے تخصیص کی گئی ہے، تاکہ مبارکپوری صاحب ناراض نہ ہو جائیں الحاصل اس روایت میں فصاعداً، ماتیکس اور ما زاد وغیرہ کی زیادت کے مد نظر رکھنے سے یہ بات واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے کہ اس حدیث کا مصداق ہرگز ہرگز مقتدی نہیں ہے اور مقتدی کو اہم کے پیچھے بغیر استماع اور انصات کے کوئی چارہ نہیں ہے ہاں جو جماعت نظریہ بدلتے ہیں ہتک شان سمجھے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

جواب چہارم :- جمہور اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص رکوع کی حالت میں اہم کے ساتھ نماز میں شریک ہوا تو اگرچہ اُس نے خود سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اور نہ اہم سے سنی ہے لیکن اس کی وہ رکعت اور نماز صحیح ہے چنانچہ اہم شافعیؒ لکھتے ہیں کہ رکوع کی حالت میں جس نے اہم کو پالیا اس کی وہ رکعت صحیح ہو جاتی ہے۔ (کتاب الام جلد ۱ ص ۸)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ جس نے اہم کے ساتھ رکوع پالیا اس کی وہ رکعت ہو گئی (منہاج السنۃ جلد ۸ ص ۱) اہم نوویؒ لکھتے ہیں کہ جو شخص اہم کو رکوع میں پالے اس کی وہ رکعت سورہ فاتحہ پڑھے بغیر بھی جائز ہے (شرح مسلم جلد ۳ ص ۱۳۵) و مثلاً فی شرح

المہذب جلد ۳ ص ۲۶۶) حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء کا اس بات پر کلی اتفاق ہے، کہ جس شخص نے اہم کو رکوع کی حالت میں پالیا ہو اور سورہ فاتحہ نہ پڑھی ہو تو اس کی وہ رکعت اور نماز صحیح ہے، اہم مالک اور اہم شافعی، اہم ابو حنیفہ، اہم ثوری، اہم اوزاعی، اہم ابو ثور، اہم احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ (وغیرہ) کا یہی مسلک ہے اور حضرات صحابہ کرام میں حضرت علیؑ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زبیر بن ثابت اور حضرت ابن عمرؓ کا یہی مسلک ہے اور ہم نے تمسید میں ان کی جملہ اسانید درج کر دی ہیں (بحوالہ امام الکلام و ارجح المسائل جلد ۲ ص ۲۴۰ و اعلاء السنن جلد ۴ ص ۳۲۹) نواب صاحب لکھتے ہیں کہ جمہور کا یہی مسلک ہے کہ جس نے رکوع میں اہم کو پالیا ہو تو اس کی وہ رکعت صحیح ہے۔ (بدور الازہار ص ۶۵ و دلیل الطالب ص ۳۲۲) مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ قاضی شوکانی صاحب نے (نیل الاوطار جلد ۲ ص ۱۱۳) میں پہلے یہ لکھا تھا کہ مدبر رکوع کی وہ رکعت شمار نہ ہوگی لیکن بعد جمہور کے مسلک کی طرف رجوع کر لیا چنانچہ انہوں نے اپنے فتح الزبانی میں اس کی تصریح کی ہے کہ اہم کے ساتھ رکوع میں مل جانے والے کی وہ رکعت بالکل صحیح ہے (عون المعبود جلد ۱ ص ۳۳۲) مبارک پوری صاحب حدیث میں من صلی رکعتاً لہ یقدر فیہا الحدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد وہ رکعت ہو سکتی ہے جس میں مقتدی نے اہم کو بجالت رکوع پالیا ہو اور خود قرأت نہ کی ہو اس کی وہ رکعت جائز اور صحیح ہوگی۔ (تحفت الاحوذی جلد ۱ ص ۲۶۱) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اسی طرح اگر رکوع والی حالت میں رکعت کا صحیح ہونا دلائل سے ثابت ہو جائے (جو ٹھوس حوالوں سے یقیناً ثابت ہے) صرفاً تو اس کی تخصیص کر لی جائے گی نہ یہ کہ اس کو لے کر اعتراض کیا جائے گا۔ بلفظہ ص ۱۳۶) ہم تو پہلے ہی سے اس حدیث کی تخصیص کے قائل ہیں لیجئے اب مولف مذکور بھی تخصیص کو مان رہے ہیں البتہ اعتراض کے لفظ سے ذرا گھبراتے ہیں۔ اور اسی صفحہ میں اس سے پہلے لکھتے ہیں کہ اور اس حدیث سے صرف ایک بار فاتحہ کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے، اگر کوئی شخص رکوع میں رکعت کے جواز کا قائل ہے تو اس سے اس حدیث کی مخالفت لازم نہیں آتی اھ

الجواب نہ میں اسی طرح اگر کوئی شخص صرف منفرد کے لیے فاتحہ پڑھنے کا قائل ہو تو

اس سے اس حدیث کی عین مطلقیت پیدا ہوتی ہے کیونکہ یہ حدیث ہی لمن یصلی وحده

کے بارے میں ہے، اگر اس حدیث سے ہر رکعت میں صرف ایک بار فاتحہ کا ثبوت ہے، تو حدیث
 مسی الصلوٰۃ سے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کا ثبوت ہے۔ چنانچہ امیر یمنیؓ اس کے فوائد میں لکھتے ہیں
 کہ فتیح الفاتحة فی کل رکعة اھ (سبل السلام جلد ۱ ص ۲۳۱) حضرات انصاف کے
 ساتھ آپ ایک طرف حضرات محدثین کو ائمہ کی ان تصریحات کو ملاحظہ کیجئے اور دوسری طرف تفسیر
 ثانی کا یہ دعویٰ دیکھئے کہ غرض تمام محدثین بالاتفاق اس حدیث کو ہر نماز اور ہر نمازی پر شامل کہتے
 ہیں۔ اور یہ کہ جو شخص اہم کے پیچھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے کالعدم ہے
 بیکار ہے اور باطل ہے۔ کہ یہ کہاں تک مبنی بر انصاف ہے۔ انوس اور حیرت ہے اس تحقیق پر مولانا
 میر صاحبؒ ہی فرمائیں کہ کیا حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ،
 اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ حضرات صحابہ کرام اور اہم مالکؓ، اہم احمدؓ، اہم ابو حنیفہؓ، اہم شافعیؓ، اہم ابن
 عیینہؓ، حافظ اسمعیلیؓ، حافظ ابن عبد البرؓ، اہم موفق الدینؓ ابن قدامہؓ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؓ، اور حافظ
 ابن القیمؓ، وغیرہ و غیرہ (جن کی پوری تشریح جلد اول میں عرض کی جا چکی ہے) آپ کے نزدیک محدث
 نہیں ہیں؟ اور کیا ان میں بعض جہری نمازوں کو اور بعض مقتدی کو اور اکثر مد رک رکوع کو اس حدیث
 سے کتاب و سنت کے دلائل سے مستثنیٰ نہیں کرتے؟ تعجب ہے میر صاحبؒ کی دیدہ دلیری پر کہ وہ
 کس بے احتیاطی سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ غرض تمام محدثین بالاتفاق اس حدیث کو ہر نماز اور ہر
 نمازی پر شامل کہتے ہیں مولانا خود ہی از راہ بزرگی اور انصاف فرمائیں کہ ایک شخص مادر زاو کو تگا ہے
 وہ نماز تو ادا کرتا ہے لیکن دوسری قرآء کی طرح وہ سورہ فاتحہ کی قرآء سے بھی عاجز ہے کیا اس کی نماز
 ہو جائے گی؟ اگر نہ ہوگی تو کس دلیل سے؟ اور اگر ہو جائے گی تو آپ کے قاعدہ کے مطابق یہ روایت تو
 ہر نمازی کو شامل ہے وہ گو تگا کیسے مستثنیٰ قرار پایا؟ اس گونے کو بھی جانے دیجئے یہ بتلائیے کہ تو سال
 کا بوڑھا کافر مسلمان ہوتا ہے نہ حافظ ساتھ دیتا ہے اور نہ زبان وہ نماز کے ظاہری ارکان تو ادا کرتا ہے
 مگر سورہ فاتحہ یاد نہیں کر سکتا کیا اس کی نماز جائز ہے، اگر ہے تو یہ خود اور اس کی نماز ہر نماز اور ہر
 نمازی کی زنجیروں سے کیسے خارج تصور ہوں گے؟ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا حضرت میں قرآن کریم کا کوئی
 بھی حصہ یاد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا مجھے کوئی ایسی چیز ارشاد فرمائیے جو اس کے قائم مقام ہو اپنے

ارشاد فرماتم یہ پڑھا کرو مَبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ (الحديث) رواه ابو داؤد واحمد والنسائی وصححه ابن حبان والدارقطنی والحاكم سبل السلام جلد ۱ ص ۲۹۷) امیر ایمانی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اذکار قرأت کے قائم مقام ہیں خواہ سورہ فاتحہ کی قرأت ہو یا قرآن کریم کے کسی اور حصہ کی اور یہ حکم اس شخص کے لیے ہوگا جو قرأت پر قادر نہ ہو اور بہ نظر ظاہر یہ روایت صاف بتاتی ہے کہ ایسے شخص پر قرآن کریم کا سیکھنا واجب نہیں ہے تاکہ وہ اس کو نماز میں پڑھ سکے کیونکہ میں طاقت نہیں رکھتا کا مطلب یہی ہے کہ میں اب قرآن کریم کا کوئی حصہ یاد نہیں کر سکتا معجزاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو قرآن کریم کا کوئی حصہ یاد کرنے کا حکم نہیں دیا اور ان کلمات کی تلقین فرمائی ہے حالانکہ جو شخص یہ الفاظ یاد کر سکتا ہے وہ سورہ فاتحہ بھی یاد کر سکتا ہے، اگر سورہ فاتحہ وغیرہ کا سیکھنا واجب ہوتا تو آپ ضرور اس کا حکم دیتے۔ (سبل السلام جلد ۱ ص ۲۵۱) لیجئے ایک غیر مقلد عالم صاحب نے ساری نمازوں کے لیے ایسے شخص کو چھٹی ٹیڈے دی ہے جو سورہ فاتحہ پر قادر نہیں ہے۔

اِس گناہیست کہ در شہر شمانیز کنند

مولف خیر الکلام کہتے ہیں کہ ایسا مقتدی معذور ہے اور عذر کا حکم الگ ہے جیسے منفرد گونا گوا جس پر احناف کے نزدیک بھی قرأت فرض ہے مگر عذر کی وجہ سے مستثنیٰ ہے (محصہ ص ۱۳۷) الجواب :- ہمارے نزدیک تو یہ حدیث عام نہیں لیکن مولف خیر الکلام اس کو عام تسلیم کر کے معذور کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں تو یہ حدیث ہر نمازی کو شامل تو نہ ہوئی عموم کی رٹ تو ٹوٹی عام مخصوص البعض قطعاً نہیں رہتا اور مقتدی جیسی جمہور کے نزدیک شرعی طور پر معذور ہے کہ اس کو امام کے پیچھے قرأت کرنے کی ممانعت ہے۔

امام نووی لکھتے کہ جو شخص سورہ فاتحہ نہیں پڑھ سکتا اور اس کے لیے اس کا سیکھنا بھی ممکن نہ ہو تو اس کے علاوہ کوئی اور سورت ہی وہ پڑھ لیا کرے۔ (شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۶۹) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں جس کو سورہ فاتحہ یاد ہو اس کے لیے فاتحہ متعین ہے اگر وہ یاد نہیں تو قرآن کریم کا کوئی حصہ لازم

ہے وہ بھی نہ ہو تو ذکر پڑھ لینا کافی ہے (فتح الباری جلد ۲ ص ۱۹۳) اب آپ خود میر صاحب کی سن لیجئے وہ خود لکھتے ہیں کہ جسے فاتحہ یاد نہ ہو وہ کسی اور مقام سے پڑھ لے اور اگر دیگر مقام سے بھی یاد نہیں تو تحمید، تکبیر، تملیل پڑھے الا بلفظ پھر آگے لکھتے ہیں اسورۃ فاتحہ اس شخص پر لازم ہے جو اپنے بخوبی پڑھ سکے لیکن جو بخوبی نہ پڑھ سکتا ہو وہ جہاں سے چاہے قرأت کر سکتے (بلفظہ تفسیر واضح البیان ص ۲۲۷ و ص ۲۴۷) دیکھئے مولانا خود ہر نمازی اور ہر نماز کی تخصیص کر کے جمہور کے زمرہ میں شامل ہو گئے ہیں ع۔ یہ بھی لگا کے خون شہیدوں میں مل گیا۔

تمام محدثین بالاتفاق الا کا قصہ تو رہا اپنی جگہ کیا میر صاحب خود بھی محدث ہیں یا نہیں ؟ دیکھئے کیا لب کثافی فرماتے ہیں ؟ جمہور محدثین نے تو مدرک رکوع کو اس حدیث سے (حضرت ابو بکرؓ وغیرہ کی صحیح روایت سے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) مخصوص کیا ہے حضرت امام بخاریؒ وغیرہ نے اس بات پر اصرار کیا ہے کہ مدرک رکوع کو مدرک رکعت تصور نہیں کیا جائیگا یہ بات بڑی نا انصافی پر مبنی ہوگی کہ ہم ان کی پیش کردہ دلیل اور اس کا پس منظر آپسے عرض نہ کریں، حضرت امام بخاریؒ کوئی صحیح مرفوع اور صریح روایت اس دعویٰ پر پیش کرنے سے سو فیصد ہی قاصر ہے ہیں کہ جس نے رکوع کی حالت میں امام کو پایا اس کی وہ رکعت شمار نہ ہوگی بخلاف اس کے ہم نے حضرت ابو بکرؓ کی صحیح، صریح اور مرفوع روایت سے جو حسن کے درجہ سے فروتر نہ ہوگی اور دیگر بعض آثار حضرات صحابہ کرامؓ سے اس مسئلہ کے پہلے مبرہن کر دیا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے امام بخاریؒ کا استدلال ملاحظہ ہو، امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے معقل بن مالکؓ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے ابو عوانہؓ نے بیان کیا وہ محمد بن اسحاقؓ سے روایت کرتے ہیں وہ عبدالرحمن بن اعرجؓ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے انہوں نے فرمایا قال اذا ادركت القوم ركوعا لم تعد بتلك الركعة رجذا القراءة ص ۵۹) کہ جب تم جماعت کے ساتھ اس حالت میں شریک ہو کہ وہ رکوع میں جا چکی ہو تو تمہاری اس رکعت کا اعتبار نہ ہوگا۔ لیکن اس روایت سے استدلال مخدوش ہے اولاً اس لیے کہ معقل بن مالکؓ کو غلامہ ابو الفتح ازویؓ متروک کہتے ہیں۔ (میزان جلد ۳ ص ۱۸۵) و تہذیب التہذیب ص ۲۳۲) وثانیاً اس کی سند میں محمد بن اسحاقؓ ہے جس پر پوری جرح (اور کلام) اپنے مقام پر بیان کی جائے گی وثالثاً ابن اسحاقؓ مدلس ہے اور عنہ سے روایت کرتا ہے جو قابل التفات

نہیں ہے ورنہ ایسا یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ پر موقوف ہے اور موقوف روایت کو حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ کی مرفوع حدیث (جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے) کے مقابلہ میں کون سنتے ہے؟ اور مرفوع اور صحیح روایت کے مقابلہ میں ایسی ضعیف کمزور اور موقوف روایت حجت کیسے ہو سکتی ہے؟ و خاصاً حضرت ابوہریرہؓ کا خود اپنا فتویٰ یہ ہے کہ در رک رکوع، در رکعت، اور دیکھئے سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۹ وغیرہ) اندر میں حالات حضرت امام بخاریؒ کا اس سے استدلال کہ نا بڑی عجیب بات ہے اگر ہمارے جیسا کوئی تہی مایہ ایسا استدلال کرتا تو اور بات تھی۔ کیونکہ

دیوانے روزِ حشر کو پوچھے نہ جائیں گے خالی ہے سرفروشت ہمارے حساب سے

اسی طرح ایک دوسری سند سے حضرت ابوہریرہؓ کا موقوف اثر امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے (جزئاً القراءۃ ص ۱۲) لیکن اس کی سند میں بھی محمد بن اسحاقؒ ہے اسی مضمون کا ایک اثر انہوں نے حضرت ابوسعید بن الخدریؒ سے بھی نقل کیا ہے (الیقیناً) اور اس کے الفاظ یہ ہیں، ان یدرک احدہم حتی یقربا القراءۃ یعنی سورہ فاتحہ پڑھنے سے پہلے کسی کو رکوع نہیں کرنا چاہیے۔ مگر یہ تو اتنا بھی ان کو چندال مفید نہیں ہے اولاً اس میں بعض مشکل فیہ راوی ہیں وثانیاً یہ بھی موقوف ہے اور ثالثاً اس میں مقتدی اور خلف الامام کا کوئی ذکر نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور سفرد پر بہر حال یہ لازم ہے کہ پہلے سورہ فاتحہ پڑھے اور پھر وہ رکوع کرے اس کا کون منکر ہے؟ امام بخاریؒ مجاہدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ جب سورہ فاتحہ بھول جائے تو اس رکعت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(جزئاً القراءۃ ص ۱۳) لیکن ایک تو اس میں ریث ہے جو کمزور اور ضعیف ہے (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۶) پھر ہے بھی یہ مجاہدؒ کا قول۔ الغرض کتب حدیث میں کوئی صحیح صریح اور مرفوع روایت موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہونے والے کی وہ رکعت قابل اعتبار نہیں ہے بخلاف اس کے صحیح اور مرفوع حدیث اور جمہور اہل اسلام کی محبت سے ان حضرات کا دامن تحقیق والبتہ ہے جن کی نماز کو فریق ثانی بیکار، ناقص، کالعدم، اور باطل کہتا ہے حیف بر حیف ہے ایسے تعصب اور عناد پر۔

جواب پنجم :- جب قطعی دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حرف متعموم میں نص

قطعی نہیں ہے اور یہ کہ اسی حدیث کے بعض صحیح اور مرفوع طرق میں فضاغداً ما تیسر اور ما زاد

کی زیادت بھی موجود ہے اور یہ زیادت اس کو متعین کر دیتی ہے کہ یہ روایت مقتدی سے متعلق نہیں ہے بلکہ منفرد وغیرہ کے حقیقی میں ہے اور یہ کہ حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ، امام احمد بن حنبلؓ، امام سفیان بن عیینہؓ، حافظ اسمعیلیؓ، امام موفق الدینؓ ابن قدامہؓ اور علامہ شمس الدین الحنبلیؓ وغیرہ اس روایت کا مصداق منفرد بیان کرتے ہیں اور یہ کہ جمہور اہل اسلام اور حضرات ائمہ اربعہؓ وغیرہ ہر رکوع کو اس حدیث کے عموم سے مستثنیٰ کرتے ہیں اور یہ کہ گونگا یا وہ شخص جو مدت العمر سورۃ فاتحہ یا نہیں کر سکتا یا کچھ عرصہ اس کو یاد نہیں ہو سکتی اور معذاوہ نماز ادا کرتا ہے۔ تو ایسا شخص بھی باتفاق فریق ثانی اس حدیث کے عموم سے خارج ہے۔ ان تمام اندرونی اور بیرونی قرآنی اور دلائل کی موجودگی میں ہر نماز پر اور ہر نماز میں اس سے سورۃ فاتحہ کے ہر رکعت میں واجب اور رکن ہونے پر استدلال کرنا نہایت حیرت اور تعجب کی بات ہے۔ خیر یہ سب باتیں عرض کی جا چکی ہیں نمبر ہذا میں جو بات کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرات محدثین کرامؓ کا ایک ضابطہ ہے اور جس کو فریق ثانی بڑھی شہود سے بیان کرتا ہے چنانچہ قاضی شوکانیؒ صاحب لکھتے ہیں درای الحدیث اعرف بالمراد من غیرہ (نیل الاوطار جلد ۱ ص ۲۵۶) حدیث کا راوی اپنی مروی حدیث کا مطلب دوسروں سے زیادہ بہتر جانتا ہے اور نواب صاحب لکھتے ہیں ان تفسیر الراوی ارجح من تفسیر غیرہ (عون الباری جلد ۱ ص ۲۴) راوی کی تفسیر دوسروں کی تفسیر سے راجح تر ہے اور مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں۔ وقد تقرران راوی الحدیث ادری بہمراہ الحدیث من غیرہ (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۵۴) یہ بات طے شدہ ہے کہ حدیث کا راوی اپنی مروی حدیث کی مراد کو دوسروں سے زیادہ بہتر سمجھتا ہے اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں وھذیب الشافعی وھمقی الاصولین ان تفسیر الراوی مقدمہ اذالم یخالف الظاہر قالہ النووی (تحفۃ الاحوذی جلد ۲ ص ۲۳۵) کہ حضرت امام شافعیؒ اور محقق اصولیوں کا یہ مذہب ہے کہ راوی کی تفسیر جب کہ ظاہر کے خلاف نہ ہو دوسروں کی تفسیر سے مقدم ہوگی جیسا کہ امام نوویؒ نے کہا ہے، اس قاعدہ کو سامنے رکھ کر جب ہم حضرت عباد بن الصامتؓ وغیرہ کی وہ صحیح حدیثیں جن میں حروف متذکرہ ہیں، دیکھتے ہیں تو ان کے مختلف طرق اور اسانید میں ہمیں یہ مرکزی راوی نظر آتے ہیں۔ امام ابو بکرؓ بن ابی شیبہؓ، امام سفیان بن عیینہؓ، امام زہریؓ

اہم اسحاق بن رہویہ، اہم عبد اللہ بن وہب، اہم مالک بن انس، اہم احمد بن حنبل، اہم عبد الرزاق،
 بن حاتم، اہم معمر بن راشد، اہم اوزاعی، اور حضرت اہم شافعی وغیرہ اور یہ تمام اکابر حروف صحت
 کے عموم کے قائل نہیں ہیں کوئی اس حدیث سے صرف منفرد مراد لیتا ہے اور کوئی منفرد اور اہم دونوں
 اور کوئی اہم کے پیچھے سب سے سب نمازوں کو مستثنیٰ قرار دیتا ہے اور کوئی جہری نمازوں کو
 اس سے خارج کرتا ہے اور مد رک رکوع وغیرہ تو سب کے نزدیک مستثنیٰ ہے اور لطف کی بات
 یہ ہے کہ حضرت محمود بن ربیع جو صفار صحابہ میں تھے اور اس حدیث کے راوی ہیں مگر وہ بھی قرآنہ
 خلف الامم کے قائل تھے جس کی پوری تفصیل اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ اور لطف
 بالائے لطف یہ ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامت بھی وجوب قرآنہ خلف الامم کے قائل نہ تھے
 جیسا کہ ذکر ہوگا اور ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے وہ یہ کہ مشہور محدث اہم اعلم فرماتے ہیں۔
 انتہی الاطباء ونحن الصيادلة (کتاب العلم جلد ۲ ص ۳۱) لے فقہاء کے گروہ
 تم طبیب ہو اور ہم پنساری ہیں۔ اہم سیوطی اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ اگرچہ پنساری کے پاس
 مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں ہوتی ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ کس کام آتی ہیں؟ طبیب اور حکیم
 ہی ان کی خاصیت اور مزاج سے واقف ہو سکتے ہیں، اسی طرح حضرات محدثین کے کام کے حافظ
 میں اگرچہ بے شمار حدیثیں محفوظ ہوتی ہیں لیکن وہ ان سے استنباط مسائل کا طریقہ نہیں جانتے
 بلکہ یہ کام حضرات فقہاء کے کام ہے (محصلاً مسائلک المخلصۃ ۵) اور امام سفیان بن عیینہ
 لکھتے ہیں کہ فقہاء کی بات کو تسلیم کرنا ہی دین کی سلامتی ہے (الجواهر المنیۃ جلد ۱ ص ۱۱)
 اہم ترمذی ایک مقام پر لکھتے ہیں وکذلک قال الفقہاء وہم اعلم بمعانی الحدیث
 (جلد ۱ ص ۱۱) کہ فقہاء نے اس حدیث کا یہ معنی بیان کیا ہے اور وہی حدیث کا مطلب زیادہ بہتر
 سمجھتے ہیں اور اہم احمد بن حنبل فرماتے ہیں ما اقل الفقہ فی اہل الحدیث (طبقات
 ابو یعلیٰ ص ۲۴) فقہ اور سمجھ کی باتوں سے اہل حدیث کو کوئی سروکار نہیں ہے، اہم حاکم اور
 علامہ حازمی لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو جس کو فقہاء روایت کرتے ہیں اس حدیث پر ترجیح
 ہوگی جس کو محدثین نقل کرتے ہیں (معارف علوم الحدیث ص ۱) و کتاب الاعتبار
 ص ۱۵) اور یہ اکابر جن کے انامی نقل کئے گئے ہیں بلا اختلاف مسلم فقہ تھے، اس لیے راوی

حدیث ہونے کے علاوہ ان کی فقہانیت کی وجہ سے بھی ان کا بیان کردہ مطلب اور معنی قابل ترجیح ہوگا۔
الغرض تمام اندرونی اور بیرونی شہادتیں اس امر کو بلاشک و شبہ متعین کر دیتی ہیں کہ حضرت عبادہؓ وغیرہ
کی اس روایت کو جس میں حرف مت ہے مقتدی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ فریق ثانی کا اس سے
استدلال و احتجاج صحیح ہو سکتا ہے۔

قارئین کرام! ابھی متعدد صحیح جوابات اس روایت کے جو جمہور کی طرف سے پیش کیے گئے
ہیں باقی ہیں مگر سلسلہ کلام دراز سے دراز تر ہوتا جا رہا ہے اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں تاکہ آپ
اگتا نہ جائیں، ہاں البتہ ادب اور احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف ایک جواب اور عرض کرتے ہیں اور
فریق ثانی سے انصاف کی توقع رکھتے ہیں۔

جواب ششم۔ اگر فریق ثانی خواہ مخواہ اس پر اصرار کرتا ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامت کی یہ
روایت مقتدی کے حق میں بھی عام ہے تو اس کو چاہیے کہ امام کے پیچھے بآواز بلند اور جہر سے قرأت کیا
کرتے کیونکہ حضرت عبادہؓ جہر سے قرأت کرتے تھے۔ چنانچہ امیر ایمانی صاحب حدیث فدو
تَقْرَأُ بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ إِذَا جَهَرْتَ الْوَابِعُ الْقُرْآنِ (کہ جب میں جہر سے قرأت کیا کروں
تو تم قرآن کریم کا کوئی حصہ میرے پیچھے نہ پڑھا کرو، مگر سورۃ فاتحہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

فہذا عبادہؓ راوی الحدیث قرأ بہا
جہراً خلت الامام لانہ فہو من کلامہ
صلی اللہ علیہ وسلم انہ یقرأ بہا خلت
الامام جہراً وان نازعہ (سبل السلام جلد ۱ ص ۲۳۷)

حضرت عبادہ بن الصامت نے جو اس روایت کے
راوی ہیں، امام کے پیچھے بلند آواز سے سورۃ فاتحہ پڑھی اس لیے
کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے
یہی سمجھا تھا کہ امام کے پیچھے بلند آواز سے سورۃ فاتحہ پڑھی
جا سکتی ہے، اگرچہ امام کے ساتھ تنازع اور ملتا تھا پائی ہی
کیوں نہ ہو۔

اور یہ روایت فریق ثانی کے نزدیک صحیح ہے۔ امام دارقطنیؒ لکھتے ہیں کہ ہذا اسناد حسن
ورجالہ ثقات کلہم (جلد ۱ ص ۱۲۱) اور یہ معنی ابھی ایک غیر مقلد عالم صاحب نے بیان
کیا ہے اس لیے ان کو امام کے پیچھے خوب زور و شور کے ساتھ ام القرآن کی قرأت کرنی چاہیے

اگرچہ کھلے طور پر نماز عت اور مخالفت بھی ہوتی ہے اگر حضرت عبادہ بن الصامت کی اس روایت پر ان کا عمل نہیں ہے اور ترک جہر کرتے ہوئے بھی ان کی نماز جائز اور صحیح ہے اور ان کے اہل حدیث ہونے میں کوئی شک نہیں ہے تو دوسروں سے یہ الزام مطالبہ کیسے صحیح ہے؟ اور ان کی نماز کیوں ناقص، بیکار، کا عدم اور باطل ہے؟ آنچہ بر خود مہندی بردیگر اہل مہندی ہم اس حدیث کے انہیں جوابات پر اکتفا کرتے ہوتے آگے چلتے ہیں گو ابھی بہت سی باتیں کہنے کی باقی ہیں وہ فیہ کفایۃ لمن لہ ہدایۃ۔ مؤلف خیر الکلام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت عبادہ نے فاتحہ آہستہ پڑھی تھی مگر بعض علماء نے جہر کا لفظ اس لیے بولا ہے کہ محمود نے جو حضرت عبادہ کے ساتھ کھڑے تھے سُن لیا تھا الخ (ص ۱۰۱) الجواب :- یہ نرمی دفع الوقتی ہے کیونکہ عبارت میں قرآن ہاجہلاً کے الفاظ ہیں پھر اس کا یہ مطلب کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ فاتحہ آہستہ پڑھی؟ اور یہ قرأت صرف پہلو میں حضرت محمود ہی نے سُننی بلکہ یہ اہم نے بھی سُننی اس لیے کہ امیر میمانیؒ وان نازعہ کا جملہ بول رہے ہیں کہ اگرچہ اہم کے ساتھ نماز عت اور رکعتی ہوتی ہے حضرت عبادہ کے نزدیک مقتدی جہراً فاتحہ پڑھ سکتا ہے۔

دوسری روایت :- ابو اسائبؒ (جو ہشام بن زہرہ کے غلام تھے) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
 من صلی صلوۃ لم یقرأ فیہا باء القرآن
 ذہی خداج ہی خداج ہی خداج غیر تمام
 کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے وہ نام نہ ہوگی

۱۔ حضرت ہشام بن عامرؓ بھی اہم کے پیچھے جہر سے قرأت کیا کرتے تھے (دیکھئے مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱۱) علامہ ہشیمیؒ فرماتے ہیں رجالہ موثقون کہ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں حضرت ہشامؓ کو علامہ ذہبیؒ بھی پڑھ میں ذکر کرتے ہیں اور ان کے والد بھی صحابی تھے جو غزوہ احد میں شہید ہوئے (تجدید أسماء الصحابہ ج ۱ ص ۱۲۹)
 ۲۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ان کا نام عبد اللہ تھا اور وہ الانصاری اور المدنی ہونے کے ساتھ قبیلہ جمہد سے تعلق رکھتے تھے (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص ۱۰۱) لیکن صاحب کشف اللغظی کہتے ہیں کہ شاید وہ دراصل شیراز (ایران) کے رہنے والے تھے (اوجزہ المسالک جلد ۱ ص ۲۴۲)

فقلت لابی ہریرۃ انی اکون وراء الامام
قال فغض ذراعی فقال اقرأ بها فی نفسک
یا فارسی۔ (مسلم جلد ۱ ص ۱۶۹)

ابو السائب کہتے ہیں۔ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے
دریافت کیا حضرت امین جب ام کے پیچھے ہوں تو کیا کروں گا
تو انہوں نے میرا بازو دبا کر جواب دیا اسے فارسی (اور عجمی)
اپنے دل میں پڑھ لیا کرو۔

فریق ثانی ام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے وجوب اور اس کی رکینیت پر اس روایت کو نص سمجھتا ہے۔
جواب۔ فریق ثانی کا اس روایت سے استدلال ان امور پر موقوف ہے (۱) حرف مئن عموم کے لیے
ہے (۲) جس چیز پر لفظ خذاج کا اطلاق ہو وہ کالعدم ہوتی ہے (۳) لفظ غیر تمام رکینیت پر دلالت
کرتا ہے (۴) اقرأ بہا فی نفسک حتمی اور قطعی طور پر آہستہ پڑھنے پر دلالت کرتا ہے، یہ وہ چار
اصولی نقطے ہیں جن پر ہمیں بحث کرنی ہے پوری توجہ اور دلجمعی کے ساتھ بخود کریں، اس سے قبل
کہ ہم ترتیب وار ان شقوق کا جواب دیں، یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ذرا فریق ثانی کی طرف سے
پیش کردہ روایتوں کے راویوں کا جمہور کی طرف سے پیش کردہ روایتوں اور ان کے راویوں کا اجمالی
طور پر تقابل کر دیکھیں، فریق ثانی نے قتادہ، سلیمان تمیمی، ابواسحاق البیہقی، اسرائیل بن یونس اور ام زہری
لے علامہ ابوالولید الباجی (المتوفی ۸۴۹ھ) کہتے ہیں کہ ابو السائب کے سوال کرنے کا سبب یہ تھا و هذا اعتراض

من ابی السائب علی العموم بالغل الشائع عنده وما شاہدہ من الاثمة فی ترک القراءۃ وراء الامام
رجوالہ اوجز المسالك جلد ۱ ص ۱۴۱ کہ انہوں نے جب بڑے بڑے اماموں کو اور دیگر اکثریت کو امام کے پیچھے ترک
قراءہ پر عامل پایا تو عموم الفاظ کے پیش نظر حضرت ابو ہریرہؓ پر یہ اعتراض کیا۔ عہ وقال ابن القیم فی تہذیب
سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۳۹۲ اقرأ بہا فی نفسک وهذا مطلق لیس فیہ بیان ان یقرأ بہا حال الجہد
ولعلہ قال لہ یقرأ بہا فی السرد المسکت ولو کان علما فہذا ارائی لہ خالفہ فیہ غیرہ من
من الصحابۃ والخذبر وایتہ اولی اہر حافظ ابن القیم فرماتے ہیں کہ اس میں اس کا ذکر نہیں کہ حالت جہد میں
پڑھے اور ممکن ہے کہ انہوں نے سری نمازوں اور سکتات میں پڑھنے کا حکم دیا ہو اور اگر یہ عام ہے تو یہ ان کی اپنی
روایت اور دیگر حضرات صحابہ کے مسلک کے خلاف ہے لہذا ان کی روایت ان کی رائے سے زیادہ بہتر ہے۔

لہ یہ روایت ابو عوانہ جلد ۲ ص ۱۳۳، ابو داؤد جلد ۱ ص ۱۱۹ خط امام، کٹ ص ۲۹، ترمذی جلد ۱ ص ۱۱۱، ابن ماجہ ص ۱۱۱،
طیلسی ص ۳۲۲، جزاء القراءۃ ص ۱۶ اور کتاب الاعتبار ص ۹۹ وغیرہ کتابوں میں موجود ہے۔

جیسے ثقہ ثبت اور حجت راویوں پر محض تخلیط، تفرد، تدلیس اور ارسال وغیرہ کے ایسے الزام عائد کئے ہیں جو اصول حدیث کے رو سے مردود ہیں جیسا کہ آپ دیکھ چکے ہیں اور انہوں نے امام عمرؓ، سفیان بن عیینہؓ، امام اوزاعیؓ، شعبہ بن ابی حفصہؓ، عبد الرحمن بن اسحاق مدنیؓ اور صالح بن کیسانؓ جیسے جلیل القدر ائمہ ثقات اور حفاظ کی صحیح اسانید سے مروی زیادت فضلہذا کو ٹھکرا دیا ہے اور وہ بھی محض اپنی مرضی سے بلا دلیل، اس روایت کے صحیح الفاظ یہ تھے۔ کل صلوة لا یقرأ فیہا بام الکتاب فہی خداج الا صلوة خلف امام کہ ہر وہ نماز جو سورۃ فاتحہ کے بغیر پڑھی جائے وہ ناقص ہے، ہاں مگر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اور یہ استثناء الا صلوة خلف امام علاء بن عبد الرحمن کی غلطی سے چھوٹ گئی ہے جس کی پوری تفصیل پہلے عرض کی جا چکی ہے اور یہ بھی نقل کیا جا چکا ہے کہ امام ابن عیینہؓ کہتے ہیں کہ ان کی حدیث حجت نہیں ہے، ابن عدیؓ کہتے ہیں کہ وہ قوی نہ تھے ابو حاتمؓ کہتے ہیں کہ ان کی بعض حدیثیں منکر ہیں ابو زرہؓ کہتے ہیں کہ وہ زیادہ قوی نہ تھے، ابو داؤدؓ فرماتے ہیں کہ محدثین صیام شعبان کی روایت کو ان کی منکر روایتوں میں شمار کرتے ہیں اور حافظ ابو عمرؓ بن عبد البرؓ کہتے ہیں کہ:-

العلاء لیس بالمتین عندهم وقد
 الفرد بهذا الحدیث لیس یوجد الالہ
 ولا تروی القاطنۃ عن احد سواہ۔ واللہ اعلم
 علاء بن عبد الرحمنؓ محدثین کے نزدیک چنداں قابل اعتبار
 نہیں ہیں اور اس حدیث کو بیان کرنے میں متفرد ہیں
 ان کے بغیر کسی اور سے یہ القاطنہ ہی نہیں ہیں۔
 اور یہ صرف انہیں سے مروی ہیں۔
 (کتاب الانصاف ص ۱۱)

پس یہ روایت بلاشبہ شاذ ہے کہ ضعیف راوی تمام ثقات کی روایت کے خلاف کرتا ہے امت مسلمہ کا ایسی روایتوں کی صحت پر اجماع منعقد نہیں ہوا اور نہ آج تک جمہور نے ان کو قبول کیا ہے جیسا کہ مؤلف خیر الکلام کا غلط دعویٰ ہے۔ فریق ثانی کا انصاف ملاحظہ کیجئے کہ ثقہ ثبت اور حجت راویوں کی روایتیں تو ان کے نزدیک صحیح نہیں ہیں لیکن جس روایت کو کمزور

اسے مؤلف خیر الکلام نے ارسال و القطار وغیرہ کا ردنا پھر دیا ہے (ملاحظہ ہو ص ۸۳ و ص ۱۸۴) مگر ہم ان کا باوجود افضل جواب پہلے عرض کر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اور ضعیف راوی بیان کرنا ہو اور بقول حافظ ابن عبدالبر اس کے بغیر ان الفاظ کو خدا کی دنیا میں کوئی ایک راوی بھی بیان کرنے والا نہ ہو تو وہ ان کے نزدیک حجت ہے، اور اس کے خلاف کریموں کی نماز بیکار، ناقص، کالعدم اور باطل ہے۔ فواصفا ترجمان الحدیث ص ۲۹ تا ۲۹۶، ماہ جولائی ۱۹۷۳ء میں اس کا خوب روزنا رویا ہے کہ مولف احسن الکلام ایک طرف تو بخاری و مسلم کو صحیح مانتے ہیں اور دوسری طرف مسلم کے راوی پر کلام کرتے ہیں اور یہ ان کا مذہبی تعصب ہے اور تضاد بیانی ہے مصلح الجواب :- یہ سب ہم نے آپ حضرات ہی سے سیکھا ہے کہ حضرت قتادہ اور سلیمان تمیمی وغیرہ جو ثقہ اور ثبت اور بخاری اور مسلم کے مرکزی راوی ہیں مگر آپ حضرات نے باوجود ان کے ثقہ متابع ہونے کے ان کو معاف نہیں کیا حالانکہ صحیحین کی صحت آپ حضرات کے دل بھی براہ نام مسلم ہے سچ ہے سچ! اس گناہ ہسیت کہ در شہر شامینز کند۔ تو اگر ہم نے ٹھوس حوالوں کے ساتھ العلامہ بن عبدالرحمن کی غلطی واضح کر دی ہے تو کیا جرم کیا ہے! اور جہاں حضرات محدثین کرام نے العلماء کی کسی روایت کو صحیح کہا ہو گا تو یقین جاننے کہ وہاں ان کے مقابلہ میں خالد الطحان جیسا ثقہ اور ثبت راوی ہرگز کوئی نہ ہو گا اس بات کو بھی ضرور ذہن مبارک میں رکھئے۔ اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ اس حدیث کا جو حصہ مرفوع ہے اس میں یہاں و داد الامام کے الفاظ موجود نہیں ہیں یہ الفاظ صرف اس حصہ میں ہیں جو حضرت ابو ہریرہ کا موقوف قول اور فتویٰ ہے۔ اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ فریق ثانی کا یہ نظریہ ہے کہ در موقوفات صحابہ حجت نیست اگرچہ بصحت رسد، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مقابلہ میں تو کسی کا قول پیش ہی نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ ایک مقام پر امام بیہقی لکھتے ہیں کہ بھلا حضرت علیؑ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کوئی بات کہہ سکتے ہیں؟ اور اگر آپ کے خلاف ان سے کوئی سند صحیح بھی ہو تب بھی حضورؐ کی بات ان پر اور دوسروں پر حجت ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے ہوتے ہوئے کسی امتی کے قول کو کیسے حجت قرار دیا جاسکتا ہے۔؟

(سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۷۳) آپ تم ترتیب وار جوابات سنئے۔

۱۔ حروف مت کے عموم میں نص قطعی نہ ہونے پر سیر حاصل بحت پہلے کی جا چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں، اور امام موفی الدین ابن قدامہ اور علامہ شمس الدین الحنبلی

کے حوالہ سے عرض کیا گیا ہے کہ حضرت عبادہ کی سابق حدیث کی طرح حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث بھی منفرد سے متعلق ہے۔

۲۔ لفظ خداج سے وجوب اور رکنیت پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، چنانچہ بعض مرفوع حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الصلوة مثنی امثنی وتشهد فی کل
رکعتین وتبأس وتمسکن واقنع یدیل
وقل اللہم فمن لم یفعل فہی خداج
نماز کی دو رکعتیں میں اور ہر دو رکعتوں میں تشہد ہے
اور اپنی عاجزی فقر اور احتیاج کا اقرار کرنا ہے اور دونوں
ہاتھ اٹھا کر یا اللہ یا اللہ کہ جس نے ایسا نہ کیا تو
اس کی نماز ناقص اور خداج ہوگی۔

ظاہر ہے کہ نفس نماز تو عاجزی، تمسک ہاتھ اٹھانے اور اللہم اللہم وغیرہ کہنے کے بغیر بھی بالاتفاق جائز ہے اور فریق ثانی کے نزدیک نماز وتر کی دو رکعتوں کے بعد تشہد بھی نہیں ہے حالانکہ اس حدیث میں ایسا نہ کرنے والے کی نماز پر خداج کا اطلاق ہوا ہے اگر خداج رکنیت کو چاہتا ہے تو ایسا کیوں فرمایا ہے اور فریق ثانی لفظ کل کے عموم سے بھی استدلال کرتا ہے جس کا ذکر عقرب کیا جائے گا۔ انشاء اللہ العزیز۔

اعترض: مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ اس روایت میں عبد اللہ بن مافع بن عیاض راوی کمزور ہے، ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ مجہول ہے (تقریب ص ۲۱۸) علاوہ بریں امام لیث بن سعد لفظ خداج کے بجائے کذا و کذا کے الفاظ نقل کرتے ہیں، اور امام شعبہ لفظ خداج نقل کرتے ہیں اور امام بخاری لیث بن سعد کی تصویب کرتے ہیں (بعناہ تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۸۸) جواب :- یہ ٹھیک ہے کہ بعض حضرات محدثین کرام نے ان کو مجہول کہا ہے اور بعض

لہ یہ روایت ترمذی جلد ۱ ص ۵۱، ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۸۳، ابن ماجہ ص ۹۵، متداحد جلد ۱ ص ۲۶۳، طیالسی ص ۱۹۵، سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۴۸۸، نیل الاوطار جلد ۲ ص ۲۳۷

اد التاج الجامع للاصول جلد ۲ ص ۲۰۰ وغیرہ کتابوں میں ہے۔

تے ان کی حدیث کی صحت کا بھی انکار کیا ہے مگر اہم ابو حاتمؒ اس حدیث کی تحمیل کرتے ہیں۔
(کتاب العطل جلد ۱ ص ۱۳۲) اور غایۃ المأمول جلد ۱ ص ۲۴ میں لکھا ہے بسند صحیح کہ اس کی سند صحیح ہے۔ اور بہارِ کپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اگر کسی راوی پر جہالت کا الزام ہو اور ابنِ جہانؒ اس کو ثقات میں بیان کر دیں تو اس کی جہالت رفع ہو جاتی ہے (ابکار المنہج ص ۱۳) اور ان کو ابنِ جہانؒ بھی ثقات میں بتاتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۵۸) تو ان کے مسلم قاعدہ کے مطابق یہ روایت صحیح ہے۔ رہا امام لیثؒ بن سعد کا قصہ تو وہ بھی سن لیجئے امام لیثؒ بن سعدؒ بھی اس روایت کو لفظ خداج سے روایت کرتے ہیں (دیکھئے سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۴۴ وغیرہ) اور لیثؒ بن سعدؒ کے ایک شاگرد عبد اللہؒ کے علاوہ باقی سب لفظ خداج ہی سے اس روایت کو نقل کرتے ہیں، اس روایت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ہر دو روایتوں کے بعد تشدد ضروری ہے، لہذا دونوں کا بھی یہی حکم ہو گا اور فریق ثانی کا انکار باطل ہے خصوصاً جب کہ لفظ کل کے عموم کے بھی مدعی ہیں پھر وہ و تشہد فی کل روایتیں کا کیونکر انکار کرتے یا کر سکتے ہیں؟ مگر اس کو کیا کہا جائے کہ وہ اپنی رائے کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اس میں شبہ نہیں اور صریح صحیح و مرفوع روایتوں میں اس کی بڑی تشدید آئی ہے کہ رکوع وغیرہ میں امام سے پہلے مقتدی کو سراٹھانے کی گنجائش اور اجازت نہیں ہے مگر ایسا کرنا کن شخص کی نہیں ہے جس سے سکر سے نماز ہی نہ ہو محمدؐ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو جس نے آپ سے قبل ہی سر رکوع سے اٹھالیا تھا۔ خطاب کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا اتقوا خداج الصلوٰۃ۔ (مسند احمد جلد ۳ ص ۴۳)

کہ تم ناقص (اور خداج) نماز سے بچو اس حدیث میں بھی غیر رکن پر لفظ خداج کا اطلاق ہوا ہے مولف غیر الکلام لکھتے ہیں کہ ان احادیث میں خداج کا معنی نقصان و صغی کے لیے کیا گیا ہے اور یہ مجازی معنی ہے اور فاتحہ کو حنفی بھی واجب کہتے ہیں (محصلاً ص ۱۱) الجواب: حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں بھی نقصان و صغی ہی مراد لیں کیونکہ وہاں بھی قوی قرآن موجود ہیں اور خود حضرت ابوہریرہؓ کی روایت بھی ایک قرینہ ہے جو آثار صحابہؓ میں گزر چکی ہے کہ وہ جہری نمازوں میں قرأت خلف الامم کے قائل نہ تھے اور حنفیوں کے نزدیک مقتدی پر فاتحہ واجب ہی نہیں ہے اور بحث اسی میں ہے منفرد اور امام کی بات نہیں ہو رہی۔

۳۔ جیسے لفظ خراج کا اطلاق ایسے موقع اور محل پر ہوا ہے جو رکن نہیں اسی طرح لفظ غیر تمام بھی غیر رکن کے ترک پر بولا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اقامة الصفت من تمام الصلوة (بخاری جلد امت) کہ صفت کو سیدھا کرنا نماز کے اتمام میں داخل ہے۔ فان تسوية الصفوف من تمام الصلوة (مسلم جلد امت ۱۸۳) و مستد احمد جلد امت ۱۶۶ کہ بلا شک صفوں کا درست کرنا تمام صلوٰۃ سے ہے اور اسی قسم کے الفاظ مندطیاسی ص ۲۶۶ وغیرہ میں مروی ہیں، یہ ٹھیک ہے کہ صفوں کی درستگی کا بڑا اہتمام کیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کا خاص لحاظ فرمایا کرتے تھے لیکن تسویہ صفوں آخر رکن صلوٰۃ بھی تو نہیں ہے کہ اس کے بغیر مطلقاً نماز ہی صحیح نہ ہو اسی طرح ایک روایت میں یوں ارشاد ہوا ہے۔ لا تتعد صلوٰۃ احدکم حتی یسبغ الوضوء (دارقطنی جلد امت ۳۵) تم میں کسی کی نماز مکمل نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ وہ وضوء کی تکمیل نہ کر لے ظاہر ہے کہ اسباغ وضوء میں تین تین بار دھونا اور اطالہ وغیرہ کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ نماز کے لیے ضروری نہیں ہے، ایک دفعہ وضوء کرنا کافی ہے اور دو مرتبہ کامل وضوء ہے اور تین مرتبہ کامل جیسا کہ حضرات محدثین کرام نے باب الوضوء مرة مرة۔ باب الوضوء مرتین مرتین اور باب الوضوء ثلاثا ثلاثا قائم کر کے اور ان کے تحت مرفوع قولی اور فعلی حدیثیں درج کر کے یہ بات واضح کر دی ہے، اس حدیث میں بھی غیر رکن پر لا تتعد کے الفاظ اطلاق کئے گئے ہیں، ایک حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ من تمام الصلوة، الصلوة فی النعلین (مجمع الزوائد جلد ۱۷۴) کہ نماز کا اتمام اور اس کی تکمیل یہ ہے کہ جو تلوں میں نماز پڑھی جائے اگر من تمام الصلوة یا غیر تمام وغیرہ الفاظ رکنیت کو چاہتے ہیں تو جو تلوں میں نماز پڑھنا بھی رکن ہونا چاہیے، اور حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں غیر تمام تفسیر لقوله علیہ السلام وهذا اللفظ لا یقتضی الرکنیۃ (فتاویٰ میرزا) کہ غیر تمام کا جملہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد (خراج) کی تفسیر ہے لیکن یہ لفظ رکنیت کو نہیں چاہتا، امام ابن دقیق العید ایک مقام پر اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ تمام الشئی امدنا ثد علی وجود حقیقتہ (احکام الاحکام جلد ۱۹۵) کہ اصل شے کی حقیقت سے تمام کا مفہوم زائد ہے، اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ لنگڑا پاہنج اور اندھا وغیرہ بھی تو

آخر انسان ہے، ان نقائص کی وجہ سے اس کی انسانیت کا انکار تو ہرگز نہیں ہو سکتا، ہاں البتہ اگر یہ اعضاء بھی صحیح ہوتے تو وہ کامل اور مکمل انسان کہلاتا۔ آپ ملاحظہ کر چکے کہ لفظ خداج کی طرح غیر تمام کا جملہ بھی رکبیت کو نہیں چاہتا اور اس پر فریق ثانی کے استدلال کی عمارت قائم تھی۔

۴۔ قرآۃ فی النفس کے معنی عربی قواعد کے لحاظ سے زبان کے ساتھ آہستہ پڑھنے کے علاوہ اپنے دل ہی دل میں تدبر اور غور کرنے اور منفرد اور اکیلے ہو کر پڑھنے کے بھی آتے ہیں اور جب تک یہ دو معنی اور بھی موجود ہیں تو فریق ثانی کا قطعی اور حتمی طور پر یہ دعویٰ کیسے مسموع ہو سکتا ہے کہ قرآت فی النفس سے آہستہ زبان کے ساتھ پڑھنا ہی مراد ہے یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابوہریرہؓ کے اس موقوف اثر اور فتوے کا مطلب یہ ہو کر لے سائل جب تم امام کے پیچھے اقتدار کر چکے ہو تو

اپنے دل ہی دل میں سورۃ فاتحہ کا تدبر اور غور کیا کرو اور قرآہہا فی نفسک اور زبان کو حرکت تک نہ دینا۔ اس روایت کا یہی مطلب حافظ المغرب امام ابن عبدالبر نے بیان کیا ہے اور اس کا بھی قوی احتمال ہے اور یہ معنی ہو کر لے سائل تم نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا سوال کیا ہے لیکن اقتدارہا فی نفسک جب تم اکیلے اور منفرد ہو کر تو اس وقت سورۃ فاتحہ پڑھا کر دو گو اس اعتبار سے اسلوب حکیم کے پیش نظر حضرت ابوہریرہؓ نے سائل کو یہ بتایا کہ جب تم منفرد اور اکیلے ہوتے ہو تو اس وقت سورۃ فاتحہ پڑھا کرو۔ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے اس کا بھی قوی احتمال ہے اور اگر اس کو آپ معنی اور مطلب کہنے پر آمادہ نہیں تو صحیح احادیث کے ساتھ

تطبیق مینے کی ایک جائز تاویل ہی کہیجئے، امام نووی، حضرت ابوہریرہؓ ہی کے ایک موقوف اثر کے بارے میں جو ایک مرفوع حدیث کے مخالف ہے، لکھتے ہیں۔ متا قول او مردود و شرح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۵) اس کی کوئی مناسب تاویل کر لی جائے گی یا اس کو رد کر دیا جائے گا پہلے تو اس اثر میں علامہ ابن عبدالرحمنؒ موجود ہے جس کا حال آپ سُن چکے ہیں پھر یہ ابوہریرہؓ پر موقوف ہے اگر یہ اثر صحیح بھی ہو تب بھی مرفوع روایت کے مقابلہ میں قابل التفات نہیں ہے اور اس کا ایک صحیح محل بیان کر کے صحیح روایات کے ساتھ منطبق کرنا یہ تو انتہائی خوش عقیدتی اور حسن ظنی ہے قرآۃ فی النفس تدبر کے معنی میں آتا ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یوم القوم اقرأہم لکتاب اللہ رسولہ جلد ۱ ص ۲۳۶ البوداؤد ص ۹۳ ترمذی ص ۳۲

قوم کا امام وہی ہو جو بڑا عالم کتاب اللہ ہو۔ امام نوویؒ اقراً کا معنی افتقہ بھی نقل کرتے ہیں اصل عبارت
 یوں ہے ولجاہوا عن الحدیث بان الاقراء من الصحابة كان هو الافتقہ اور (نووی ص ۳۱۶)
 اور انہوں نے حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ میں جو اقراً ہوا تھا وہی افتقہ
 ہوا تھا، یعنی جو شخص قرآن کریم کا سب سے بڑا عالم اور اس کے معانی پر غور اور فکر و تدبیر کرنے والا ہو تو وہی
 شخص قوم کا امام ہونا چاہیے اور اگر علم قرأت اور تجوید پر بھی اس کی گہری نگاہ ہو تو نوویؒ علیؒ اور
 صاحب تاج العروس اس کا معنی کرتے ہیں اقراً اصحابہ واتقن للقرآن واحفظ کہ وہ شخص امام
 ہو جو دوسروں سے زیادہ معیاری عبور اور تدبیر کرنے والا اور الفاظ و معانی کا حافظ ہو۔ حضرت ابن عباسؓ
 فرماتے ہیں اذا قرأتها فی نفسك لم یکتباھا رنہایہ جلد ۴ ص ۱۶۱) جب تم دل میں
 پڑھتے ہو تو وہ دونوں فرشتے اس کو نہیں لکھتے، دل میں پڑھنے کا مطلب جس کو کرام کا تبین بھی نہ
 لکھیں غور کرنے اور تدبیر کرنے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ حضرت ابوسعید بن الخدریؓ سے روایت
 ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھ
 رہا ہو اور شیطان اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالے کہ تمہارا وضو ٹوٹ چکا ہے تو محض اس وسوسہ
 کی بنا پر نماز نہ چھوڑ دینا بلکہ یہ کہہ دیا کرو کذبت لے شیطان تم جھوٹ بک رہے ہو مگر یہ کہنا
 فی نفسہ ہو امام ابن حبانؒ نے اپنے صحیح میں فی نفسہ کی زیادت روایت کی ہے (بلوغ المرام)
 سوچئے کہ سجالت نماز دل میں شیطان لعین کو یہ کہنا کہ تم جھوٹ بکتے ہو میرا وضو نہیں ٹوٹا بغیر تدبیر
 اور غور کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ مشہور تابعی حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اذا طلق فی نفسہ فیلس
 بشیئ (بخاری جلد ۲ ص ۹۷۴) جب کوئی شخص اپنے دل میں طلاق دے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں
 ہے طلق فی النفس کا مطلب بغیر تدبیر اور غور کے اور کیا ہو سکتا ہے زبان سے طلاق کا لفظ کہنے
 سے گو مسخرہ پن سے کیوں نہ ہو طلاق واقع ہو جاتی ہے حضرت عمرؓ نے ایک مشورہ کے موقع
 پر یہ ارشاد فرمایا تھا وکنت ذرورت مقالة (بخاری جلد ۲ ص ۱۸۱) میں نے اپنے دل میں ایک
 مقالہ تیار کیا تھا، ظاہر ہے کہ قلبی مقالہ تدبیر اور غور کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ حضرات ائمہ متکلمین
 نے کلام لفظی اور کلام نفسی پر روشنی ڈالی ہے اور اس پر متفق ہیں کہ کلام نفسی پر بھی کلام کا اطلاق صحیح
 ہے بلکہ حقیقت شناسی سے کام لیا جائے تو اصل کلام ہی دل کا کلام ہے۔

ان الکلام لغی الفواد وانما جعل اللسان علی الفواد دلیلاً
بے شک کلام تو درحقیقت دل ہی کا کلام ہے، زبان تو صرف اس کلام کو ظاہر کرنے کا ایک
ذریعہ ہے۔

ان تمام اقتباسات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ دل کے اندر غور اور تدبیر و فکر کرنے پر بھی قرأت
قول و مقالہ اور کلام وغیرہ کا اطلاق جائز اور صحیح ہے اور اس کا انکار کرنا باطل ہے۔ مؤلف خیر الکلام نے
اہم بیہقی کے حوالے سے جو یہ لکھا ہے کہ دل میں تدبیر کرنے پر بالاجماع قرأت کا اطلاق نہیں ہوتا (محصلاً ص ۱۸۸)
تو یہ قابل قبول نہیں اس لیے کہ ہم حضرت ابن عباس اور ام ابن عبد البرہ وغیرہ کے حوالے سے عرض کر
چکے ہیں کہ دل کے تدبیر پر بھی قرأت کا اطلاق ہوتا ہے محض بے دلیل خوش کن لفظ اجماع سے
کچھ نہیں بننا۔ فریق ثانی ہی ازراہ کرم یہ فرماتے کہ ایک شخص کسی کتاب یا اخبار وغیرہ کو دل ہی دل
میں پڑھتا ہے اور زبان کو حرکت تک نہیں دیتا کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ اس نے کتاب اور اخبار کی قرأت
کی ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے اور یقیناً اثبات ہی میں ہونا چاہیے تو اس غور اور تدبیر پر
قرأت فی النفس کا اطلاق کیسے صحیح ہوا؟ یا حضرت امام بیہقی، امام نووی اور مبارکپوری صاحب
وغیرہ کا یہ اعتراض کہ اگر دل میں تدبیر اور غور کرنے پر قرأت کا اطلاق صحیح ہے تو جہنمی وغیرہ جب
دل میں قرآن کریم پڑھتے تھے تو وہ گنہگار کیوں نہیں ہوتا حالانکہ زبان کے ساتھ پڑھنا اس
کے لیے جائز نہیں ہے (کتاب القرۃ ص ۱۷۱، نووی جلد ۱ ص ۲۸۸) تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۸۸
تو یہ ایک سطحی قسم کا سوال اور مغالطہ ہے، کیونکہ جہنمی کے لیے تلفظ اور زبان سے پڑھنا جائز نہیں
ہے۔ جیسا کہ دل میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے تکلم اور تلفظ شرط
ہے یہ نہیں کہ دل میں طلاق کے تدبیر پر طلاق فی النفس کا اطلاق ہی صحیح نہیں ہے؟ بہر حال یہ
ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، کہ دل کے اندر غور اور تدبیر کرنے پر قرأت و مقالہ اور قول کا اطلاق
صحیح ہے آخر حضرات مفسرین کرام کے ایک معتد بہ گروہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس
ارشاد کا کہ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ شُرُکَاؤُنَا۔ اپنے جی میں حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا بلکہ
تم بتہر ہو درجہ میں یہی مطلب تو بیان کیا ہے کہ انہوں نے یہ بات اپنے دل میں کہی اور سیاق و سباق
سے یہی تفسیر قرین قیاس معلوم ہوتی ہے گوروں کی تفسیر کا بھی احتمال ہے، جب یہ ثابت ہو گیا کہ

دل میں غور و فکر اور تدبیر پھر بھی قنات فی النفس کا اطلاق صحیح ہے تو اس احتمال کی موجودگی میں فریق ثانی کا استدلال صحیح نہیں ہو سکتا، قاضی شوکانی فرماتے ہیں ومع الاحتمال یسقط الاستدلال رینل الاوطار جلد ۱ ص ۱۹) احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال ساقط اعتبار ہے یعنی ایسا احتمال جو ناشی عن دلیل ہو محض احتمال سے استدلال پر کوئی زد نہیں پڑتی (غیث الغمام ص ۱۲) اور یہاں احتمال ناشی عن دلیل ہی ہے کما لا یخفی۔ یہاں تک جو بحث ہوئی وہ اس امر کی تھی کہ اس حدیث کا مطلب حافظ ابن عبد البر وغیرہ نے یہ بیان کیا ہے کہ اقربا بہا فی نفسک کا معنی ہے دل میں اس پر غور و فکر اور تدبیر کرنا ہے، اور قواعد شرعیہ سے اس کا ثبوت موجود ہے جو عرض کر دیا گیا ہے۔ اب آپ اقربا بہا فی نفسک کا دوسرا معنی بھی سن لیں کہ فی نفس کے معنی اکیلے اور منفرد کے بھی آتے ہیں چند نظائر اور نقول عرض ہیں غور کریں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شاد فرماتا ہے کہ آپ جب ان (خاص قسم کے) لوگوں کو غلط کریں تو قل لہم فی انفسہم فتوک بکلیغاً (پٹ، نسا) آپ ان میں سے ہر ایک ایک اور اکیلے اکیلے کو انتہائی بیخ بات کہہ دیجئے اس آیت میں فی نفس کا معنی امام عمر بیت علامہ زحمتی نے تفسیر کشاف جلد ۲ ص ۳۷ میں اور امام رازی نے تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۲۷ میں اور اسی طرح دوسرے بعض مفسرین نے جن میں قاضی بیضاوی اور صاحبی روح المعانی وغیرہ شامل ہیں یہی معنی کئے ہیں اور اسی طرح کا معنی حضرت عبد اللہ بن عباس سے بھی منقول ہے (دیکھئے فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۸ وغیرہ) ایک حدیث قدسی میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ جل شاد سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فان ذکرى فی نفسه ذکرته فی نفسی
وان ذکرنی فی ملائکہ ذکرته فی ملائکھن
منہم الحدیث (بخاری جلد ۲ ص ۱۱)
میرا کوئی بندہ جب مجھے تنہائی میں یاد کرے تب تو میں
بھی اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے
کسی جماعت میں یاد کرے تب تو میں اس جماعت سے
بہتر جماعت میں اس کو یاد کرتا ہوں۔

اس حدیث میں فی نفسہ تنہا اور اکیلے کے معنی میں ہے کیونکہ اس کا تقابل فی ملائکہ جماعت سے کیا گیا ہے اور کنز العمال جلد ۱ ص ۱۱ میں فی نفسہ کے بجائے خالیاً

راکیلا اور منفرد کا لفظ آیا ہے جو صراحت سے اس مفہوم کو ادا کرتا ہے اور قاموس میں فی نفس کے معنی اکیلے کے بیان کئے گئے ہیں (فصل الخطاب ص ۷۷) اور فن نحو کی کتابوں میں اسم فعل اور حرف کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے کون طالب علم ناواقف ہو سکتا ہے؟ اسم وہ کلمہ ہے جو فی نفسہ اپنے معنی پر دلالت کرے، اور ضم ضمیمہ کا محتاج نہ ہو فعل وہ کلمہ ہے جو فی نفسہ اپنا معنی دے اور ضم ضمیمہ کا مفتقر نہ ہو لیکن ماضی و حال اور استقبال میں سے کوئی زمانہ اس میں پایا جائے اور حرف وہ کلمہ ہے جو فی نفسہ اپنا معنی ادا نہ کر سکے بلکہ اسم اور فعل سے مل کر اپنا مفہوم ادا کرے، ان مواقع میں فی نفسہ کا معنی اکیلا اور منفرد ہی ہے کہ اسم و فعل اکیلے اور تنہا اپنا معنی دیتے ہیں مگر حرف اکیلا معنی نہیں ادا کرتا عرف عام میں بھی فی نفسہ کا معنی اکیلے اور منفرد کے آتے ہیں کیا لوگ یہ نہیں کہا کرتے فلاں شخص فی نفسہ بڑا شریف (یا بڑا) ہے یعنی اگر اس کو اس کے رفقا، جماعت، ہوسائے اور گروپیش کے ماحول سے الگ کر کے اکیلا دیکھا جائے تو بڑا شریف (یا بڑا) ہے جب قرآن کریم، صحیح حدیث ائمہ لغت و تفسیر اور علم نحو بلکہ عرف عام سے یہ ثابت ہے کہ فی نفس کے معنی اکیلے اور منفرد کے بھی آتے ہیں تو حضرت ابوہریرہؓ کے اس موقف اثر کا یہ معنی کیوں نہ ہو جائے کہ اقربا بہا فی نفسک جب تم اکیلے اور منفرد ہو کر تو اس وقت سورہ فاتحہ پڑھا کرو تا کہ نہ توجیب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح و مرفوع حدیثوں سے اس کا تعارض پیدا ہو اور نہ مخالفت لازم آئے، شاید ایسے ہی موقع کے لیے یہ کہا گیا ہے کہ نہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی، آخر حضرت ابوہریرہؓ نے ابوالسائب کا بازو و فخذ ذراعی، بلا وجہ کھوڑا ہی دیا یا تھا جواب کوئی مخصوص ہی ہو گا مہ

اور ہوں گے جو سہیں ان کی جنائیں بے محل

ہم کسی کا غمزہ بے جا اٹھا سکتے نہیں

قارئین کرام! حضرت ابوہریرہؓ کی اس روایت کا پس منظر آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، زیادہ مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ ہم لفظ خداج کی مناسبت وہ جملہ روایتیں جو ہماری نظر سے گزری ہیں یہیں ہی نقل کر کے ان پر روایتی اور درایتی کلام کرتے جائیں اور پھر حدیث تہمتین کا ذکر کریں۔

احادیث خداج اور مخدجہ کی بحث

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا
 كل صلوة لا یقرأ فیہا بفاتحة الكتاب وشیئ فہی خداج (کتاب القراءۃ ص ۳)
 جس نماز میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور نہ پڑھا جائے تو وہ نماز خداج اور ناقص ہوگی۔

جواب :- اس روایت سے استدلال صحیح نہیں ہے اولاً اس لئے کہ اس کی سند میں جبارہ
 بن المغلس راوی ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ وہ مضطرب الحدیث تھا امام ابن معینؒ اس کو کذاب
 کہتے ہیں۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۱۹۹) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیثیں بعض جعلی اور موضوع
 بھی ہیں، ابو زرہؒ نے ان سے روایت ترک کر دی تھی، ابن سعدؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں، ابو داؤدؒ
 نے اس سے ترک روایت کا یہ عند پیش کیا ہے کہ وہ صاحب منکیر تھا محدث بزرگ اس کو شیراً
 کہتے ہیں ابن جبارؒ کا بیان ہے کہ وہ اسانید میں ہمیر پھیر کر دیا کرتا تھا اور اس کی حدیث سے
 احتجاج صحیح نہیں ہے، دارقطنیؒ اس کو مترک کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۵۸) دوسرا
 راوی اس سند کا شبیب بن شیبہؒ ہے امام بخاریؒ اس کو لیس بشقہ اور امام نسائیؒ و دارقطنیؒ
 اس کو ضعیف کہتے ہیں، امام ابو حاتمؒ اور ابو زرہؒ اس کو لیس بالقوی اور ابو داؤدؒ اس کو
 لیس بشیئ کہتے ہیں (میزان جلد ۱ ص ۱۲۲) وثانیاً اس میں خلف الامم کا کوئی ذکر نہیں ہے اور
 لفظ کل کی بحث عنقریب آ رہی ہے وثالثاً اس میں وشیئ کی زیادت بھی موجود ہے مگر
 فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے و رابعاً بند صحیح و حسن حضرت عائشہؓ سے ایک روایت پہلے
 عرض کی جا چکی ہے کہ وہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرآن سورہ فاتحہ کی قائل نہ تھیں، اگر یہ
 روایت ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو ہرگز اس کے خلاف نہ کرتے، حضرت عائشہؓ سے ایک
 روایت مرفوعاً ان الفاظ سے مروی ہے كل صلوة لا یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج
 فہی خداج فہی خداج (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۳۱۱ و کتاب القراءۃ ص ۳) ہر وہ نماز جس
 میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے، لیکن اس کی سندیں عبداللہ بن
 لبیعہؒ ہے، امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن مہدیؒ اور یحییٰ بن سعیدؒ اور وکیعؒ نے ان سے روایت
 بالکل ترک کر دی تھی ابو احمد حاکمؒ ان کو ذہب الحدیث کہتے ہیں، ابن جبارؒ ان کی روایت کو

واجب ترک کہتے ہیں۔ اور ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے، ابو زرعہ کا بیان ہے کہ وہ صاحب ضبط نہ تھے، اہم نسائی ان کو لیس ہفتہ کہتے ہیں، ابو حاتم کہتے ہیں کہ ان کی روایت حجت نہیں ہو سکتی، ابن قتیبہ ان کی تضعیف کرتے ہیں علامہ خطیب کہتے ہیں کہ وہ تساہل کی وجہ سے کثرت منکر کا شکار ہو گئے تھے، ابن معین کہتے ہیں کہ ان کی حدیث سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۴۸) مصلح امام ترمذی کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے جلد ۱ ص ۱۱ حضرت عائشہؓ کی ایک مرفوع روایت ان الفاظ سے مروی ہے کل صلوة لا یقرأ فیہا بام الکتاب فہی خداج (ابن ماجہ ص ۳۰ و کتاب القراءۃ ص ۳) ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو وہ ناقص ہوگی۔

لیکن اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے جس کا ذکر عنقریب کیا جائے گا نیز وہ عنعنہ بھی کرنا ہے اور جزا القراءۃ (ص ۳) میں بھی حضرت عائشہؓ سے مرفوعاً یوں مروی ہے کل صلوة لا یقرأ فیہا فہی خداج اور اس کی سند میں بھی محمد بن اسحاق ہے اور متن میں فاتحہ کی تعیین نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً روایت ہے من صلے صلوة لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج غیر تمام (کتاب القراءۃ ص ۳ و توجیہ النظر ص ۲۴۲) جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص اور نامکمل ہوگی، لیکن اس روایت میں ایک راوی محمد بن حمیر ہے اگرچہ ابو محمد شین کہہ ام اس کی توشیح کرتے ہیں لیکن امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث لکھی جاسکتی ہے اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے فسوی کہتے ہیں کہ وہ قوی نہ تھا علامہ ذہبی انکو صاحب غرائب اور افراد کہتے ہیں (میزان ص ۱۱) حافظ ابن حجرؒ بھی امام یعقوب بن سفیان القسوسی سے یہی قول نقل کرتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب ص ۱۳۵) دوسرا راوی اس سند کا عبداللہ بن عمرؓ ہے، امام بیہقی ان سے روایت نہیں لیتے تھے، امام نسائی انکو لیس بالقوی کہتے ہیں۔

ابن مدینی ان کو ضعیف کہتے ہیں، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ کثرت خطا کی وجہ سے قابل ترک تھے (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۵۵) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (تقریب ص ۲۰۹) قیس راوی اس کثری کا اسمعیل بن عیاش ہے امام مسلم لکھتے ہیں کہ ان کی کوئی روایت قابل حجت نہیں ہے معروف راویوں سے ہو یا مجہول سے (جلد ۱ ص ۱۸) لیکن محدث وصیم وغیرہ نے یہ

فیصلہ درج کیا ہے کہ اسمعیلؑ مذکور کی ہر وہ روایت جو اہل مدینہ سے ہر ضعیف اور کمزور ہوتی ہے
 (میزان جلد ۱ ص ۱۱۲) و تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۳۲۴) اور یہ روایت بھی عبداللہ بن
 عمر مثنیٰ سے ہے۔ دوسری سند میں اگرچہ عبدالرحیم بن سلیمانؑ، اسمعیلؑ مذکور کا تابع ہے اور وہ خود
 ثقہ ہے مگر اس کی سند کمزور ہے لہذا اس کی متابعت کا حکم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مرفوعاً روایت ہے كل صلوة لا یقرأ فیہا بام
 القرآن فخذجة فخذجة فخذجة (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱۱) ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ
 نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے لیکن اس کی سند میں سعید بن سلیمان النشیطی
 ہے، امام ابو زرہؒ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ سے سلامت کے خواہاں ہیں وہ قوی نہیں ہے۔

(مجمع الزوائد ص ۱۱۱) ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ اس میں کلام اور نظر ہے، ابو داؤدؒ کہتے ہیں کہ میں اس سے
 روایت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں وار قطنیؒ کہتے ہیں کہ محدثینؒ اس میں کلام کرتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۴۲) حضرت عبداللہ بن عمروؒ سے مرفوعاً ایک روایت یوں مروی ہے
 كل صلوة لا یقرأ فیہا بفاتحة الكتاب فہی خداج (ابن ماجہ ص ۱۱۱) ہر وہ نماز جس میں

سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے، ناقص ہے لیکن اس کی سند یوں ہے عن عمرو بن شعیب
 عن ابيہ عن جدہ اور جلد اول بحث سکات امام میں اس پر سیر حاصل بحث گذر چکی ہے، اعادہ

کی ضرورت نہیں ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں حضرت عبداللہ بن عمروؒ سے مرفوعاً ایک روایت
 اس طرح مروی ہے كل صلوة لا یقرأ فیہا بفاتحة الكتاب فہی خداج (کتب الفقہاء

ص ۱۱۲) جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے لیکن اس کی سند میں ایک راوی
 عبدالوہاب بن عطاءؒ ہے، امام ساجیؒ اور ابو حاتمؒ کہتے ہیں لیس بالقوی عندہم محدثین کے

نزدیک یہ قوی نہیں ہے، امام نسائیؒ ان کو لیس بالقوی کہتے ہیں امام احمدؒ ان کو ضعیف
 الحدیث کہتے ہیں، امام بزارؒ کہتے ہیں لیس بالقوی، امام ابن حبانؒ ان کی ایک روایت کو

موضوع اور جعلی بتاتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۲۵۱) دوسرا راوی اس سند کا محمد بن
 اسحاقؒ ہے جس کا ذکر عنقریب آئے گا (انشار اللہ تعالیٰ) اور تیسرا راوی (بلکہ کڑی) عمرو بن

شعیبؒ عن ابيہ عن جدہ ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے ان کی ایک روایت مرفوعاً یوں ہے

كل صلوة لا يقرأ فيها بام القرآن فهي خداج (كتاب القراءة ص ۶۹) اس کی سند میں
 عمرو بن شعيبؓ کے علاوہ ابوالصلت ہمدانی، امام ساجی، نسائی، ابوزرعہ، ابوجاتم
 اس کو ضعیف کہتے ہیں مسلمہ اور ابن طاہر اس کو کذاب کہتے ہیں، دارقطنی اور عقیلی اس کو راضی
 خیث کہتے ہیں (ترذیب جلد ۲۲) حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی ایک مرفوع روایت یوں
 ہے كل صلوة لا يقرأ فيها بفتح الكتاب فهي مخدجة مخدجة، (كتاب القراءة ص ۳۲)
 جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی گئی وہ ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے
 لیکن اس میں عمرو بن شعيب عن ابیہ عن عبدہ واقع ہے اور علاوہ بریں اس سند کا ایک باوی علم اشول
 ہے امام احمد ان کو لیس بالقوی اور ضعیف الحدیث کہتے ہیں امام نسائی کا بیان ہے کہ وہ قوی
 نہ تھے، محدث حمید بن اسود اس کو کمزور اور ضعیف کہتے ہیں ریزان جلد ۲ ص ۲۷ و تذبذب التذبذب
 جلد ۵ ص ۴) امام ابوجاتم کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے (توجیہ النظر ص ۲۴۵) مبارکپوری صاحب
 لکھتے ہیں کہ منکر وہ حدیث ہے جس میں ضعیف اور کمزور راوی متفرد ہو (تحفۃ الھوذی ص ۶۴)
 پس یہ جرح مبہم نہیں بلکہ مفسر ہے مولف "خیر الکلام" کا اس کو مبہم کہہ کر ٹال دینا غیر مقبول ہے
 ان کی ایک روایت ان الفاظ سے بھی مروی ہے کہ سورۃ فاتحہ سکات امام میں پڑھنی چاہیے
 ورنہ نماز خداج غیر تمام ہوگی (كتاب القراءة ص ۵۴) اس میں بھی عمرو بن شعيب واقع ہے اور
 دوسرا راوی محمد بن عبد اللہ بن عبید بن عمیر ہے سکات امام کی بحث دیکھیے۔ اس پر باحوالہ
 جرح وہاں نقل کر دی گئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً مروی ہے الرکتین اللتین لا یقرأ فیہما خداج
 فقال رجل یا رسول اللہ ارایت ان لم یکن معی الام القرآن قال ہی حسبک
 ہی السبع المثانی (كتاب القراءة ص ۳) وہ دو رکعتیں جن میں قرأت نہ کی جائے وہ ناقص
 ہوں گی ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ یہ فرمائیے کہ اگر مجھے صرف سورۃ فاتحہ ہی یاد ہو؟
 آپ نے فرمایا تجھے یہی کافی ہے کیونکہ یہ سبع مثانی ہے اس کی سند میں ابراہیم بن فضل ہے
 امام نسائی کہتے ہیں وہ متروک ہے (ضعف ص ۳۶) علامہ ذہبی امام ابن معین امام احمد ابوزرعہ اور دیگر
 محدثین اس کو ضعیف الحدیث کہتے ہیں، ترمذی کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں کہ وہ ضعیف الحدیث

ہے ابو احمد الحاکم کا بیان ہے کہ وہ قوی نہیں ابن حبان ان کو کثیر الخطا کہتے ہیں، ازہدیٰ اور دارقطنی اس کو متروک کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۵) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں متروک، - (تقریب مشۃ) علاوہ انہیں حسبک صرف کفایت پر دال ہے مگر فریق ثانی اس کی رکعت اور وجوب کا مدعی ہے، حضرت ابو ہریرہ کی ایک موقوف روایت یوں ہے اقرأوا اذا سکتوا و اسکتوا اذا قرأوا فان الصلوة المنحذجة التي لا قراءة فيها رکتا کتاب القراءة ص ۶۶ تم قرأت کیا کہ وجوب امام خاموش ہوں اور جب وہ پڑھیں تو تم خاموش رہو کیونکہ جس نماز میں قرأت نہ ہو وہ ناقص ہے، اس روایت میں باوجود موقوف ہونے کے سورہ فاتحہ کا ذکر نہیں ہے علاوہ ہمیں اس میں اسحاق بن عبد اللہ بن ابی فرود ہے امام علی بن المدینی اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں ابن عمار اس کو ضعیف اور ذاہب الحدیث کہتے ہیں ابو زرعہ، ابو حاتم، نسائی، دارقطنی اور برقانی اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں اس کی حدیث سے احتجاج صحیح نہیں ہے خلیلی کا بیان ہے کہ وہ محدثین کے نزدیک بہت زیادہ ضعیف ہے، امام مالک اور شافعی نے اس کو متروک قرار دیا ہے بن زید، ابن جارود، عقیلی، دعلجی، ابو العرب، ساجی ابو حاتم، ابن حبان اور ابن شاہین سب اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۲۴۱)

حضرت ابوامامہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں من لم یقرأ خلف الامام مفصلاً تہ خداج۔ (کتاب القداة وتحقیق الکلام جلد ۹۵) جس نے امام کے پیچھے قرأت نہ کی تو اس کی نماز ناقص ہوگی اس کی سند میں سلیمان بن سلمہ ٹھہری ہے امام ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے ابن جنید کا بیان ہے کہ وہ جھوٹا ہے نسائی اس کو لیس لیشی کہتے ہیں ابن عدی کا بیان ہے کہ اس کی بے شمار حدیثیں منکر ہیں خطیب کہتے ہیں کہ مشہور بالضعف یعنی ع بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا رمیزان جلد ۱۱ ص ۹۳ علاوہ ہمیں اس میں سورہ فاتحہ کا ذکر بھی نہیں ہے۔

ایک ریہاتی گنوار (رجل من اهل بادية) اپنے والد سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قیدی تھا کل صلوة لا یقرأ فیہا فاتحۃ الکتاب

فہمی خداج نہ لقبیل (کتاب القراءة ص ۵۴) و تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۹۵) ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی گئی ہو تو وہ ناقص ہوگی اور قابل قبول نہ ہوگی۔ مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۳۱ میں بھی یہ روایت ہے لیکن اس میں خداج کا لفظ نہیں ہے اس روایت میں یہ دیہاتی گنوار خود کون اور کیسا تھا؟ اور اس کا باپ کون تھا اور کیسا تھا؟ فن رجال اس سے خاموش ہے علامہ ہشیمی لکھتے ہیں فیہ رجل لیسے اس میں مجہول راوی ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قیدی اکثر کافر ہوتے تھے نہ معلوم یہ قیدی کس حالت میں تھا؟ اور کون تھا؟

حضرت مہرانؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا من لم یقرأ یا ما الکتاب خلف الامام فصلاتہ، خداج (کتاب القراءة و مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۳۱) کہ جس شخص نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہوگی، اس روایت کی سند میں عبد الرحمن بن سوارؒ وغیرہ مجہول راوی موجود ہیں جن کا کتب رجال سے کوئی پتہ نہیں چلتا علامہ ہشیمی لکھتے ہیں فی اسنادہ جماعة لا اعرفہم (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۳۱) کہ اس کی سند میں مجہول راویوں کا ایک گروہ ہے جن کا مجھے علم نہیں ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کل صلوة لا یقرأ فیہا یا ما القرآن فہمی خداج الا ان یکون وراء الامام (دارقطنی جلد ص ۱۴۴) ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہوگی ہاں مگر وہ نماز جو امام کے پیچھے ہو، امام دارقطنی لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں یحییٰ بن سلامؒ ہے جو ضعیف ہے، اور یہ حدیث موقوف ہے (جلد ص ۱۴۴) علاوہ ہمیں اس روایت میں الا ان یکون وراء الامام کی استثناء بھی ہے جو فریق ثانی کو سرسری مخالفت پڑتی ہے خداج کی بعض روایات پر جلد اول کی بحث سکتا ہے امام میں کلام کیا جا چکا ہے وہاں ہی ملاحظہ کر لیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

قاریین کہہ رہے ہیں خداج کی وہ ضعیف، کمزور معلل ہنکر، متروک اور لیست ہجرت حدیثیں جن کے بل بوتے پر فریق ثانی نے تمام دنیا کے علماء احناف کو کھلا انعامی چیلنج کیا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے، کالعدم ہے،

بیکار ہے اور باطل ہے (ملفوظ) اور زاہد النصاف اور دیانت اس پر غور نہ کیا کہ جو جماعت اور فریق قرآن کریم، صحیح احادیث، صحیح آثارِ حضرات صحابہؓ اور ائمہ سلف و خلف (اور جہری نمازوں میں تو بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے وہ قرآنِ احادیث اور اجماع کا مخالف اور منکر ہے) کے خلاف چلتا ہے کہیں انہیں کی نماز میں خرابی نہ ہوتی ہو اور دنیا کو چیلنج مینے سے قبل ٹھنڈے دل سے سوچنے کا پہلو یہ تھا۔

اے چشم اشکبار ذرا دیکھنے تو مجھے ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو
تصویر کا دو سرا رخ

آئیے ملاحظہ کر لیا کہ خداجِ مخدجہ اور خندجہ کی روایات کا روایتی پہلو کیا ہے؟ اور ان کی اسانید کسی ہیں؟ اور ان کے راویوں کا کیا پایہ اور درجہ ہے؟

حضرت! اصل روایت یوں نہیں ہے جس طرح ان کمزور اور ضعیف راویوں نے نقل کی ہے اور استنابہ ہضم کر گئے ہیں، اصل حدیث کے الفاظ یوں ہیں (اس مضمون کی سینٹل سے زائد حدیث پیش کی جاسکتی ہیں مگر سروسٹ ہم صرف چار روایتیں عرض کرتے ہیں)

پہلی روایت: كل صلوة لا يقرأ فيها باهر القرآن فهي خداج الا صلوة خلف امام
رکتاب القراءۃ (۳۱) ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہوگی مگر ہاں جو امام کے پیچھے پڑھی جائے، اس روایت کا ایک ایک راوی ثقہ ہے جیسا کہ جلد اول باب دوم میں عرض ہو چکا ہے اور الا صلوة خلف امام کی زیادت کو بیان کرنے والے خالد بن عبد اللہ الطحان ہیں جو بالاتفاق ثقہ، ثبوت، حافظ اور الامام تھے، دوسری روایت یوں ہے كل صلوة لا يقرأ فيها باهر القرآن فهي خداج الا ودا الامام رکتاب القراءۃ (۳۱) ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہوگی مگر ہاں وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اس کی سند بھی صحیح ہے اور اس زیادت کو عبد اللہ بن محمود صحیحی نقل کرتے ہیں جو ثقہ اور حافظ تھے جس کی پوری تفصیل پہلی جلد میں نقل کی جا چکی ہے۔ تیسری روایت یوں ہے كل صلوة لا يقرأ فيها بفاحة الكتاب فلا صلوة له الا ودا الامام رکتاب القراءۃ (۳۱) ہر وہ نماز جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہوگی مگر امام کے پیچھے اس روایت میں اس زیادت کو علی بن کيسان نے بیان کیا ہے اور

یہ باقی روایتوں کی تائید میں پیش کی جا رہی ہے، چوتھی روایت حضرت جابرؓ کے حوالہ سے ابھی نقل کی جا چکی ہے جس میں إلا ودا الامام کی استثناء موجود ہے، یہ روایت کتاب القراءۃ منہ اور دار قطنی جلد ۱۲۲ میں ہے دار قطنی کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سلام ضعیف ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں یحییٰ بن سلام کا وہم ہے یہ ٹھیک ہے کہ وہم اور خطا سے کوئی راوی نہیں بچ سکتا اگر یحییٰ بن سلام کو بھی کبھی وہم اور خطا سے دوچار ہوا پڑا ہے تو اس میں تعجب کی بات کون سی ہے؟ لیکن ذرا اس راوی کا صلح والے راویوں سے تقابل تو کر دیکھیں؟ ابن عدیؒ کا بیان ہے کہ ان کی حدیث بھی جاسکتی ہے ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں البوزرعمیؒ ان کی لباؤں بلکہ لکھتے ہوئے توثیق کرتے ہیں ابو حاتمؒ ان کو شیخ اور صدوق کہتے ہیں ابوالعربؒ کہتے ہیں کہ وہ مفسر اور کان من الحفاظ ومن خیار خلق اللہ (لسان المیزان جلد ۲ ص ۶۶) محتاط حدیث میں اور اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندوں میں تھے اگر فریق ثانی کے نزدیک محض اس وجہ سے کہ یہ إلا ان یکون ودا الامام کی استثناء نقل کرتے ہیں ضعیف ہیں تو یہ نہایت ہی تعجب اور حیرت و افسوس کی بات ہے، بلکہ ہم فریق ثانی کے معاملہ فہم اور اصحاب علم اور طبقات روایت رجال پر یقین اور گہری نگاہ رکھنے والے حضرات کو دعوت فرماتے ہیں کہ وہ جن جن راویوں نے إلا ودا الامام یا اذ خلف الامام وغیرہ کی زیادت نقل کی ہے، ان کا ان راویوں سے موازنہ اور تقابل کر دیکھیں جو اس استثناء کو شیعہ اور مجاہد سمجھ کر ہضم کر بیٹھے ہیں مگر افسوس ہے کہ پھر بھی ان کی حدیثیں قابل اعتبار ہیں اور یہ زیادت نقل کرنے والے باوجود ثقہ، حافظ اور ثبت ہونے کے قابل ملامت ہیں خواہ اسفا۔

لفظ کل کی تحقیق

بعض روایات میں (كَلَّمَ صَلَاةَ الْإِسْلَامِ) لفظ کل آیا ہے اور بہت سی روایات میں مقتدی کا یا خلف الامام کا ذکر نہیں ہے اور فریق ثانی کی طرف سے لفظ کل کے عموم کو لے کر ان سے استدلال کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے، بایں طور کہ گوان روایتوں میں صراحت کے ساتھ مقتدی پر سورہ فاتحہ کی قرأت نہیں سمجھی جاتی لیکن لفظ کل عام ہے جس سے ہر نماز مراد ہوگی، مقتدی کی نماز ہو یا منفرہ کی اگرچہ اصولی طور پر ہمارے ذمہ اس کی تحقیق ضروری نہیں ہے کیونکہ

سند کے لحاظ سے ایسی کوئی روایت صحیح نہیں ہے جس میں مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہو صرف سن کی بحث آپ پڑھ چکے ہیں اور لفظ خذاج وغیرہ کے ساتھ جو روایتیں مروی ہیں وہ کمزور اور ضعیف ہیں جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں اور سند کے لحاظ سے خذاج وغیرہ کی جو روایتیں زیادہ صحیح ہیں ان میں ثقافت، حفاظ اور ائمہ سے آذان یکون و داء الامام اور الوداء الزہام کی زیادت بھی مروی ہے جب اس زیادت اور استثناء کے بغیر خذاج اور کل کے الفاظ سے پیش کی گئی کوئی روایت صحیح نہیں ہے تو اصولی طور پر معنوی اور روایتی کلام کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے مگر ہم صرف تکمیل کتاب اور افادہ طلبہ کے لیے چند اقتباسات درج کرتے ہیں جن سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ گو لفظ کل اپنے لغوی مفہوم کے لحاظ سے عام ہے لیکن استعمال میں کل اور بعض کے لیے اور عموم و خصوص کے لیے برابر آتا رہتا ہے اور اگر وہ عموم و استغراق حقیقی کے لیے آتا ہے تو موقع اور محل اور داخلی و خارجی قرینہ کا محتاج ہوتا ہے اور اگر کہیں اضافی استغراق اور بعضیت کے لیے استعمال ہوتا ہے تب بھی قرینہ سے مستغنی نہیں ہو سکتا چند اقتباسات ہدیہ کئے جاتے ہیں بغور ملاحظہ کریں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک خاص موقع پر ارشاد فرماتا ہے۔ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جَبَلًا (پتہ ۳۰) کہ ان کو فتنہ چڑھائیوں کی ایک ایک جزو ہر پہاڑ پر رکھ دیں۔ ظاہر امر ہے کہ علیٰ کل جبل سے روئے زمین کے چھوٹے بڑے اور قریب و بعید کے سب پہاڑ مراد نہیں ہیں اور نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہمالیہ اور نانگا پربت وغیرہ کی چوٹیوں پر کو فتنہ چڑھائیوں کی بوٹیاں بلکہ قیمہ رکھنے کا تکلف کھٹرایا گیا تھا اس موقع پر بھی کل جبل سے بعض مراد ہیں جو بالکل قریب ہوں گے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے کفر و شرک اور دیگر معاصی کا ارتکاب کرنے والی قوموں پر بطور تنبیہ بعض آفاقی اور انفسی تکلیفیں مسلط کیں تاکہ وہ اپنی حرکات بازا آجائیں جب انہوں نے اثر پذیرگی کا ثبوت نہ دیا فتننا علیہم ابواب کل شیء (پتہ، انعام-۵) تو ہم نے ان پر ہر قسم کے دروازے کھول دیے قطعی بات ہے کہ بعض نعمتوں کے دروازے ان پر کھولے گئے ہوں گے نہ یہ کہ نبوت، رسالت اور مقبولیت درمنا وغیرہ کے دروازے بھی ان پر کھول دیے گئے تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ اور وادی غدیر ذی زبج کی مقبولیت کا ذکر یوں ارشاد فرماتا ہے
 يَجِي اِلَيْهِ شَكَاتُ كُلِّ شَيْءٍ (پتا رکوع) ہر قسم کے میوے و ماں پہنچائے جاتے ہیں ،
 آج کل کے اس دور ترقی میں بھی جب کہ مختلف طرق سے میوے خشک کر لیے جاتے ہیں اور
 سیر و سیاحت و نقل و حرکت کے اسباب فراوانی سے موجود ہیں ، سال کے بارہ مہینے مکہ مکرمہ میں
 پھل و پھل کی طرح کیلئے کیا ہر قسم کے میوے و ماں پہنچتے ہیں ، بلکہ بعض میووں کے نام تک سے اہل مکہ وقت
 نہ ہوں گے یہی کہا جائے گا کہ اس بے آب و گیاہ زمین میں ان کی روزی کا یہ سامان کیا گیا کہ بعض میوے
 بعض اکناف سے پہنچائے جاتے ہیں۔

۴۔ حضرت ہود علیہ السلام کی مجرم قوم پر اللہ تعالیٰ نے باد صرصر اور تیز و تند ہوا کے جھونکے
 بھیجے ثُمَّ كُلَّ شَيْءٍ رِيًّا (احقاف ۳۰) جو ہر چیز کو ہلاک کر گئے ، اور یہ بالکل عیاں ہے
 کہ زمین و آسمان وغیرہ کے علاوہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھی بھی تباہ نہ ہوئے تھے۔
 ۵۔ تورات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (رب، اعراف)
 کہ اس میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے ، یہ بات آشکار ہے کہ نہ تو واقعہ تورات میں ہر چیز کی تفصیل
 موجود تھی کہ زمین کا ایک ایک ذرہ اُس میں درج ہوتا اور نہ تو علوم و محارف کے لحاظ سے وہ سب
 احکام اس میں درج تھے جو قرآن کریم میں موجود ہیں ورنہ قرآن کریم کی تورات پر فوقیت اور
 مزیت کیا ہوگی۔

۶۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ
 شَيْءٍ اور تَبَيَّنًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کہ قرآن کریم ہر چیز کی تفصیل اور ہر چیز کا واضح بیان ہے
 یہ بالکل ٹھیک ہے کہ قرآن کریم میں عمائد و اعمال اخلاق و معاملات وغیرہ کے اصول اور قوانین
 وضاحت اور صراحت کے ساتھ درج ہیں لیکن نماز کی جملہ رکعات ، زکوٰۃ کا نصاب ، حج اطواف
 اور سعی وغیرہ کی تفصیل اور بیان قرآن میں نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کی شرح اور اس کی تفسیر
 حدیث شریف میں درج ہے اور صحیح حدیث بھی ویسے ہی منزل من اللہ ہے جیسے قرآن کریم۔
 حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے انعامات کو پیش نظر رکھ کر تحدیث بالنعمة کے
 طور پر فرماتے ہیں وَلَوْ تَبَيَّنَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (پل ، نمل ، ۲) اور میں ہر چیز دی گئی ہے۔ یہ

صحیح ہے کہ نبوت و رسالت، خلافت و سلطنت اور دیگر جو ساز و سامان ان کی شان کے لائق تھا وہ ان کو عطا کیا گیا تھا لیکن بے شمار اشیاء کے علاوہ نہ تو ان کو قرآن کریم عطا ہوا تھا اور نہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلالت شان اور ختم نبوت اور نہ آپ کے حضرات صحابہ کرام ان کو عطا ہوئے تھے؟

۸۔ ذوالقرنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اَتَيْنَاهُمْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا (پکا، کہتے) ہم نے اس کو ہر قسم کا سامان دیا تھا۔ یہ واضح کاف بات ہے کہ وہی سامان ان کو عطا ہوگا جو ان کے حال اور شان کے مناسب ہو گا نہ یہ کہ آج کل زمانہ سائنس کے آلات واسلحہ اور ہلاکت خیز اٹیم بم اور بائیو روجن بم وغیرہ بھی ان کو ملے تھے۔

۹۔ ملکہ سبا (بلیقیس) کے بارے میں ارشاد ہوا ہے وَأَوْتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ رِيبًا (سورہ نمل، ۲۰) کہ ہر چیز اس کو عطا کر دی گئی تھی۔ اس کو بہت کچھ بلا ہوگا، مگر نبوت و رسالت اور ملک سلیمان علیہ السلام تو ہرگز نہیں ملا تھا۔ بلکہ علامہ ذہبیؒ تو لکھتے ہیں کہ کیا بلیقیس کو مخصوص مردانہ عضو اور ڈاڑھی بھی مل گئی تھی؟ (تذکرہ جلد ۲ ص ۲۵۷) قرآن کریم کے ان اقتباسات سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ لفظ کُلِّ ہمیشہ اور ہر مقام پر کُلِّ ہی کے معنی میں نہیں آتا بلکہ عموم اضافی اور بعض کے لیے بھی آتا ہے ممکن ہے کسی کو تاہم کو یہ وہم پیدا ہو جائے کہ آخر میں پیش کردہ مقامات میں لفظ کُلِّ پر حرفِ مِینِ داخل ہے جو بعض کے لیے آتا ہے لہذا بعضیت تو حرفِ مِینِ ثابت ہوتی نہ کہ لفظ کُلِّ سے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ لفظ کُلِّ کو ہمیشہ اور ہر مقام میں عموم کے لیے نص قطعی سمجھتے ہیں ان کو حرفِ مِینِ کا بہانہ بھی مفید نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں مِینِ کُلِّ شَيْءٍ کا معنی یہ ہوگا کہ ہر چیز سے کچھ اور بعض ان کو عطا ہوا ہو۔ کیا یہ صحیح ہوگا کہ دنیا میں جتنے بھی مرد گئے ہیں یا موجود ہیں ہر ایک کی ڈاڑھی اور ہر ایک کی مونچھوں سے بلیقیس کو کچھ حصہ عطا ہوا تھا؛ اور کیا یہ صحیح ہوگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سورہ فاتحہ میں سے اور سورہ بقرہ میں سے وعلیٰ ذالقیاس قرآن کریم کی جملہ سورتوں میں سے کچھ کچھ ملا تھا؟ کون اس جھیلے میں پڑے، بہت سی چیزیں کہنے کی بھی نہیں ہیں سمجھ دار خود سمجھ سکتے ہیں کہ ہر ہر چیز سے کچھ اور بعض ملنے کا مفہوم کہاں تک وسیع ہے اور اس سے کیا کچھ مراد نہیں لی جاسکتی؟ اب آپ دو تین حدیثیں بھی ملاحظہ کر لیں۔

۱۔ اس مضمون کی ایک روایت آتی ہے کہ ایک مرتبہ ایسی سخت اور زیادہ بارش ہوئی کہ حصت کُلّ مشئی (بخاری جلد ۱ ص ۱۲ وغیرہ) اُس نے ہر چیز کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا کافی نقصان ہوا ہوگا لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور حضرات صحابہ کرامؓ و دیگر انسان اور جاندار بلکہ مدینہ طیبہ کے مکانات اور مسجد نبوی وغیرہ اس تباہی اور بربادی سے یقیناً محفوظ رہے تھے۔

۲۔ حضرت ابوسعید بن الخدریؓ کا بیان ہے کہ ایک موقع پر ہم ایک قوم کے جہان بنے مگر ان لوگوں نے ہماری ضیافت وغیرہ کی مطلقاً پرواہ نہ کی، خدا تعالیٰ کی قدرت کہ ان میں سے ایک بڑے سردار کو کوئی ذمہ لیا چیز ڈس گئی، انہوں نے اس پر جھاڑ پھونک کی ہر ممکن کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ فَسَعَوْا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ (بخاری ج ۱ ص ۳۴) وہ مجبور ہو کر ہمارے پاس آئے کہ تم میں کوئی جھاڑ پھونک (دم) کرنے والا ہے ہم نے کہا ہے چنانچہ ان سے کچھ بچیاں لیکر (جو تیس تیس تھیں بخاری ج ۱ ص ۳۹) بات طے ہوئی اُس پر سورۃ فاتحہ پڑھ کر پھونکی گئی تو باذن اللہ تعالیٰ وہ بالکل تندرست ہو گیا (ابن المنجد) ان صحابہ کرامؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیرت (چھاپہ رست) کی صورت میں ایک فوجی نمونہ بھیجا تھا جس میں تیس سورت تھے (راقطنی ص ۳۱۵) ان لوگوں نے اپنے سردار کو بچانے کے لیے ہر امکانی کوشش کی ہوگی لیکن سورۃ فاتحہ نہ ان کے پاس تھی اور نہ انہوں نے پڑھی کیونکہ بظاہر وہ کافر و مشرک تھے اور کُلّ شَيْءٍ کا ایک فرد سورۃ فاتحہ بھی ہے۔

۳۔ ایک حدیث اس مضمون کی آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کان یصومہ، کُلّہ (ترمذی جلد ۱ ص ۱۲ وغیرہ) یعنی سارے ماہ شعبان کے روزے رکھتے تھے، امام ترمذی نقل کرتے ہیں کہ دوسری احادیث کے پیش نظر حضرت امام عبد اللہ بن مبارکؒ نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ لفظ کُلّ سے مراد یہاں اکثر ہے یعنی آپ نے سارے ماہ شعبان کے روزے نہیں رکھے بلکہ اکثر ماہ کے روزے رکھے ہیں۔ اس قسم کی حدیثیں اگر نقل کی جائیں تو یقیناً آپ اکتا جائیں گے ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں، امام سرخسیؒ کہتے ہیں۔
وکلمۃ کل وہی تحتل الخصوص نحو کلمۃ من اھ اصول سرخسی جلد ۱ ص ۱۵
کہ کُلّ کا لفظ حرف من کی طرح خصوص کا استعمال رکھتا ہے علامہ محمد طاہر اور علامہ زبیدیؒ لکھتے ہیں کہ۔
قد يستعمل کل الموضوع للاحاطة بمعنى
البعض (مجمع البحار جلد ۳ ص ۲۲۷) و تاج
کبھی بعض کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے

اور مشہور لغوی علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ :-

وقد جاء بمعنی بعض مند - لفظ کل کبھی بعض کے معنی میں آتا ہے جو اضداد میں سے ہے۔ (القاموس جلد ۴ ص ۴۵)

اور علامہ زبیدی تحریر فرماتے ہیں کہ

وقد جاء استعماله بمعنی بعض - کل کا استعمال کبھی بعض پر بھی ہوتا ہے اور یہ (تاج العروس جلد ۸ ص ۱)

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ لفظ کل اگرچہ وضع تراحاط اور شمول کے لیے ہے مگر

اس کا استعمال کل اور بعض دونوں صندوقوں پر ہوتا رہتا ہے اور مشہور مفسر علامہ خازن لکھتے ہیں کہ لفظ کل لا تقتضی الشمول والنحاطة اور استعمال شمول اور احاطہ کو نہیں چاہتا۔

(تفسیر خازن جلد ۱ ص ۲۸۶)

اور ملا جیون لکھتے ہیں کہ

و کلمة کل یجمل الخصوص (نور الانوار ص ۸) کہ کلمہ کل خصوص کا احتمال رکھتا ہے۔

اور فرقی ثانی کو بھی اس کا اقرار ہے کہ لفظ کل اکثر کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے و مثله قول القائل

ان الشواخيرة طری . کل ذاك لیفعل الوصی

(پرچہ اہل حدیث یکم ذوقعدہ ۱۳۴۷ھ)

اور مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں۔ والمراد بالکل اکثر وهو مجاز قلیل الاستعمال

(تحفة الاحوذی جلد ۲ ص ۵۱) کہ لفظ کل سے مراد (یہاں) اکثر ہے اور لفظ کل کا اکثر کے

معنی میں استعمال مجازی ہے اور کم استعمال ہوتا ہے اتنی بات تو مبارکپوری صاحب کو بھی مسلم ہے

کہ لفظ کل سے کسی موقع اور محل پر مجازاً اکثر کا معنی بھی مراد لی جاسکتی ہے اور عموم کے معنی میں

یہ نص قطعی نہیں ہے لیکن اس کا اقرار کرتے ہوئے بھی ساتھ قلیل الاستعمال کا پیوند جوڑتے

ہیں۔ ہم نے چند مواقع قرآن کریم اور حدیث شریف سے صرف بطور نمونہ عرض کئے ہیں۔

اور اگر اس کے باوجود بھی یہ قلیل الاستعمال اور شاذ ہے تو شاید مبارکپوری صاحب اور ان کے

اتباع کا قلیل الاستعمال اور کثیر الاستعمال الفاظ کے لیے قاعدہ اور اصطلاح ہی جدا ہوگی۔

۴ رکھ لیا ہے نام اس کا آسمان تحریر میں

مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ان مثالوں میں یہ لفظ مجازی طور پر بعض کے لیے مستعمل ہے نہ یہ کہ اس کے اصلی اور حقیقی معنی ہی بدوں قرینہ یہ ہیں (محصلاً ص ۲۰۳)

الجواب :- ہم نے بھی تو یہی کہا ہے کہ لفظ کل اصل میں شمول اور احاطہ کے لیے ہے مگر احتمال کے لحاظ سے عموم و خصوص دونوں کا احتمال رکھتا ہے اور خصوص کی مثالیں یہ ہیں اس لیے کہ کل شمول یہاں خصوص کے لیے ہے جہاں یہ صفت ہو جیسے کلمہ جو الملائکۃ کی صفت ہے تو وہاں عموم کے لیے ہے وہاں تخصیص کا احتمال بند ہے لہذا نور الانوار کا حوالہ مولف مذکور کو مفید نہیں ہے اور زیر بحث حدیث میں لفظ کل صفت نہیں ہے اس لیے خصوص کے لیے ہے۔

تیسری روایت :- جلد اول بحث سکتات اہم میں فریق ثانی کی بعض روایات پر کلام ہو چکا ہے اور بحث خداج میں متعدد حدیثیں نقل کر کے ان پر بسو طرح عرض کی جا چکی ہے گو کہ اس روایت کا درجہ تیسرا ہے مگر حقیقت میں اس کا نمبر پندرہ، سولہ سے کم نہ ہو گا ہم نے محض سہولت کی بنا پر نمبر شماری کا یہ سلسلہ اختیار کیا ہے، محمد بن اسحاق، مشکوٰۃ، مسند احمد، مسند ابی یوسف اور وہ مجموعہ ابن ربیع سے اور وہ حضرت عبادہ بن الصامتؓ سے وہ فرماتے ہیں۔

کہ صبح کے وقت ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و	کنا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ قرأت	فی صلوة الفجر فقرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
کر رہے تھے آپ پر قرأت ثقیل ہو گئی، جب آپ	وسلم فقلت علیہ القراءة فلما فرغ قال
فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم اہم کے پیچھے قرأت	لعلکم تقرؤن خلف اما مکم قلنا
کرتے ہو؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم جلدی	نعم هذا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
جلدی پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہر سورۃ فاتحہ	وسلم قال لا تقبلوا الا بفتح الکتاب
پڑھا کرو کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور	فانہ لا صلوة لمن لم یقرأ بہا۔
کچھ بھی نہ پڑھو۔	(ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۱۹)

یہ روایت اسی پیش کردہ سند کے ساتھ ترمذی جلد ۱ ص ۱۱۹، دارقطنی ص ۱۲، مستدرک جلد ۱ ص ۲۳۸، جزا القراءۃ ص ۳۶، معجم صغیر ص ۱۳۳، للطبرانی اور سنن الکبریٰ

جلد ۲ ص ۱۶۴ وغیرہ میں موجود ہے اور نسائی جلد ۱ ص ۱۰۶ کی سندوں سے عن نافع بن محمود بن ربیعۃ عن عبادۃ بن الصامت الخ اور البوداؤد جلد ۱ ص ۱۱۹ کی ایک سندوں سے عن مکحول عن نافع بن محمود بن ربیع الخ اور دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۱ و سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۶۴ و ص ۱۶۵ میں بھی یوں ہی سند موجود ہے، اس حدیث کی سند کے مرکزی روایت یہی ہیں جن کا ذکر ہوا ہے کسی سند میں سب اکٹھے آجاتے ہیں اور کسی میں ان کی اکثریت اور کسی سند میں ان میں سے کوئی نہ کوئی آجاتا ہے۔

جواب :- فریق ثانی کا اس روایت سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے اور چونکہ یہ روایت ان کے دعویٰ کے لیے صریح دلیل ہے کیونکہ اس میں خلف الامام اور سورۃ فاتحہ کی خاص قید موجود ہے اور شاید اسی صریح روایت کے سہارے پر انہوں نے تمام دنیا کے اصناف کو کھلا چیلنج کیا ہے اور غالباً ان کا یہ دعویٰ کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے کالعدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے (بلفظہم) اس حدیث اور اس مضمون کی دوسری حدیثوں پر یہی ہے اس لیے ہمیں اس پر قدرے تفصیل سے کلام کرنے کی اجازت دے دیجئے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سامنے آجائے ہم نے جو باتیں اس حدیث کے سلسلہ میں عرض کرنی ہیں وہ یہ ہوں گی۔

۱۔ محمد بن اسحاق پر کلام۔ (۲) مکحول کا معیاری ثقہ نہ ہونا اور نیز اس کا مدلس ہونا اور یہ کہ نہ تو ان سے کسی صحیح سند سے تحدیث ثابت ہے اور نہ کوئی ثقہ تابع موجود ہے جس کی سند بھی صحیح ہو (۳) نافع بن محمود جھول ہے (۴) روایت میں اضطراب موجود ہے (۵) یہ روایت موقوف ہے مرفوع نہیں ہے (۶) ابوالقرآن کی استثنا ضعیف ہے (۷) لفظ خلف الامام مدرج ہے (۸) بنا بر صحت خلف الامام کا معنی کیا ہے؟ آسانی اور سہولت کے لیے ہم ان آٹھ شقوں کو جواب تصور کرتے ہیں۔ لہذا آٹھ جواب آپ ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا جواب :- محمد بن اسحاق کو گو تارسخ اور مغازی کا امام سمجھا جاتا ہے لیکن محدثین اور ارباب جرح و تعدیل کا تقریباً پچانوے فیصدی گروہ اس بات پر متفق ہے کہ روایت حدیث میں اور خاص طور پر سنن اور احکام میں ان کی روایت کسی طرح بھی حجت نہیں ہو سکتی اور اس لحاظ سے ان کی روایت کا وجود اور عدم بالکل برابر ہے، تصریحات ملاحظہ کریں۔

امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں ہے (ضعفاء صغیر ص ۵۲) ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (کتاب العلل جلد ۱ ص ۲۳۳) ابن نمیرؒ یہ کہنے کے بعد بھی کہ جب وہ معروف راویوں سے روایت کرے تو حسن الحدیث اور صدوق ہے یہ بھی تصریح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ مجہول روایت سے باطل روایات نقل کرتا ہے (بخاری جلد ۱ ص ۲۲۷) دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ (ایضاً جلد ۱ ص ۲۳۳) سلیمان تمیمیؒ کہتے ہیں کہ وہ کذاب، ہشام بن عروہؒ کہتے ہیں کہ وہ کذاب ہے، امام جرح و تعدیل یحییٰ قطانؒ کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ کذاب ہے (میزان جلد ۲ ص ۲۱) وریب بن خالدؒ اس کو کاذب اور جھوٹا کہتے ہیں (تذیب التذیب جلد ۹ ص ۵۵) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ دجالوں میں ایک دجال تھا (میزان جلد ۲ ص ۲۱) و تذبذب التذبذب جلد ۹ ص ۵۴) نیز امام امام مالکؒ نے اس کو کذاب کہا ہے (بخاری جلد ۱ ص ۲۳۳) جریر بن عبد الحمیدؒ کا بیان ہے کہ میرا یہ خیال نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک زندہ رہوں گا جس میں لوگ محمد بن اسحاقؒ سے احادیث کی سماعت کریں گے (تذیب التذیب جلد ۲ ص ۲۱) ابو زرہؒ کا بیان ہے کہ جلال ابن اسحاقؒ کے بارے میں بھی کوئی صحیح نظریہ قائم کیا جاسکتا ہے؟ وہ تو محض ہیچ تھا (توجیہ النظر ص ۲۸) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ محدثین اور

سے تقریب النواوی میں ہے واذ قالوا متروک الحدیث او واہیہ او کذاب فہو ساقط لا یتکتب حدیثہ ص ۲۳۳) کہ جب محدثین کسی راوی کے بارے میں متروک الحدیث یا واہی الحدیث یا کذاب کہتے ہیں تو وہ ساقط الاعتبار ہوتا ہے اس کی روایت لکھی بھی نہیں جاسکتی اور اس کی شرح تدریب الراوی میں لکھا ہے کہ وان یتدبر بلہ ولا یتستہمد ص ۲۳۳) ایسے راوی کی حدیث کو اعتبار و متابعت اور شاہد کے لیے بھی پیش نہیں کیا جاسکتا لیکن انہوں نے کہ فرقی مخالف نہ صرف یہ کہ اس سے استدلال کرتا ہے بلکہ اس کے بل بوتے پر مسلمانوں کی اکثریت کی نماز کو باطل، بیکار اور کالعدم قرار دینے کا ادھار کھائے بیٹھا ہے۔ ترجمان الحدیث ماہ ستمبر ۱۹۷۲ء ص ۲۱ تا ۲۳ وغیرہ میں محمد بن اسحاقؒ کی توثیق پر ادھر ادھر کے چند حوالے نقل کر کے خاصاً زور صرف کیا ہے لیکن ائمہ جرح و تعدیل کی اس کڑھی جرح کا کہ محمد بن اسحاقؒ کذاب ہے کوئی جواب نہیں دے سکے اور نہ اس کا جواب دے سکے ہیں کہ احکام و سنن میں ان کی روایت محبت نہیں ہے باقی جن حضرات نے ان کو صدوق اور حسن الحدیث وغیرہ کہا ہے تو وہ تاریخ اور مغازی وغیرہ سے متعلق ہے نہ کہ بنیادی احکام اور سنن وغیرہ سے۔

حفاظ حدیث ابن اسحاق کے تفردات سے گریز کرتے ہیں (سنن الکبریٰ بحوالہ الجوہر النقی جلد ۱۵۵) علامہ ماروینی لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق میں محدثین کے نزدیک مشہور کلام ہے (الجوہر النقی جلد ۱۵۵) عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد امام احمد بن حنبلہ لہ یکن یحییٰ بہ فی السنن (بغدادی جلد ۱ ص ۲۳) و تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۲۴۴) سنن اور احکام میں وہ ان سے اختلاج نہیں کرتے تھے حنبلہ بن اسحاق کا بیان ہے کہ امام احمد بن حنبلہ نے فرمایا ابن اسحاق لیس بجحدہ (بغدادی جلد ۱ ص ۲۳) و تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۲۴۴) ابن اسحاق حجت نہیں ہے، ابو بکر بن اسحاق کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد سے دریافت کیا ابن اسحاق جب کسی حدیث کے بیان کرنے میں متفرد ہو تو اس کی حدیث حجت ہوگی؟ قال لا والله (بغدادی جلد ۱ ص ۲۳) فرمایا بخدا ہرگز نہیں، ابن ابی خیمہ کا بیان ہے کہ ابن معین نے اس کو لیس بذالك، ضعیف اور لیس بالقوی کہا میمون کا بیان ہے کہ ابن معین نے اس کو ضعیف کہا ہے (بغدادی جلد ۱ ص ۲۳) و تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۲۴۴) علی بن المدینی کا بیان ہے لہ یضعفہ عندی الا روایتہ، عن اہل الکتاب (تہذیب جلد ۹ ص ۲۴۵) میرے نزدیک ابن اسحاق کو صرف اس بات نے ضعیف کر دیا ہے کہ وہ یہود اور نصاریٰ سے روایتیں لے لے کر بیان کرتا ہے۔ مشہور اور قدیم مؤرخ علامہ ابوالفرج محمد بن اسحاق بن ندیم (المتوفی ۳۸۵ھ) اپنی کتاب الفہرست میں محمد بن اسحاق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :-

مطعون علیہ غیر مرضی الطریقتہ
الی ان قال وكان یحل عن الیہود والنصارا
ولیسیمہم فی کتبہم اہل العلم الاول و
اصحاب الحدیث یضعفونہ ویہتمونہ
(الفہرست لابن التدیہ ص ۱۲۲ طبع مصر)
اس پر طعن کیا گیا ہے اور اس کا طریقہ ناپذیرہ
تھا (پھر آگے فرمایا۔ کیونکہ) وہ یہود اور نصاریٰ سے
روایات لیتا تھا اور اپنی کتابوں میں ان کو پہلے علم
دولے کہا کرتا تھا اور اہل حدیث اس کو ضعیف
کہتے ہیں اور اس کو مستحکم قرار دیتے ہیں۔

امام ترمذی لکھتے ہیں کہ بعض محدثین نے ابن کے حافظ کی خرابی کی وجہ سے اس میں کلام کیا ہے
(کتاب العلل جلد ۲ ص ۲۳) امام نووی لکھتے ہیں کہ جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں ہیں۔
ان میں ایک محمد بن اسحاق بھی ہے (مقدمہ نووی ص ۱۶) علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق

کی روایت درجہ صحت سے گری ہوئی ہے اور حلال و حرام میں اس سے احتجاج درست نہیں ہے
 (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۶۳) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں ابن اسحاقؒ احکام کی روایات میں حجت نہیں ہے۔
 خصوصاً جب کہ متفق ہو اور جب کرتی ثقہ راوی اس کے خلاف روایت کرتا ہو تو ابن اسحاقؒ کی روایت
 قابل توجہ ہی نہیں ہو سکتی (درایہ ص ۱۹۱) حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ نے ابن اسحاقؒ کی روایت
 کو منکر کہا ہے اور اس کو ضعیف بتایا ہے (زاد المعاد جلد ۱ ص ۱۲۳) علامہ منذریؒ اور حافظ سخاویؒ لکھتے
 ہیں کہ امام احمدؒ نے فرمایا مغازی میں ابن اسحاقؒ کی روایات تو کھسی جاسکتی ہیں لیکن جب حلال و حرام
 کا مسئلہ ہو تو اس میں ایسے ایسے راوی (یعنی ثقہ اور ثبت) درکار ہیں (الترغیب والترہیب جلد ۴
 ص ۲۹) وفتح المغیث ص ۱۲) قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ ابن اسحاقؒ لیس بحجة لا سیما اذا عنعن
 (نیل الاوطار جلد ۱ ص ۲۳۲) ابن اسحاقؒ کی روایت حجت نہیں ہے خصوصاً جب کہ وہ عنفہ
 سے روایت کرتا ہو تو اب صدیقی حسن خان صاحبؒ ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ در سندش نیز
 ہاں محمد اسحاقؒ است و محمد بن اسحاقؒ حجت نیست (دلیل الطالب ص ۲۳۹) حضرت مولانا شیخ المنذریؒ
 احسن صاحبؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) نے (ایضاح الادلة ص ۷۵) میں ابن اسحاقؒ پر سیر حاصل کلام کیا ہے
 اور ان تمام رکیک اور ضعیف تاویلوں کے دندان شکن جوابات دیے ہیں جو اس کو ثقہ قرار دینے کے
 لیے اختیار کی گئی ہیں طلبہ ضرور اس کا مطالعہ کریں۔ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ شاید ہی جرح کا کوئی
 ادنیٰ سے اعلیٰ تک ایسا لفظ ملے گا جو جمہور محدثینؒ اور ارباب جرح و تعدیل نے محمد بن اسحاقؒ کے بارے
 میں نہ کہا ہو عند محمد بن اسحاقؒ فریق ثانی کے نزدیک ثقہ ہے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ
 ضعیف ہیں (بد و الاہلہ ص ۲۳۵) فواہی ص ۱۰۸۔ حافظ ابن حجرؒ نے نہایت ضعیف اور رکیک
 تاویلیں کرنے کی بے جا سعی کی ہے تاکہ ابن اسحاقؒ کو قابل اعتبار بنانے کی کوشش کامیاب ہو
 سکے مثلاً یہ کہ سلیمان تیمیٰ امہ جرح و تعدیل میں نہ تھے اور امام مالکؒ نے اپنے الفاظ سے رجوع کر
 لیا تھا وغیرہ وغیرہ مگر یہ سب کوشش بیکار اور کالعدم ہے۔ اگر بالفرض سلیمان تیمیٰ امہ جرح و تعدیل
 میں نہ تھے تو کیا ہشام بن عروہؒ، امام الحرمینؒ، امام القطانؒ، وہیب بن خالدؒ، امام احمدؒ
 بن حنبلؒ، یحییٰ بن معینؒ، علی بن المدینیؒ، جریر بن عبد الحمیدؒ، امام نسائیؒ، حطیبؒ، ابن نمیرؒ، دارقطنیؒ
 ابو زرہؒ اور علامہ ذہبیؒ وغیرہ بھی امہ جرح و تعدیل میں نہیں ہیں؟ اور کیا ان سب نے ان

صریح الزامات سے رجوع کر لیا ہے؟ باقی امام مالک کا رجوع کرنا بھی محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے خطیب لکھتے ہیں امام کلام مالک فی ابن اسحاق فمشہور وغیر خاف علیٰ احد من اهل العلم بالحديث (ریغدادی جلد ۱ ص ۲۲۴) امام مالک نے ابن اسحاق میں کلام کیا ہے وہ کسی بھی ایسے شخص سے مخفی نہیں ہے جس کو فن حدیث کا علم حاصل ہے امام ابن الجوزی کنبلی (المتوفی ۵۹۰ھ) اپنی کتاب الموضوعات میں لکھتے ہیں کہ۔

بہر حال محمد بن اسحاق مجروح ہے اس کے جھوٹا ہونے کی امام مالک نے سلیمان تیمی، وہیب بن خالد، ہشام بن عروہ اور یحییٰ بن سعید القطان نے گواہی دی ہے، اور امام ابن المدینی فرماتے ہیں کہ وہ جھوٹے روایوں سے باطل حدیثیں بیان کرتے ہیں۔

امام محمد بن اسحاق مجروح شہد یکذبہ مالک و سلیمان التیمی و وہیب بن خالد و ہشام بن عروہ و یحییٰ بن سعید و قال ابن المدینی یحدث عن المجہولین بأحادیث باطلہ (نصب الرأیہ جلد ۲ ص ۱۲۸)

اس سے ثابت ہوا کہ اس شدید قسم کی مفسر جرح سے رجوع کا ثبوت امام ابن جوزی کے علم میں نہیں ہے اور امام بیہقی لکھتے ہیں کہ :-

امام مالک اس کو درجے روایت (پند نہیں کرتے تھے اور یحییٰ بن سعید القطان اس سے روایت نہیں لیتے تھے اور ابن مہین فرماتے ہیں کہ وہ حجت نہیں اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اس سے مغازی کی حدیثیں تو لکھی جاسکتی ہیں لیکن حلال و حرام کی روایتوں میں ہم قوی روایوں کو تلاش کریں گے پس جب حلال و حرام میں ابن اسحاق کی روایت حجت نہیں تو صفات اللہ تعالیٰ میں بطریق اولیٰ اس کی روایت حجت نہیں ہو سکتی اور محدثین نے اس پر جو عیب لگایا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اہل کتاب کے روایت کرتے ہیں اور ضعیف قسم کے لوگوں سے بھی روایت

وکان مالک بن النسر لا یرضاه و یحییٰ بن سعید بن القطان لا یروی عنہ و یحییٰ بن معین یقول لیس ہو بحجۃ و لہم بن حنبل یقول یکتب عنہ هذا الاحادیث اعنی المغازی فاذا جأ الحلال والحرام اردنا قوما ہکذا یرید اقوامی منہ فاذا کان لا یحج بہ فی الحلال والحرام فاوی ان لا یحج بہ فی صفات اللہ سبحانہ و تعالیٰ وانہا نقموا علیہ فی روایتہ عن اهل الکتاب ثم عن متعاء الناس و تالیس اسمیہم فاذا روی عن ثقتہ و بیان

سماعہ، منہ فی جماعة من الائمة لہ
یرواہ یأسا ہ
کتاب الاسماء والصفات ص ۲۹
کرآ ہے اور ان کے ناموں میں تدریس سے کام لیتے
پس جب وہ ثقہ سے روایت کرے اور سماع کی تصریح
بھی کرے تو ائمہ کی ایک جماعت اس میں مضائقہ
نہیں سمجھتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام احمد نے ابن اسحاق کو جو حسن الحدیث کہا ہے تو مغازی وغیرہ کی حدیثوں
سے متعلق کہا ہے نہ کہ احکام اور حلال و حرام کی حدیثوں کے بارے میں اور علامہ ذہبی نے سفیان بن
حسین کے ترجمہ میں نقل کیا ہے کہ لایحتاج بہ کتبہ و محمد بن اسحاق یعنی محمد بن اسحاق کی طرح
اس سے بھی احتیاج درست نہیں ہے اور کتاب العلویں اس کو صاحب مناکیر وغزالی بتایا ہے
انکہ صرح و تعدیل نے ان میں جو کلام کیا ہے وہ فن روایت کے رُوسے ہے اور محض دیانتہ ہے اس
کو حالت غصہ پر حمل کرنا جیسا کہ مولف خیر الکلام نے ص ۱۹۵ میں کیا ہے صرف رقم کہانی ہے اور ص ۱۹۹ و
ص ۲۰۰ میں بحوالہ تحفۃ الاحوذی جلد ص ۲۵۳ وغیرہ رجوع کے لیے جو قصہ نقل کیا ہے اس سے ان کا امر
رجوع ہرگز ثابت نہیں ہوا محض کثیر ہے ہاں بعد کے محدثین نے اپنے ظن اور تخمینہ سے رجوع پر
حمل کیا ہے۔ مگر یہ ان کی اپنی صوابدید ہے مولف خیر الکلام کا ص ۲۱۱ میں امام مالک اور یحییٰ بن سعید
کی جرح کو مفسر قرار دینا اور باقی حضرات کی جرح کو مبہم کہہ کر گلو خلاصی کہ نامحض تکلمین قلب کا سامان ہے
غرضیکہ ان تمام حضرات کی جرح مفسر کڑی اور شدید ہے اور کسی کا تاریخی طور پر صراحت کے ساتھ رجوع
ثابت نہیں ہے مولف خیر الکلام کا ص ۲۱۲ میں یہ لکھنا کہ محمد بن اسحاق پر ایک الزام اہل کتاب سے روایت
لینا بھی ہے حالانکہ اہل کتاب سے روایات لینا کوئی جرم نہیں تو ان کی بے خبری اور غفلت کی
واضح دلیل ہے کہ وہ مطلقاً اہل کتاب کی روایت کو جائز سمجھتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب
تو یہ لکھتے ہیں کہ :-

اقوال الروایة عن اهل الکتاب تجوز فیما سبیلہ
سبیل الاعتبار و حیث یکون الامن عن الاختلاط
فی شرایع الدین ولا تجوز فیما سوی ذالک۔
میں کہتا ہوں کہ اہل کتاب سے روایت الیہ معاملات میں
جہاں عبرت مظلوم ہو اور جہاں دین کے احکام میں اختلاط
واقع نہ ہوتا ہو درست ہے، اور اس کے علاوہ ان سے
روایت جائز نہیں ہے۔
(حجة الله البالغة جلد اول ص ۱۶۱)

اور اسی لیے امام المدینی نے اس کو ضعیف کہا ہے کہ وہ اہل کتاب کے روایت کرتا ہے جیسا کہ تہذیب التہذیب کے حوالہ سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے، مؤلف خیر الکلام نے جن بعض ائمہ کی بسند ابن اسحاق توشیح نقل کی ہے تو وہ مسلم ہے مگر وہ صرف تاریخ اور مغازی وغیرہ کے بارے میں نہ کہ صفات اللہ، حلال و حرام، احکام اور سنن کے بارے میں اور مغازی میں وہ ثقہ بھی ہیں اور امام بھی اس میں نزاع نہیں ہے اور بلاشک حافظ ابن ہمام اور علامہ عینی وغیرہ نے محمد بن اسحاق کی توشیح کی ہے مگر ائمہ جرح و تعدیل کی کڑی اور سنگین جرح کے مقابلہ میں ان کی توشیح مسلم نہیں ہے۔ فریق ثانی کے شیخ الكل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی (المتوفی ۱۳۲۰ھ) لکھتے ہیں کہ۔ اور ضعیف کہنا غزالی کا اور ربیانی کا اور دہلوی کا اور صاحب ہدایہ کا اور شیخ ابن الہمام کا اور بعض مالکیوں کا حدیث کو ضعیف نہیں کر دیتا کیونکہ یہ لوگ مقلدین ہیں ائمہ جرح و تعدیل میں سے تیس ہیں الی ان قال اب رباح ضعیف کہنا ابن عبد البر کا اور ابوداؤد کا اور علی بن المدینی کا، سوالبتہ جرح ان کا پایہ اعتبار میں ہے لیکن اگر با بیان سبب اور بادل ہو تو معتبر ہے درزبے بیان سبب ان کا جرح بھی مقبول نہیں ہونے کا الخ (معیار الحق ص ۲۴۲) اور مولانا محمد عبداللہ صاحب روپڑی (المتوفی ۱۳۰۰ھ) لکھتے ہیں کہ جرح تعدیل تاریخ کی قسم سے ہے اور تاریخ اس وقت کے لوگوں کی معتبر ہوتی ہے پچھلے لوگ نقل ہوتے ہیں اس لیے پہلے لوگوں کے خلاف کسی کی جرح تعدیل کا اعتبار نہیں اس کے لیے مقدمہ ابن الصلاح کا مطالعہ مفید رہے گا۔ انشاء اللہ اللہ (مودودیت اور احادیث نبویہ ص ۹) رہا محمد بن اسحاق کا مدلس ہونا تو یہ سب کے نزدیک مسلم ہے چنانچہ علامہ مہشمی، حافظ ابن حجر، قاضی شوکانی، نواب صدیق حسن خاں، مولانا شمس الحق عظیم آبادی اور مبارکپوری صاحب وغیرہ کو اس کا صاف اقرار ہے۔ دیکھئے جمیع الزوائد جلد ۱۵ و تقریب ص ۳۱۳، نیل الاوطار جلد ۴ ص ۴۳، دلیل الطالب ص ۲۳۹، تعلیق المتعنی جلد ۱ ص ۱۲، ابکار المن ص ۴۵ و تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۹

اعتراض :- مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاق ثقہ ہے اور دلائل یہ ہیں۔
 (۱) امام بخاری اس کو ثقہ کہتے ہیں (۲) امام شعبہ اس کو امیر المحدثین کہتے ہیں (۳) ابن مدینی اور احمد بن حنبل وغیرہ اس کو ثقہ کہتے ہیں (۴) اگر یہ ثقہ نہیں تو احادیث اذان، قطع شترقہ اور تعجیل افطار میں ابن اسحاق کی روایتوں سے احتجاج کیوں کرتے ہیں (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۶۱ محصلہ)

جواب :- مبارکپوری صاحب کے یہ جملہ اعذار بار دہونے کے سبب مطلقاً قابل التفات نہیں ہیں ہر شق کا جواب سنئے (۱) ایسے کذاب اور دجال راوی کے بارے میں امام بخاری وغیرہ کی رائے کیا وقعت رکھتی ہے؟ خصوصاً جب کہ امام بخاری نے ابن اسحاق کا زمانہ نہیں پایا اور ہشام بن عروہ امام مالک اور یحییٰ القطان وغیرہ اس کا زمانہ پانے والے انتہائی سنگین الزام اس پر عائد کرتے ہیں اور یہ بڑے محتاط اور عارف باہباب المرحوم بھی ہیں۔ علاوہ بریں اگر واقعی محمد بن اسحاق ثقہ ہے تو حضرت امام بخاری نے باوجود اشد ضرورت کے صحیح بخاری میں اس سے احتجاج کیوں نہیں کیا؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

یہ حضرت امام بخاری وغیرہ کی ذاتی رائے ہے حق وہی ہے جو جمہور نے کہا ہے چنانچہ نواب صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں جمہور اہل اسلام کے نزدیک ایسی حدیث سے جو حسن ہو احتجاج صحیح ہے لیکن امام بخاری حدیث حسن سے احتجاج کے قابل نہیں ہیں آگے نواب صاحب لکھتے ہیں والحق ما قالہ الجمہور (دلیل الطالب ص ۸۲) حق بات صرف وہی ہے جو جمہور نے کہی ہے قاضی شوکانی نے بھی امام بخاری اور ابن العربی کا یہ مسلک نقل کر کے آگے لکھا ہے والحق ما قالہ الجمہور (رسائل الوداع جلد ۱ ص ۲۲) کہ حق وہی ہے جو جمہور نے کہا ہے (۲) امام شعبہ کی بات اگر محمد بن اسحاق کے بارے میں محبت ہے تو جابر جعفی و حوارة خلف الامام ہی کی ایک روایت کا راوی ہے مگر ہم نے اس سے احتجاج نہیں کیا، کے بارے میں کیوں محبت نہیں ہے؟ امام شعبہ ان کو بھی ثقہ کہتے ہیں دکناب التقررة ص ۱۰۰ میزان جلد ۱ ص ۱۶، تہذیب جلد ۲ ص ۲۰۶ و توجیہ النظر ص ۲۹۱ وغیرہ علاوہ بریں مبارک پوری صاحب کے نزدیک امیر المحدثین ہونے سے تشریح کیسے لازم آتی ہے؟ مبارک پوری صاحب تو لکھتے ہیں کہ علامہ تاج الدین نے ابو طاہر فقیہ کو گو شیخ، ادیب، عارف اور امام المحدثین والفقہاء لکھا ہے۔ قلت لادلالہ فی ہذا علی کونہ ثقہ قابلاً للاحتجاج (تحفۃ الاحوزی جلد ۱ ص ۵۵) لیکن میں کہتا ہوں کہ امام المحدثین والفقہاء ہونے سے یہ کیسے لازم آیا کہ وہ ثقہ اور قابل احتجاج بھی تھے، محقق نیبوی نے ابو عبد اللہ فرجیہ دیوزنی کو کبار محدثین میں لکھا ہے مبارک پوری صاحب ان پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فان مجرد کونہ من کبار المحدثین لا یتلزم ان کے صرف کبار محدثین میں ہونے سے یہ کیسے لازم

کو نہ ثقہ (انتہی بلفظ تحفۃ الاحوذی جلد ۲) آیا کہ وہ ثقہ بھی تھے؟

مبارک پوری صاحب ہی ازراہ بزرگی و انصاف فرمائیں کہ جن کے بارے میں جرح کا ایک لفظ بھی موجود نہ ہو اور علامہ تاج الدین سیکی وغیرہ جیسے اہم اور ثقہ علم ان کو اہم المحدثین اور کبار المحدثین کہیں مگر محدثانہ ان کی ثقاہت ثابت نہ ہو سکے اور محمد بن اسحاق کو ائمہ جرح و تعدیل کذاب اور دجال تک کہتے ہوں تو اس کے (بقول اہم شعبرہ) امیر المحدثین ہونے سے اس کی ثقاہت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟

ٹھوکر میں مت کھائیے چلے سنبھل کر دیکھ کر چال سب چلتے ہیں لیکن بندہ پروردیکھ کر

(۳) اہم ابن ہدیسی اور اہم احمد بن حنبلہ وغیرہ کو مطلقاً ابن اسحاق کے موثقین میں شامل کرنا انتہائی غفلت اور طبقات روایت سے بے خبری پر مبنی ہے باحوالہ ان کے اقوال نقل کے بجلیچکے ہیں کہ یہ بھی ابن اسحاق کو مجروح اور ضعیف قرار دیتے ہیں لہذا ان کا ذکر مطلقاً محدثین میں جہالت پر مبنی ہے اہم نووی فرماتے ہیں کہ اگر جرح و تعدیل کا تعارض ہو اور جرح امر خفی پر مطلع ہو چکا ہو جس کی اطلاع معدل کو نہیں تو جرح تعدیل پر مقدم ہے اور یہی محققین اور جمہور کا مختار ہے (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۱) اور نیز وہ کہتے ہیں کہ فانہم متفقون علی انہ لا یخرج بالضعیف فی الاحکام (ایضاً) یعنی محدثین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ ضعیف راوی سے احکام میں احتجاج و استدلال کرنا درست نہیں ہے اور ابن اسحاق پر جرح مفسر اور یا بیان سبب اور یہ روایت احکام شرعیہ میں سے ایک حکم سے متعلق ہے اور جہی تو فریق ثانی احناف کی نماز کو بیکار باطل اور کالعدم قرار دے کر اعاذ اللہ تعالیٰ ان کو فی السقر پہنچانے کا اُدھار کھائے بیٹھا ہے اور جلیج دیتا ہے اندر میں حالات ابن اسحاق کی روایت کی کیا وقعت ہے؟

(۴) علماء احناف نے اذان، قطع سرقہ اور تعجیل افطار وغیرہ کے بارے میں اگر محمد بن اسحاق سے استدلال کیا ہے تو کیا صرف استدلال ہی کیا ہے یا فریق ثانی کو مباہلہ اور مضدین عمل ہونے کا جلیج بھی کیا ہے؟ اور کیا محمد بن اسحاق کی روایات کو لے کر تمام روئے زمین کے غیر مقلدوں پر اشتہاری رعب بھی قائم کرنے کی کوشش کی ہے؟ اور کیا یہ کہا ہے کہ فریق ثانی کا فلاں فلاں عمل ناقص اور بیکار باطل اور کالعدم ہے؟ اگر محمد بن اسحاق جیسے ضعیف اور کمزور راوی کی روایت کو احناف نے دلیل بنا کر ایسا کیا ہے تو خطا کی ہے اور کیا احناف نے محمد بن اسحاق کی روایت کو نص قرآنی اور

صحیح احادیث کے خلاف حجت سمجھا ہے اگر احناف نے اس کی روایت کو کسی موقع پر بطور حجت بھی پیش کیا ہو تو یقین جانتے کہ تمام روئے زمین کے غیر مقلدین کو لٹکارا اور کھلا چیلنج بھی ہرگز نہ کیا ہوگا اور نہ حلفیہ طور پر ان کو بے عمل کہا ہوگا؛ انصاف شرط ہے باقی جو حدیثیں مبارکہ پوری حساب نے ہماری دلیلیں تصور کر لی ہیں ان کی کوتاہ فہمی ہے ہم سے پوچھئے کہ ان مسائل میں ہمارے پاس کون سی حدیثیں موجود ہیں پھر آپ کو کچھ کہنے کا حق ہے۔ یہ کاوشیں بے سبب ہیں کیسی کہ درتوں کی کچھ انتہا بھی زبان رکھتے ہیں ہم بھی آخر کبھی تو پوچھو سوال کیا ہے مسئلہ اذان :- علماء احناف کی یہ تحقیق ہے کہ اذان بھی دوہرے کلمات پر مشتمل ہے اور اقامت بھی بالفاظ دیگر اذان میں ترجیح نہیں اور اقامت و تکبیر میں ایسا نہیں ہے بطور نمونہ چند حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

پہلی حدیث :- ام ابی عوانہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عمر بن شیبہ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے عبد الصمد بن عبد الوارث نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے شیبہ نے بیان کیا وہ معیرہ سے اور وہ شعبی سے اور وہ حضرت عبد اللہ بن زید انصاری سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

سمعت اذان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان اذانه واقامته متنی متنی
میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اذان سنی آپ کی اذان اور آپ کی اقامت
دوہرے دوہرے کلمات پر مشتمل تھی۔
(ابوعوانہ جلد ۱ ص ۳۳)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اذان اور تکبیر سے آپ کے مؤذن اور مکیب کی اذان و اقامت مراد ہے کیونکہ آپ نے خود کبھی اذان نہیں کہی حضرت عبد اللہ بن زید انصاری جلیل القدر صحابی ہیں امام شعبہ، معیرہ بن مقسم اور شعبی کا ذکر جلد اول میں ہو چکا ہے کہ وہ سب ثقہ ثبت اور حجت تھے، عمر بن شیبہ کو امام دارقطنی، خطیب، امر زانی، اور مسلم ثقہ کہتے ہیں محمد بن سہل اور ابو حاتم ان کو صدوق کہتے ہیں ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۶۶) عبد الصمد بن عبد الوارث کو ابن نمیر اور ابن قانع ثقہ کہتے ہیں، ابن سعد ان کو ثقہ اور حاکم ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں، ابن مدینی کہتے ہیں کہ شعبہ کی روایت میں وہ ثبت تھے ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (ایضاً جلد ۶ ص ۲۲) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ثبت فی شعبہ۔

(تقریب صفحہ ۲۲۴) یہ روایت بھی امام شعبہؒ ہی سے ہے۔

دوسری حدیث بزید بن عبد الرزاقؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے معمرؒ نے بیان کیا وہ حمادؒ سے اور وہ ابراہیمؒ سے اور وہ اسود بن زیدؒ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذن تھے، کان یثنی الاذان ویثنی القامۃ (طحاوی ص ۲۶۹) وہ اذان اور اقامت دوہری دوہری کہا کرتے تھے اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں اور پہلے مختلف مقامات میں ان کے تراجم نقل کئے جا چکے ہیں البتہ امام ابن جوزیؒ وغیرہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اسود بن زیدؒ کی حضرت بلالؓ سے سماعت ثابت نہیں ہے لیکن ان کا یہ اعتراض غلط ہے علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ اسود بن زیدؒ کی حضرت معاذؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ اور حضرت بلالؓ سے سماعت ثابت ہے (تذکرہ جلد ۱ ص ۴۸)۔

تیسری حدیث :- حضرت عبد اللہ بن زیدؒ کی روایت میں یہ آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے مؤذن نے فاذا نثنی واقام مثنیٰ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۱۳۶) طحاوی جلد ۱ ص ۱۵۸ سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۴۲ محلی جلد ۳ ص ۱۵۸) اذان بھی دوہری دوہری کہی اور اقامت بھی دوہری دوہری کہی علامہ ابن صفرؒ لکھتے ہیں ہذا اسناد فی غایۃ الصحیحۃ (جلد ۱ ص ۱۵۸) کی یہ سند اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

چوتھی حدیث :- عبد الرحمن بن ابی لیلیٰؒ عبد اللہ بن زیدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے فاذا نثنی مثنیٰ مثنیٰ ثم اقام مثنیٰ مثنیٰ (سنن ابی یوسف جلد ۱ ص ۲۲۱) مؤذن نے دوہری دوہری اذان کہی پھر بیٹھ گیا پھر اٹھ کر دوہری دوہری کلمات سے اقامت اور تکبیر کہی اس کے بھی تمام راوی ثقہ ہیں، امام بیہقیؒ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰؒ کی ملاقات عبد اللہ بن زیدؒ سے نہیں ہوئی مگر یہ اعتراض باطل ہے کیونکہ خطیب بغدادیؒ وغیرہ لکھتے ہیں کہ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰؒ ثقہ تابعی تھے اور ۳۸ھ میں ان کی ولادت ہوئی ہے۔

(بغدادی جلد ۱ ص ۲) اور عبد اللہ بن زیدؒ کی وفات جمہور کے نزدیک ۳۳ھ میں ہوئی ہے۔ (تذیب جلد ۵ ص ۲۲۴) پندرہ سال کے اس عرصہ میں امکان تقاریر یقینی ہے (الجمہور النقی فی الرد علی البیہقی جلد ۱ ص ۲۲۱) اور جمہور کے نزدیک اتصال سند کے لیے امکان تقاریر ہی شرط ہے، دیکھئے صحیح مسلم شریف

کا مقدمہ۔ مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ کیونکہ صحت حدیث کے لیے صرف استاد اور شاگرد کی بلاقامت کا ممکن ہونا کافی ہے عدم ثبوت سے نفی لازم نہیں آتی بلفظہ ص ۳۲۳

پانچویں حدیث :- ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جس اذان (اور اقامت) کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجرا فرمایا الاذان مثنیٰ مثنیٰ والاقامۃ مثنیٰ مثنیٰ۔ اس اذان اور اقامت کے الفاظ دوہرے دوہرے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں اسنادہ صحیح (درایہ صلا) کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

چھٹی حدیث :- حضرت ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اذان بلالؓ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم مثنیٰ مثنیٰ و اقام مثنیٰ مثنیٰ مثل ذلك مجمع الزوائد جلد ۳۳ و رواہ ثقات) حضرت بلالؓ نے جو اذان کسی اس کے کلمات دوہرے دوہرے تھے اور اقامت بھی اسی طرح تھی۔

ساتویں حدیث :- حضرت بلالؓ مؤذن جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اذان اور اقامت کے الفاظ مدتین مرتین دوہرے دوہرے ہوتے تھے (الجوہر النقی جلد ۵ ص ۴۲۵) اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جلد اول میں ان کے تراجم نقل ہو چکے ہیں، یہ تمام روایات صحیح ہیں اور ان میں کسی کی سند میں محمد بن اسحاقؒ موجود نہیں ہے مگر مبارکپوری صاحب سود فہم کی وجہ سے یہ سمجھے جاسکتے ہیں کہ احناف کا استدلال ابو داؤد وغیرہ کی اس روایت سے ہے جس کی سند میں محمد بن اسحاقؒ ہے، باقی اس باب کی مختلف روایات کی تطبیق اور ترجیح کا یہ مقام نہیں ہے۔

نصاب سرقہ کا مسئلہ :- تمام اہل اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ چور کا ہاتھ نص قرآنی کے تحت قطع کیا جائے گا لیکن کتنی مالیت کی چوری ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا؟ اس میں حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بیس مذاہب نقل کئے ہیں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تحقیق یہ ہے کہ قطع یہ کا ادنیٰ نصاب دس درہم ہے (ہاتھ کی قیمت جب کہ وہ امین تھا بہت کافی تھی مگر جب اس نے خیانت کا ارتکاب کیا تو کوڑی کے مول زرہ نما کانت امینۃ کانت ثمینۃ فلما خانت هانت) آج اس دور تمدنیب و تمدن میں جب کسی اعلیٰ حاکم کے خلاف ناکام ارادہ قتل کی سزا سننے سے موت ہو سکتی ہے تو بالفعل خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والے اور قانون شکن کا ہاتھ کیوں نہیں کاٹا جاسکتا اگر

علماء احناف نے محمد بن اسحاق کی روایت سے اس باب میں استدلال کیا ہے تو فریق ثانی کو کب مبالغہ کا چیلنج کیا ہے؟ یا کب ان کے عمل کو باطل اور کالعدم قرار دیا ہے؟ یا کب تمام دنیا کے باشندوں کو لٹکار کر ان پر اشتہاری رعب قائم کیا ہے؟ باوجود اس کے کہ بالاتفاق میدان جہاد اور قحط سالی وغیرہ کے موقع پر چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ ہم پھر بھی یہ پیش کش کرتے ہیں کہ فریق ثانی ربیع دینار کے نصاب کو ہی حکومت وقت سے اجرا کرنے ہم ان کے ساتھ ہیں آخر باطل اور غیر معصوم قانون کے بجائے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہی پر تو عمل ہو گا۔ لیکن مبارک پوری صاحب نے اس مقام پر بھی ٹھوکر کھائی ہے۔ احناف کا استدلال اس روایت سے ہے ملاحظہ کیجئے۔

اہم نسائی فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا وہ عبد الرحمن سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا وہ منصور سے وہ مجاہد سے اور وہ حضرت امین سے روایت کرتے ہیں قال لو تکن تقطع الید علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا فی ثمن المن و قیمتہ دینار (نسائی جلد ۲ ص ۲۵) وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ڈھال کی قیمت میں ہاتھ کاٹا جاتا تھا اور ڈھال کی قیمت ایک دینار ہوتی تھی، حضرت امین صحابی ہیں اور بقیہ جملہ روایات محمد بن بشار، عبد الرحمن بن مسعود، امام سفیان، منصور اور مجاہد کے تراجم جلد اول میں اپنے اپنے موقع پر عرض کئے گئے ہیں کہ تمام ثقہ ثبوت اور حجت تھے، اہم نسائی فرماتے ہیں کہ ہم سے ہارون بن عبد اللہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اسود بن عامر نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسن بن حی نے بیان کیا وہ منصور سے اور وہ حکم سے اور وہ عطاء اور مجاہد سے روایت کرتے ہیں اور وہ دونوں حضرت امین سے وہ فرماتے ہیں۔

یقطع السارق فی ثمن المن وکان ثمن المن	کہ چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت اور مالیت کے سوا قرمال
علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	میں کاٹا جاتے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
دینار او عشرة دراهم (نسائی جلد ۲ ص ۲۵)	کے زمانہ مبارک میں ڈھال کی قیمت ایک دینار یا دس درہم ہوتی تھی

ہارون بن عبداللہ (ثقة تھے صفحہ ۳۷۸) امام نسائی فرماتے ہیں وہ ثقہ تھے ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ص ۹) اور حکم بن عنبہ بھی ثقہ اور ثبت تھے (تذکرہ ص ۱۱۱) اور باقی سب روایات ثقہ اور ثبت ہیں اور جلد اول میں حسن بن صالح بن حمی وغیرہ کے تراجم نقل کئے جا چکے ہیں امام نسائی فرماتے ہیں کہ ہم سے محمود بن غیلان نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم سے معاویہ ابن ہشام نے بیان کیا وہ سفیان (ثوری) سے اور وہ منصور (بن معمر) سے اور وہ مجاہد سے اور وہ عطاء سے اور وہ حضرت ایمن سے روایت کرتے ہیں۔ قال لعل یقطع النسب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم السارق الا فی ثمن المجن وثمن المجن یومئذ دینار (نسائی ص ۲۲) وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ڈھال کی قیمت سے کم چوری کے مال میں چھو کا ہاتھ نہیں کاٹا اور ڈھال کی قیمت اس زمانہ میں ایک دینار تھی محمود بن غیلان کو امام نسائی اور مسلمہ ثقہ کہتے ہیں ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب جلد ۱ ص ۶۵) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے (تقریب ص ۳۴۸) معاویہ بن ہشام کو ابو حاتم اور ساجی صدوق کہتے ہیں ابو داؤد ان کو ثقہ کہتے ہیں ابن حبان اور ابن شاہین ان کو ثقات میں لکھتے ہیں ابن سعد ان کو صدوق اور کثیر الحدیث کہتے ہیں (تہذیب ص ۲۱۸) کسی نے ان کے متعلق یہ کہا تھا کہ وہ مترک ہیں علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔ قلت هذا خطأ منك ما تتركه احد (میزان جلد ۳ ص ۱۸) میں کہتا ہوں اے قائل تیرا یہ قول سراسر خطا ہے ان کو کسی نے ترک نہیں کیا عطاء بن ابی رباح ثقہ فقیہ اور ضال تھے (تقریب ص ۲۶۲) بقیہ روایات کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے یہ ہیں وہ صحیح احادیث جن سے علماء احناف نے ادنیٰ نصاب سرفہ کے بلے میں (جس میں چوڑا کاٹھا کاٹا جاتا ہے) استدلال کیا ہے اور ان میں سے کوئی نہ ایسی نہیں جس میں محمد بن اسحاق ہو۔ اور یہ روایت دارقطنی جلد ۱ ص ۳۶۹ سنن الکبریٰ جلد ۸ ص ۲۵۷ مستدرک جلد ۴ ص ۳۷۹ اور طحاوی جلد ۲ ص ۹ وغیرہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ امام نسائی اور امام بیہقی وغیرہ نے یہ کہلے کہ ایمن صحابی نہیں ہیں لہذا ان کی روایت مرسل ہوگی لیکن یہ اعتراض بے کار ہے اولاً اگر مرسل بھی ہو تب بھی جمہور محدثین کے نزدیک حجت ہے اس پر جلد اول میں سیر حاصل بحث کی جا چکی ہے وثانیاً محمد بن اسحاق (فریق ثانی کے امیر المحدثین) اور علامہ ابن سعد، حافظ ابو القاسم لغوی، محدث ابو نعیم،

حافظ ابن مندہ حافظ ابن قانع اور امام ابن عبد البر وغیرہ سب ان کو صحابی کہتے ہیں (زیلعی جلد ۲ ص ۲۵۷) علامہ ذہبی بھی ان کا شمار صحابہ میں کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خاضنہ (جس نے آپ کی بچپن میں پرورش کی تھی) حضرت امّ یمن کے صاحبزادے تھے (تخرید اسما الصحابة جلد ۱ ص ۳۳) ابن اسحاق کا یہ بیان ہے کہ غزوہ حنین میں ان کی شہادت ہو چکی تھی لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد عرصہ تک زندہ رہے ہیں (المجموع النقی جلد ۸ ص ۲۵۸ علی السنن) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ عطاء کی امینہ سے روایت اگر مدس نہ ہو تو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ امینہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد عرصہ تک زندہ رہے ہیں (البدایہ جلد ۵ ص ۳۱۳) الحاصل حضرات محمد شین کرام کے قواعد کے لحاظ سے اس روایت کے صحیح اور حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے ہاں البتہ زمانے والے کے منوانے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے امام طبرانی (اپنے معجم وسط میں) محمد بن نوح بن حرب سے اور وہ خالد بن مهران سے اور وہ ابو مطیع سے اور وہ قائم بن عبد الرحمن سے اور وہ اپنے والد عبد الرحمن سے اور وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:-

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لا قطع الا في عشرة دراهم (نصب الرأية ص ۳۵۹) کم میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔

امام طبرانی وغیرہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس روایت کو بیان کرنے میں ابو مطیع متفرغ ہے اور وہ کمزور تھا لیکن مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادی لکھتے ہیں کہ امام محمد بن الحسن (جو بقول امام دارقطنی ثقافت اور حفاظ میں تھے) اس روایت کے بیان کرنے میں ابو مطیع کے متابع ہیں (تعلیق المغنی ص ۲۶۹) یہ روایت امام دارقطنی (ص ۲۶۹) وغیرہ نے بھی بیان کی ہے، بہر حال احناف کا مسلک اس میں بھی قوی ہے۔

تعمیل افطار کا مسئلہ: تعجیل افطار جمہور اہل اسلام کا مسلک ہے احناف کا اس مسئلہ میں کسی سے کوئی اختلاف نہیں ہے اور جمہور حضرت سہل بن سعد کی مرفوع اور صحیح روایت پیش کرتے ہیں۔

قال لا يزال الناس بخير ما عجلوا الفطر (بخاری جلد ۱ ص ۲۶۳) و مسلم جلد ۱ ص ۳۵) کہ امت اس وقت تک بھلائی سے موصوف رہے گی جب تک روزہ افطار کرنے میں جلدی کئے گی، نہ اس روایت میں ابن اسحاق ہے اور نہ اس کی صحت میں کلام ہو سکتا ہے کیونکہ یہ متفق علیہ

حدیث ہے، مبارکپوری صاحب نے بلا وجہ ابن اسحاق کی روایت کی آڑ لی ہے۔

محمد بن اسحاق کی تحدیث اور متابعت

حضرات محدثین کرام کا یہ قاعدہ اور اصول ہے اگر ثقہ راوی ہو اور اس پر صرف تدلیس کا الزام وارد کیا گیا ہو تو اس کی تحدیث سے یا کسی اور ثقہ راوی کی متابعت سے یہ الزام رفع ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی راوی میں معمولی ضعف اور کمزوری ہو اور کوئی ثقہ یا قریب بہ ثقہ راوی اس کی متابعت کرے تو اس کی روایت تعدد طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ سکتی ہے۔ فریق ثانی نے محمد بن اسحاق سے متعلق اس قاعدہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے مگر بالکل بے سود ہے چنانچہ مولانا شمس الحق صاحب اور مبارکپوری صاحب وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ محمد بن اسحاق نے تحدیث کی ہے۔ (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۱ و سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۳ و مسند احمد جلد ۵ ص ۳۲۲)

لہذا اس کی روایت قابل قبول ہو سکتی ہے (تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۱۲۱ و تحقیق الکلام ص ۵۸)

اگر محمد بن اسحاق ثقہ ہوتا اور اس پر صرف تدلیس کا الزام ہوتا تو پھر یہ بات صحیح تھی کہ اس کی تحدیث سے تدلیس کا شبہ جاتا رہتا مگر وہ تو پر لے درجہ کا ضعیف کمزور اور متروک ہے لہذا وہ تحدیث بھی کرتا ہے اس کی روایت کو کون سنتا ہے؟ وعلیٰ هذا القیاس اگر اس میں معمولی کمزوری اور ضعف ہوتا اور اس کا کوئی ثقہ متابع موجود ہوتا اور اس کی سند بھی صحیح ہوتی تو الگ بات تھی مگر آپ سُن چکے ہیں کہ ائمہ صرح و تعدیل نے جرح کے انتہائی اور سنگین الفاظ (کذاب و دجال وغیرہ) اس کے حق میں استعمال کئے ہیں اور ان ائمہ کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ ابن اسحاق کی روایات حلال و حرام احکام و سنن میں تو مطلقاً قابل قبول ہی نہیں ہیں اس لیے اس کی متابعت کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا معذرتاً آپ ان روایات پر اور ان کے سند کے روات پر سرسری نگاہ ڈال لیجئے تاکہ آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ محمد بن اسحاق کے متابع اور جن سننات سے متابعت ثابت کی جاتی ہے ان میں کیسے کیسے شیر خفتہ ہیں؟

ہر بیشہ گمال مبرکہ خالی است شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

متابعت کی پہلی روایت

۱۸ بیہقی اپنی سند سے بطریق عبید اللہ بن سعید بن کثیر بن عیینہ روایت کرتے ہیں اور وہ ابراہیم

بن ابی یحییٰ سے اور وہ یزید بن یزید بن جابر سے اور وہ محمول سے روایت کرتے ہیں (کتاب القراءۃ ص ۳)
 حدیث کا مضمون وہی ہے جو پہلے گذر چکا ہے اس سند میں یزید بن یزید محمد بن اسحاق کا متابع ہے اگرچہ
 بعض محدثین اس میں کلام کرتے ہیں لیکن زیادہ تر اس کی توثیق کے قائل ہیں۔ اس میں عبید اللہ
 بن سعید بن کثیر بھی ہیں جن میں امام ابن حبان اور محدث ابن عدی کلام کرتے ہیں۔ (لسان
 ج ۲ ص ۱۶ و ج ۴ ص ۳) اور دوسرا راوی اس میں ابراہیم بن ابی یحییٰ ہے۔
 علامہ ذہبی ان کو احد الضعفاء کہتے ہیں یحییٰ ابن سعید کا بیان ہے کہ میں نے امام مالک سے سوال
 کیا کیا وہ حدیث میں ثقہ ہے؟ امام مالک نے فرمایا کہ حدیث میں تو کیا ثقہ ہوتا دین میں بھی قابل اعتبار
 نہ تھا، قطان کہتے ہیں کہ وہ کذاب تھا امام احمد فرماتے ہیں کہ محدثین نے اس سے روایت ترک کر دی
 ہے اور وہ ایسی بے بنیاد روایتیں کیا کرتا تھا جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ امام
 ابن مبارک اور دیگر محدثین نے اس سے روایت ترک کر دی تھی۔ ابن معین کہتے ہیں کہ وہ کذاب
 اور رافضی تھا۔ علی بن مدینی کہتے ہیں وہ کذاب تھا۔ امام نسائی اور دارقطنی اس کو متردک کہتے ہیں
 (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۲) اس سند سے فریق ثانی محمد بن اسحاق کی متابعت ثابت کرتا ہے افسوس
 اور تعجب ہے۔

دوسری روایت :۔ اسی مضمون کی ایک روایت امام دارقطنی اور امام بیہقی نے نقل کی ہے اور
 اس میں زبیدی کو محمد بن اسحاق کا متابع بتلایا ہے (دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۱ و کتاب القراءۃ ص ۳) لیکن
 سند کی مدار بقیہ پر ہے، امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ بقیہ بن ولید صدوق تو تھا مگر ہر کہ وہ
 سے روایت کر لیا کرتا تھا، ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ احکام میں اس کی کوئی روایت نہیں قبول کی جا
 سکتی ہاں فضائل کا باب الگ ہے ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے ابو
 مسہر غسانی کہتے ہیں کہ بقیہ کی حدیثیں صحیح نہیں ہوتیں ان سے بہر حال اجتناب کرنا چاہیے امام
 بیہقی کہتے ہیں کہ تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ بقیہ حجت نہیں ہے عبداللہ بن یحییٰ کہتے ہیں کہ اس سے
 احتجاج صحیح نہیں ہے (میزان جلد ۱ ص ۱۵۲ و تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۴۴) نواب صاحب نے
 لکھے ہیں کہ دروے جماعتے سخن کردہ (بدور الاصلہ ص ۲۱۹) امام دارقطنی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ
 متابعت کی اس روایت کی مدار سالم بن نوح پر ہے جو کمزور ہے پھر اس کی متابعت کا کیا اعتبار

ہے؟ (جلد ۱۲۵) اور مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ بے شک حسن بن عمارہ نے ابو حنیفہؒ کی متابعت کی ہے لیکن اس کی متابعت کا عدم ہے کیونکہ یہ متردک ہیں (بلفظہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۳۰) فریق ثانی کے نزدیک حضرت امام ابو حنیفہؒ کی متابعت میں تو حسن بن عمارہ کی روایت کا عدم ہے مگر افسوس ہے کہ محمد بن اسحاقؒ ایسے کذاب و دجال کی متابعت ایسے راویوں کی سند سے جو میٹین کے نزدیک قابل احتجاج ہی نہیں ہیں بالکل صحیح ہے فوالسفا علاوہ بریں امام دارقطنیؒ اور امام بیہقیؒ اس کو مرسل کہتے ہیں اور ہمارے نزدیک بلکہ جمہور محدثین کے نزدیک مرسل حجت ہے جس کی بحث جلد اول میں گذر چکی ہے لیکن فریق ثانی کے نزدیک مرسل حجت نہیں ہے امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ مرسل سے حجت درست نہیں ہے (جزء القراءة ص ۱) امام بیہقیؒ لکھتے ہیں وہ وضعیف من حیث انہ مرسل (کتاب القراءة ص ۱۳) نواب صاحب لکھتے ہیں و مرسل از قسم ضعیف است (دلیل الطالب ص ۲۹۳) دوسری جگہ لکھتے ہیں و مرسل حجت نیست (بدور الاصلہ ص ۴۹) اور مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں۔ والمرسل وان كان حجة عند الحنفية لكن المحقق انه ليس بحجة (تحفة الاحوذی جلد ۱ ص ۳۶۵) اصناف مرسل کو حجت کہتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ مرسل حجت نہیں ہے۔ پھر یہ روایت ان کے نزدیک کیسے صحیح اور قابل حجت ہو سکتی ہے؟ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ محقق مذہب محدثین کے ہاں ہی ہے کہ مرسل حجت نہیں ہوتی الخ (ص ۲۷۸)

تیسری روایت :- مبارکپوری صاحب کتاب القراءة ص ۴ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ ملک شام کے ثقہ راوی محمد بن اسحاق کے متابع ہیں (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۹۵) و ابکار المنن ص ۱۲۸) لیکن اس سند میں ایک راوی محمد بن ابی السریؒ ہے اعلاء السنن جلد ۱ ص ۹۷ میں اس کا نام محمد بن متولؒ نقل کیا گیا ہے اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی چند حدیثیں ہیں جو منکر خیال کی جاتی ہیں۔ (میزان جلد ۲ ص ۱۲۸) ابو حاتمؒ الخو لیں الحدیث کہتے ہیں ابن عدیؒ ان کو کثیر الخلط کہتے ہیں اور مسلم بن قاسمؒ ان کی توثیق کرتے ہوئے بھی ان کو کثیر الوہم کہتے ہیں ابن وضاحؒ ان کو کثیر الخفظ اور کثیر الخلط کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۲۲۵) دوسرا راوی اس سند کا علامہ ابن الحارث ہے امام ابو داؤدؒ کہتے ہیں کہ اس کا حافظہ متغیر ہو چکا تھا امام بخاریؒ اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں (میزان جلد ۲ ص ۱۲۸) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ جس راوی کو امام بخاریؒ منکر الحدیث کہتے ہوں

اس سے احتجاج جائز نہیں ہے حوالہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے تمیز راوی اس سند کا احمد بن عمیر بن حوصا ہے علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ اس کی چند حدیثیں غریب ہیں، دارقطنی کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں حمزہ کتانی نے اس سے بالکل روایت ترک کر دی تھی (میزان جلد ۱ ص ۵۹) محدث زبیر بن عبد الواحد اس کو ضعیف سمجھتے تھے (لسان جلد ۱ ص ۲۴) مولف خیر الکلام نے ص ۲۱۶ میں اس کا یہ ناکام جواب دیا ہے کہ یہ جرحیں مبہم ہیں پھر آگے ان روایت کے بارے بعض توصیفی کلمات نقل کئے ہیں الجواب اصول حدیث میں اس امر کی صراحت ہے کہ کثیر الغلط، کثیر الوهم ہونا جرح مفسر ہے۔ اور ایسے راوی کی حدیث مردود روایتوں میں شامل ہے اور امام بخاریؒ کا منکر الحدیث کہنا تو اپنی جگہ مستقل شدید جرح ہے۔

چوتھی روایت :- امام دارقطنی، حاکم اور بیہقی ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں سعید بن عبد العزیز تونخیؒ کو محمد بن اسحاقؒ کا متابع کیا گیا ہے۔ (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۱، مستدرک جلد ۱ ص ۲۳۸۔ سنن الکبریٰ ص ۱۶۵ جلد ۲) لیکن اس سند کی مدار ولید بن مسلمؒ پر ہے، امام احمدؒ اس کو کثیر الخطا کہتے ہیں امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ ابو السفر سے روایتیں لیا کرتا تھا اور ابو السفر کذاب تھا ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ وہ امام اوزاعیؒ کی روایتیں کذابین سے لیا کرتا تھا۔ دارقطنی کا بیان ہے کہ وہ ضعیف اور کمزور راویوں کے نام ساقط کر دیتا تھا اور اوزاعیؒ وغیرہ کے نام ساتھ جوڑ دیتا تھا ابو داؤدؒ کہتے ہیں کہ دس حدیثیں اس نے ایسی بیان کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اسکی مسموع وغیر مسموع تمام روایتیں غلط ملط ہو چکی تھیں اور بہت سی روایتیں اس کی منکر ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۵۴) مولف خیر الکلام نے یہ کہا کہ امام ذہریؒ اور ابن جریرؒ کی روایت میں اس پر جرح ہے اور یہاں سعیدؒ سے روایت کہہ رہا ہے اور بعض ائمہ نے اس کی توثیق اور توصیف کی ہے (محصلاہ ص ۲۱۸، ۲۱۹) الجواب :- امام احمدؒ وغیرہ نے تصریح فرمادی ہے کہ اسکی روایتیں غلط ملط ہو چکی تھیں مسموع وغیر مسموع میں کوئی تمیز نہیں تو پھر حدیثنا اور سعیدؒ وغیرہ کی اس روایت بالکل بے سود ہے۔

پانچویں روایت :- دارقطنی ص ۱۲۱، بیہقی ص ۱۶۴ اور تلخیص الحیرت ص ۸ وغیرہ میں زید بن داؤدؒ کو محمد بن اسحاقؒ کا متابع بتایا ہے لیکن اس کی ایک سند میں ایبتم بن حمیدؒ وغیرہ بعض محدثین کے نزدیک متکلم فیہ راوی ہیں علاوہ بریں اس میں عن مکحول عن نافع الخ ہے اور ان دونوں کے

مضمرب کلام آرہے اور دوسری سند میں محمد بن مبارک ہے علامہ ذہبی لکھتے ہیں احادیثہ تستنکر
 (بحوالہ تہذیب جلد ۹ ص ۲۲۴) کہ اس سے منکر روایتیں بھی مروی ہیں اور ایک تیسری سند میں یحییٰ بن
 عبد اللہ بن الضحاک ہے (یہ دونوں سندیں دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۵ میں موجود ہیں) امام ابو حاتم اس
 کو ساقط الاحتجاج کہتے ہیں، ابن عدنی کہتے ہیں اشار الضعف علی حدیثہ بکین۔ ضعیف اور
 کمزوری کا نشان اس کی حدیث پر بالکل آشکارا ہے محدث خلیلی بھی ان پر محدثین کا طعن نقل کرتے
 ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۲۴) مولف خیر الکلام نے لکھا ہے کہ اس کی جرح مسلم ہے مگر متبعت
 میں کوئی جرح نہیں (ص ۲۲۱) یہ ہے فریق ثانی کے وکیل اعظم اور محدث جلیل کا استدلال؛ سبحان اللہ
 تعالیٰ ثقہ راویوں کی حدیث تو ان کے نزدیک مسلم نہیں جیسا کہ جلد اول میں مفصل عرض کیا گیا ہے اور
 ضعیف حجت ہیں، رہا امام دارقطنی کا اس سند کو حسن کہنا اور روایت کی توثیق کرنا تو لاحقہ حاصل ہے،
 امام دارقطنی کا قاعدہ ہی جیسا ہے جو آگے آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

قاریین کرام! آپ نے ائمہ جرح و تعدیل کی زبانی محمد بن اسحاق کا رتبہ اور درجہ بھی ملاحظہ کر
 لیا کہ وہ اس کو کذاب اور دجال وغیرہ کہتے ہیں اور جو راوی اس کی متابعت میں پیش کئے گئے ہیں
 اور جو سندیں اس کی متابعت کی ہیں ان میں بھی کذاب، متروک، منکر الحدیث لایجوز بہ
 الاحتجاج۔ ساقط الاعتبار، ضعیف، کمزور اور غیر معتبر راوی ہیں جن کی کوئی روایت فی نفسہ
 معتبر نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ نص قرآنی اور صحیح اور مرفوع احادیث کے مقابلہ میں قبول کی جا سکے
 حاشا وکلا ثم حاشا وکلا۔

دوسرا جواب :- اس روایت میں ایک راوی محمول بھی ہیں یہ معیاری ثقہ بھی نہ تھے نیز
 مدلس بھی ہیں امام حاکم لکھتے ہیں :- ان عامة حدیث مکحول عن الصحابة حوالہ
 (معرفت علوم الحدیث ص ۱۱۱) کہ محمول کی حضرات صحابہ کرام سے اکثر حدیثیں صرف تدلیس و
 ارسال کے حوالہ نظر ہیں، علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ محمول حضرت ابی بن کعب، حضرت عبادہ بن
 الصامت، حضرت عائشہؓ اور دیگر کبار سے بکثرت ارسال اور تدلیس کرتے تھے (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۱۱)
 علامہ ابن سعد فرماتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت نے محمول کی تضعیف کی ہیں اور وہ صاحب
 تدلیس بھی تھے (میزان جلد ۳ ص ۱۹۸) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ محمول نے دیگر حضرات صحابہ کرامؓ

سے عموماً اور حضرت عبادہؓ سے خصوصاً کوئی حدیث نہیں سنی وہ محض تدلیس سے کام لیتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۲۹۱) امام ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ لیس بالمتین چنداں قابل اعتبار نہ تھے اور باوجود اس کے مدلس بھی تھے (قانون الموضوعات ص ۲۹۸) مبارکپوری صاحبؒ بھی ان کو مدلس لکھتے ہیں (ابکار المنن ص ۱۷۷) اور نواب صاحبؒ لکھتے ہیں (دلیل الطالب ص ۸۸۲) کہ مدلس روایت ضعیف روایتوں میں شمار ہوتی ہے اور مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں (دلیل الطالب ص ۸۸۲) کہ مدلس غیر مقبولہ (ابکار المنن ص ۲۲۵) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں اور عنعنہ مدلس کا مقبول نہیں (بلفظہ تحقیق الکلام ج ۲ ص ۲۲۵) یہ بھی مت بھولیں کہ کسی قابل اعتبار سند سے محمول کی محمود بن ربیع سے سماعت اور تحدیث ثابت نہیں ہے۔

(بعینہ الزامی جلد ۲ ص ۷۷)

مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ محمول کبار صحابہؓ سے ارسال کرتے تھے اور یہاں محمود بن ربیع صغار صحابہؓ میں ہیں اور تدلیس سے اصطلاحی مراد نہیں اور امکان تقار کے بعد معاملہ رفع ہو جاتا ہے (محصلاً ص ۲۲۲) الجواب بہ بجلالان لایعنی باتوں کو کون تسلیم کرتا ہے، امام حاکم کبابکی کوئی قید نہیں لگاتے مطلق حضرت صحابہؓ کا ذکر کرتے ہیں اور محمول اصطلاحی مدلس میں اسی کتاب المدلسین میں اسکا ذکر ہے جس میں قنادہ کا ذکر ہے اور تیسرے درجہ کا مدلس لکھا ہے امکان تقار کافی ہوتا ہے مگر مدلس کے لیے یہ قاعدہ ہرگز نہیں ہے اور مؤلف مذکور نے ان کی جو توشیح نقل کی ہے وہ بے سود ہے ہم نے معیاری ثقہ کا لفظ بولنا ہے فریق ثانی کے لیے نہایت بضرر کی بات ہے کہ وہ قنادہ وغیرہ ثقہ حافظ اور ثبوت راویوں کی تدلیس کو تو قبول نہیں کرتا مگر ضعیف کمزور اور لیس بالمتین کی تدلیس سے قطع نظر کر جاتا ہے، فریق ثانی نے محمول کی تدلیس کا جواب دیتے ہوئے جو کہ کہا ہے یا ان کی متابعت میں جو روایتیں اور راوی اور جو نہیں پیش کی ہیں اجمالاً ان کا ذکر بھی سن لیجئے۔ امام بیہقی نے احمد بن عمیر بن جو صاؤ کے طریق سے موسیٰ بن سہل رملی سے یہ نقل کیا ہے کہ محمول کی محمود بن ربیع سے سماعت ثابت ہے۔ (کتاب القراءۃ ص ۷۷) اور ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اس روایت سے ثابت ہو سکتا ہے کہ محمول کی محمود بن ربیع سے سماعت ہوئی تھی (ایضاً ص ۷۷) لیکن یہ تمام باتیں بے بنیاد ہیں کیونکہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ احمد بن عمیر بن جو صاؤ کمزور اور

ضعیف ہے، اس کی سند کیونکر قابل حجت ہو سکتی ہے؟ علاوہ ازیں امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ محمول،
 عوام بن حکیم اور جابر بن حیوہ میں سے کسی نے محمود بن ریح نے سماع کا ذکر نہیں کیا (جزء ۱ القرۃ ص ۳۲)
 محمول کی متابعت میں پہلی روایت :-

مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمرو بن الحارث (جن کی روایت دارقطنی
 جلد ۱ ص ۱۲، مستدرک جلد ۱ ص ۲۳۹ اور کتاب القرۃ ص ۳۲ وغیرہ میں موجود ہے) محمول کے
 متابع ہیں (ابکار المنن ص ۱۲۴) لیکن یہ متابعت بھی کالعدم ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی
 معاویہ بن یحییٰ ہے۔ امام بخاریؒ اس کی تضعیف کرتے ہیں (ضعفاء صغیر ص ۲۹) نسائیؒ فرماتے
 ہیں کہ وہ ضعیف الحدیث تھا (ضعفاء صغیر نسائی ص ۳۱) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف
 ہے (تقریب ص ۲۵۸) دارقطنیؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں (ص ۱۲۱) ابن عیینہؒ اس کو یسئیر کہتے ہیں امام ابو زرعہؒ کہتے ہیں کہ اسکی
 حدیثیں معلول ہیں (میزان الاعتدال ص ۱۳۱) جوزقانیؒ اس کو ذاہب الحدیث اور الوحاتم، البودادہ اور ابو علی نیشاپوریؒ اس کو
 ضعیف کہتے ہیں ابن عدیؒ کا بیان ہے کہ اس کی حدیثوں میں کلام ہے، اساجیہ اس کو ضعیف الحدیث
 اور بنیاد اس کو یسئیر الحدیث کہتے ہیں امام احمدؒ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو ترک کر دیا تھا (تہذیب
 التہذیب جلد ۱ ص ۲۱۹) دوسرا راوی اس کا اسحاق بن ابی فرزدہ ہے۔ امام بخاریؒ لکھتے ہیں کہ
 محدثین نے اس کو ترک کر دیا ہے (ضعفاء ص ۴) نسائیؒ اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں (ضعفاء ص ۳۸)
 علامہ ذہبیؒ اس کو ہاک اور تباہ شدہ لکھتے ہیں (تلخیص المستدرک جلد ۱ ص ۲۳۹) حافظ ابن حجرؒ اس کو
 متروک لکھتے ہیں (تقریب ص ۳) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ تمام محدثین نے اس سے احتجاج
 ترک کر دیا تھا (تہذیب جلد ۱ ص ۹) دارقطنیؒ لکھتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (جلد ۱ ص ۱۲۱) بیہقیؒ
 لکھتے ہیں کہ وہ قابل احتجاج نہیں ہے (سنن البکری جلد ۶ ص ۲۲) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں -
 ولم اراہ۔ د۱۱ مشاہد (میزان جلد ۱ ص ۱۲۱) مجھے معلوم نہیں کہ کسی ایک محدث نے
 بھی اس کی حدیث قبول کی ہو اور تیسرا راوی عبد اللہ بن عمرو بن الحارث (جو محمول کا متابع
 بیان کیا جاتا ہے) خود مجہول ہے (تقریب ص ۲۱۹) یہ ہے فریق ثانی کا معیار استدلال افسوس
 صد افسوس۔ مؤلف خیر الکلام نے ص ۲۲۵ میں عبد اللہ بن عمرو بن الحارث کو مجہول تسلیم کر کے
 یہ جواب دیا ہے کہ مستور کی روایت کو متابعت میں ذکر کرنے سے کوئی صرح نہیں۔ مگر سند کے

باقی راویوں کو بالکل پی گئے ہیں۔

دوسری روایت :- مبارکپوری صاحب کتاب القراءۃ ص ۱۱۱ کے حوالہ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں شعیب بن ابی حمزہ کو محمول کا متابع بیان کیا ہے (ابکار المنن ص ۱۲۵) بلا شک یہ متابع ثقہ اور ثبت ہیں لیکن سند میں ایک تو اسحاق بن ابی فروہ ہے جس کا ذکر خیر ابھی ہو چکا ہے اور دوسرا راوی اس سند کا عمرو بن عثمان ہے ابو حاتم کہتے ہیں کہ محدثین اس میں کلام کرتے ہیں اور یہ مشورہ حدیث روایت کرتا ہے ابن حبان کہتے ہیں کہ بسا اوقات وہ حدیث میں خطا کرتا ہے۔ امام نسائی اور ازہری اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں (ترندیب التندیب جلد ۸ ص ۱۷۱) اور ایک اور سند ہے جس میں محمد بن حمیر ہے جس کا تذکرہ بحث حذاج میں ہو چکا ہے کہ وہ قابل احتجاج نہیں ہے اور ایک سند میں ابو عبد الرحمن محمد بن الحسین سلمی ہے یہ صوفیوں کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ محدثین اس میں کلام کرتے ہیں اور یہ قابل اعتماد نہیں ہے (میزان جلد ۱ ص ۱۱۱) تیسری روایت :- مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کنز العمال جلد ۴ ص ۲۰۸ اور کتاب القراءۃ ص ۱۱۱ میں عن الزہری عن محمود بن الربیع الذکی سند میں امام زہری محمول کے متابع ہیں۔ (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۹۷) لیکن قطع نظر اس سے کہ اس کی سند کیسی ہے یہ بھی ان کے عقیدہ میں ہے اولاً اس لئے کہ مبارکپوری صاحب خود ایک مقام پر لکھتے ہیں زہری مدلس ہیں اور عنقہ سے روایت کرتے ہیں تو ان کی حدیث کیسے صحیح ہو سکتی ہے :- (ابکار المنن ص ۲۵) متابعت سے ندلیس کا شبہ وہاں رفع ہوتا ہے جہاں اصل روایت کے راوی ثقہ ہوں اور شبہ صرف ندلیس کا ہو اور یہاں اصل روایت ہی صحیح نہیں ہے، اس نکتہ کو مولف خیر الکلام بالکل ہضم کر گئے ہیں۔ و ثانیاً فریق ثانی کی طرف سے جن میں خاص طور سے امام بخاری علیہ الرحمۃ بھی قابل ذکر ہیں۔ یہ کہا گیا ہے کہ امام زہری اپنے کلام کو حدیث میں ملا دیا کرتے تھے (جزء القراءۃ ص ۲۳) تو ہم الزامی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ کیا بعید ہے کہ اس حدیث میں خلف الامام کا جملہ امام زہری نے مرفوع حدیث میں ملا دیا ہو۔ مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ زہری کی یہ عادت نہ تھی بلکہ ایک خاص حدیث میں فعل تھا (محصلا ص ۲۲) الجواب :- مگر اس میں کوئی جان نہیں کیونکہ خود مولف خیر الکلام اسی صفحہ میں امام بخاری کی جزء القراءۃ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ قال ربیعہ للزہری اذا حدثت

فبین کلامك الا اس میں اذ اثر طیبہ ہے اور خود مولف مذکور ص ۸۲ میں بحوالہ قاضی شوکانی
اسماء الشرط کو عام لکھتے ہیں پھر محض بات بنانے کے لیے یہ کہتا کہ عادت نہیں فعل ہے کیا
وقعت رکھتا ہے اور مدرج کے لیے یہ دعویٰ کرتا کہ کلام مستقل ہو بالکل بے دلیل ہے کیوں کہ
ادراج جیسے مستقل کلام سے ہوتا ہے غیر مستقل سے بھی ہو سکتا ہے اور فتح الباری کا جو حوالہ انہوں
نے نقل کیا ہے وہ اس دعویٰ کے لیے غیر صریح بلکہ صرف کثید ہے، مولف مذکور کو جب
خود اپنی اس کشیدگی کمزوری کا احساس ہوا تو یہ لکھا ہے کہ غیر مستقل پر ادراج کا اطلاق مجازاً ہو سکتا ہے
(محصلاً وثالثاً) اگر خلف الامام کا جملہ (جس کی وجہ سے ان کی متابعت کو مدنظر رکھا گیا ہے) امام زہری
کے نزدیک ثابت ہوتا تو وہ بھی امام کے پیچھے قرأت کے قائل ہوتے حالانکہ وہ جہری نمازوں میں
سختی سے اس کا انکار کرتے ہیں اور سکناات کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے کما مر و رابعاً
اس روایت میں خلف الامام کا جملہ محمد بن یحییٰ الصفار کا مدرج ہے جیسا کہ یہ تحقیقی جواب اپنے
مقام پر ذکر کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ الغرض دیگر حضرات محدثین کرام کے طے شدہ قواعد کے
محافظ سے عموماً اور فریق ثانی کی طرف سے پیش کردہ اصول کے پیش نظر سند کے اعتبار سے کوئی بھی
ایسی صحیح روایت موجود نہیں ہے جس کو محمد بن اسحاق اور محول کی متابعت میں پیش کیا جاسکے۔
تیسرا جواب نافع بن محمود کی جہالت :-

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ نافع بن محمود سے خلف الامام کی روایت کے علاوہ اور کوئی روایت
مروی نہیں ہے۔ ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور یہ تصریح کرتے ہیں کہ حدیث معلول
کہ اس کی حدیث معلول ہے (میزان جلد ۲ ص ۲۲۶) امام طحاوی لکھتے ہیں کہ نافع بن محمود مجہول ہے
(الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۶۵) حافظ ابو عمر بن عبد البر فرماتے ہیں کہ وہ مجہول ہے (تندیب التندیب
جلد ۱ ص ۱۵۱) شیخ الاسلام موفق الدین ابن قدامہ لکھتے ہیں لیس بمعروف (مغنی جلد ۱ ص ۶۶)
کہ وہ مجہول ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ مستور ہے (تقریب ص ۳۶) محقق نعمانی اس کا
مجہول ہونا نقل کرتے ہیں (تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۶۶) نافع کے مجہول ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کیا
ثبوت ہو سکتا ہے امام بہیقی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس امر کا ہرگز مکلف نہیں ٹھہرایا
کہ ہم اپنا دین مجہول اور غیر معروف راویوں سے اخذ کریں (کتاب القرآۃ ص ۱۲۶) امام خطابی

فرماتے شرھا الموضوع ثم المقلوب ثم المجهول (تدریب الراوی ص ۱۲) کہ بدترین حدیث جعلی ہے پھر مقلوب اور پھر مجہول اور فریق ثانی تو اس روایت کو لے کر تمام دنیا کو چیلنج دے کر ان کی نمازوں کو باطل ٹھہراتا ہے۔

اعترض ابن مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ نافع بن محمود ثقہ تھے اور اس کے دلائل یہ ہیں (۱) علامہ ذہبیؒ نے اپنی کتاب کاشف میں ان کو ثقہ لکھا ہے (۲) امام ابن حبانؒ اور دارقطنیؒ ان کو ثقہ سمجھتے ہیں۔ امام دارقطنیؒ کی توثیق کا حوالہ مولف خیر الکلام نے بھی ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو ص ۲۱۳) (۳) نافع سے محمول اور حرام بن حکیمؒ روایت کرتے ہیں لہذا یہ مستور نہ ہوں گے (۴) اگر مستور بھی ہوں تب بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مستور کی حدیث حجت ہے (شرح نخبۃ الفکر ص ۱) (۵) ابن حبانؒ نے جو حدیثہ معللہ کہا ہے وہ نسخہ ثابت نہیں ہے (۶) بلکہ یہ علامہ ذہبیؒ کا وہم ہے۔
 و محصلہ تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۵۷ و ۵۹ و ۱۲۹۔

الجواب :- مبارکپوری صاحبؒ کی پیش کردہ یہ جملہ شقیں مردود ہیں علی الترتیب ہر ایک کا جواب نیچے (۱) کاشف ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی اگر علامہ ذہبیؒ نے نافعؒ کو اس میں ثقہ لکھا ہے تب بھی یہ میزان کے حوالہ حدیثہ معللہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اصول حدیث کے رو سے ثقہ راویوں کی حدیث بھی معلل ہو سکتی ہے جس کا باحوالہ ذکر عنقریب آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ (۲) امام ابن حبانؒ اور دارقطنیؒ کا توثیق رجال کے بارے میں مسلک ہی جمہور محدثین سے الگ ہے جمہور تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی راوی سے دو راویوں نے روایت کی ہو اور اس کی توثیق کسی سے ثابت نہ ہو (حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ متفرد خود یا غیر جب کہ توثیق کا اہل ہو اور اس کی توثیق کرے تو صحیح قول پر وہ ثقہ ثابت ہو جائے گا۔ شرح نخبۃ الفکر ص ۱) اور اسی قاعدہ کے مولف خیر الکلام نے ص ۲۳۶ میں سہارا لیا ہے لیکن شرح شرح نخبۃ الفکر ص ۱ میں اسی قول کے رد میں لکھا ہے کہ الصحیح الذی علیہ اکثر العلماء من اهل الحدیث وغیرہم انہ لا یقبل مطلقاً کہ اکثر محدثین وغیرہم کے نزدیک مطلقاً یہ توثیق غیر مقبول ہے) تو وہ مجہول اور مستور ہی رہتا ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ

ان ردی عنہ اثنان فصاعداً ولو ان کسی شخص سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت

يؤثق فهو مجهول الحال وهو المستور

(شرح نجمة الفكر ص ۷)

ہوتا ہے اور وہی مستور کہلاتا ہے

اور امام ابن الصلاح (المتوفی ۶۴۲ھ) نے نچلے دور رویوں کے عادل ہونے کی قید بھی لگائی ہے

(شرح شرح نجمة الفكر ص ۵۲ اطبع مصر) لیکن امام ابن حبان اور دارقطنی فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص سے دور رویوں نے روایت کی ہو تو وہ مجهول نہیں رہتا اور اس کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے چنانچہ امام دارقطنی لکھتے ہیں کہ

وارتفاع اسم الجہالة له عنه ان يروى عنه رجلاون فضاء فاذا كان هذه صفة ارتفع عنه اسم الجہالة و صار حينئذ معروفاً (دارقطنی طبع ۲ ص ۳۶)

راوی سے جہالت کا اسم اس وقت اٹھتا ہے جب کہ اس سے دو یا دو سے زیادہ راوی روایت کریں جب ایسا ہو تو اس سے جہالت کا اسم مرتفع ہو جاتا ہے اور وہ راوی معروف ہو جاتا ہے۔

اور علامہ سخاوی (المتوفی ۹۰۲ھ) نے ان کا مسلک یوں نقل کیا ہے کہ

من روى عنه ثقتان فقد ارتفعت جہالته وثبتت عدالته (فتح المغیث ص ۱۳)

جس شخص سے دو ثقہ راوی روایت کریں تو اس سے جہالت رفع ہو جاتی ہے اور اسکی عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جمہور کے نزدیک اس صورت میں راوی اگرچہ مجهول العین نہیں رہا مگر مجهول الثبوت اور مجهول الحال بدستور ہے گا۔ لیکن امام دارقطنی وغیرہ کے نزدیک باوجود مجهول الحال اور مستور ہونے کے وہ عادل ہو جاتا ہے اور اس کی حدیث حسن، صحیح اور حید ہو جاتی ہے اور جمہور نہ تو اس کو ثقہ اور عادل تسلیم کرتے ہیں اور نہ اس کی روایت کو قبول کرتے ہیں چنانچہ علامہ خطیب الشافعی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں کہ :-

قلت الا انه لا يثبت له حكم العدالة بروايتهم عنه وقد زعم قوم ان عدالته تثبت بذلك ونحن نذكر فساد قولهم بمشيئة الله وتوفيقه الكفاية في علم الرواية ص ۸۹)

میں کہتا ہوں کہ ایسے مجهول راوی سے دور رویوں کی توثیح لینے سے اسکی عدالت ثابت نہیں ہو سکتی اور ایک قوم نے رسول ابن حبان اور دارقطنی وغیرہ مقدر یہ خیال کیا ہے کہ اس طرح اس کی عدالت ثابت ہو جائے گی مگر ہم انشاء اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس قول کا فساد اور بطلان ذکر کریں گے۔

اور جو مسک امام دارقطنی کا ہے سو وہی نظریہ امام ابن حبان کا ہے چنانچہ اسی تصریح موجود ہے کہ۔

وتبعه ابن حبان اذ العدل عنده من
لا يعرف فيه الجرح رشرح شرح نجمة الفكر ملك
ابن حبان بھی اسی نظریہ کے حامی ہیں کیونکہ ان کے نزدیک
بھی ثقہ وہ ہے جس پر کوئی جرح معلوم نہ ہو۔

علامہ ذہبی عمارۃ بن حدید کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ

انہ مجهول۔ ولا تفرح بذكر ابن حبان
له في الثقات فان قاعدته 'معروفة من
الاحتجاج لمن لا يعرف (میزان جلد ۲ ص ۲۲۲)
وہ مجہول ہے اور اس پر خوش مت ہو کہ ابن حبان نے
اس کو ثقافت میں ذکر کیا ہے اس لیے کہ ان کا قاعدہ
ہی مشہور ہے کہ مجہول راویوں سے بھی احتجاج کر لیتے ہیں۔
اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ

ويحي الكندي غير معروف ذكره البخاري
وابن ابى حاتم ولم يذكر فيه جرحاً
وذكره ابن حبان في الثقات كعادته
فيمن لم يجرح رفتح الباري ۱۶ ص ۵۵ باب
ما يحل من النساء وما يحرم
یحییٰ الکندی مجہول ہے امام بخاری اور ابن ابی حاتم
نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن اس پر انہوں نے جرح ذکر
نہیں کیا اور ابن حبان نے اس کو ثقافت میں لکھا ہے
جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ جن راویوں پر جرح نہیں
ہوتی وہ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔

ان تمام ٹھوس ہمالوں سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ جس راوی کو امام دارقطنی اور امام ابن حبان
ثقہ اور عادل کہتے ہیں وہ جمہور کے نزدیک بدستور مجہول الحال اور مستور رہتا ہے اس لیے ان
کے نافع اگر ثقہ کہتے ہیں اور جمہور کے اس کو مستور اور مجہول کہنے میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ
نقصیں میری اور رقیب کی راہیں جدا جدا آخر کو ہم دونوں درجہ ناماں پر جا ملے

یہی وجہ ہے کہ ابن حبان کو متساہل گردانا گیا ہے چنانچہ علامہ سخاوی لکھتے ہیں کہ امام حاکم
کی طرح ابن حبان بھی متساہل ہیں رفتح المغیث ص ۲۷۷) علامہ ابن الصلاح لکھتے ہیں کہ ابن حبان
تساہل میں حاکم کی مانند ہیں (مقدمۃ ابن الصلاح ص ۷) امام سیوطی لکھتے ہیں کہ امام ابن حبان اور
ام حاکم آساہل ہیں ایک دوسرے کا نظیر ہیں (تدریب الراوی ص ۲۲) اور خود مبارکپوری صاحب
لکھتے ہیں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابن حبان متساہل ہیں (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۷) اور مولف
خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ابن حبان نے اس کو ثقافت میں ذکر کیا ہے مگر ابن حبان کا تساہل مشہور ہے

اور اس سے بھی بڑھ کر امام دارقطنیؒ بسا اوقات ضعیف راویوں کو ثقہ اور ان کی حدیث کو بھی حسن کہہ دیتے ہیں چنانچہ ایک سند میں عبداللہ بن لبیعہ آیا ہے جو جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے اور خود امام دارقطنیؒ کو بھی اس کا اقرار ہے مگر وہ بایں ہمہ اس کی حدیث کو حسن کہتے ہیں ہذا اسناد حسن وابن لہیعۃ لیس بالقوی (دارقطنی ص ۱۳۲) محمد بن عبدالرحمن بن ابی یسلیٰ کو ایک جگہ ثقہ فی حفظہ شعی لکھتے ہیں (جلد ۱ ص ۴۶) اور دوسری جگہ ضعیف سنی المحفظ لکھتے ہیں (جلد ۱ ص ۸۹) عبدالرحمن بن ابراہیم القاصؒ کو پہلے ثقہ لکھتے ہیں اور پھر اسی صفحہ پر چند سطروں کے بعد ضعیف الحدیث لکھتے ہیں (جلد ۱ ص ۲۴۳) عبداللہ مشنیؒ کو ایک موقع پر ثقہ لکھتے ہیں اور دوسرے پر کہتے ہیں کہ وہ ضعیف (تندیب التندیب جلد ۹ ص ۳۸۸) اس جملہ بحث کو پیش نظر رکھنے سے یہ بات بخوبی سمجھ آ سکتی ہے کہ امام دارقطنیؒ اپنی قائم کردہ اصطلاح پر بھی پورے مطمئن نہیں ہیں، اور روایات کی ثقاہت اور جرح کے بارے میں وہ متردد رہے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ توضیح کی جاسکتی ہے اور ہم اس کے منکر نہیں ہیں کہ ثقہ کسی اور وجہ سے کہا اور ضعیف کسی اور وجہ سے مگر رد و توراہی اور ہم امام دارقطنیؒ کی فن حدیث میں امامت کے منکر نہیں ہیں مؤلف خیر الکلام نے بے سود عبارتیں ان کی امامت منوانے کے لیے نقل کی ہیں اختلاف صرف ان کی اصطلاح سے ہے اور صرف ہمیں ہی نہیں جمہور محدثین کو ہے۔ (۳) مبارکپوری صاحب نے امام دارقطنیؒ وغیرہ کی اصطلاح لے کر جمہور کے گلے بٹھانے کی بے جا سعی کی ہے تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے کہ جمہور کے نزدیک ایسا راوی مستور ہی رہتا ہے اور اس کی حدیث مقبول نہیں ہوتی اور خود امام ابن حبانؒ باوجود متبادل ہونے کے نافع کی حدیث کو معلول قرار دیتے ہیں مؤلف خیر الکلام کا یہ جواب کہ ابن حبانؒ نے معلل ہونے کی وجہ بیان نہیں کی اور وہ متشدد ہیں (ص ۲۳۱) بالکل غیر تسلی بخش ہے کیونکہ اس کی وجہ شیخ الاسلام نے بحوالہ امام احمدؒ وغیرہ ائمہ حدیث بیان کر دی ہے علاوہ ازیں اگر معلل کہنے میں متشدد ہیں تو ان کو ثقہ کہنے میں متساہل بھی تو ہیں کہ امامؒ اور بعد کے جن حضرات نے نافع کی سند کو صحیح یا حسن کہا ہے اس میں انہوں نے اعتماد دارقطنیؒ وغیرہ پر کیا ہے اور ان کی مستور کے بارے میں اصطلاح باحوالہ گذر چکی ہے جس کے رُو سے جمہور کے نزدیک مستور مستور ہی رہتا ہے اور جرح کرنے والے محاط عارف باسباب الجرح اور غیر متعصب ہیں اس لیے قاعدہ کے

رو سے امام طحاویؒ، حافظ ابن عبد البرؒ، امام ابن قدامہؒ علامہ مارینیؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کی جرح
 مقدم ہوگی اور نافعؒ بہر کیفیت مجہول ہی ہوں گے۔ مولانا میر صاحب نے علامہ ابن حزمؒ کی کتاب
 محلی جلد ۲ ص ۲۴۱ سے نافعؒ کی ثقاہت نقل کی ہے (ملاحظہ ہو گلدستہ ص ۱۱) لیکن علامہ ابن حزمؒ
 کا معاملہ بھی روایت کی توثیق و تضعیف کے بارے میں بڑا ہی نزاع ہے، چنانچہ وہ امام ترمذیؒ کو بھی
 ایک جگہ مجہول کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۲۸۸) یہی وجہ ہے کہ ناقدین رجال حافظ ذہبیؒ
 سیر النبلا میں لکھتے ہیں کہ میں ابن حزمؒ سے محبت بھی کرتا ہوں کہ وہ صحیح حدیث سے محبت کرتے
 ہیں اور اس کی معرفت بھی رکھتے ہیں لیکن وان کنت لہ اوافقہ، فی کتیر من مایقولہ فی
 الرجال والعلل والمسائل البشعة فی الاصول والفروع واقطع بخطائہ فی غیر مسئلہ
 ولكن لہ اقرہ ولہ اضللہ، وارجولہ العفو والمسامحۃ اور بحوالہ مقدمہ تحفۃ العرفی
 ص ۱۶۹ میں ان کی موافقت نہیں کرتا ان بہت سے امور کے بارے میں جو وہ روایت اور علل کے
 کے بارے میں کہتے ہیں اور اسی طرح ان کے اصول و فروع میں بہت سے ناپسندیدہ نظریات ہیں
 اور میں بہت سے مسائل میں ان کو یقیناً خطا کا سمجھتا ہوں مگر پھر بھی ان کی تکفیر و تضلیل نہیں کرتا۔ اور
 اللہ تعالیٰ سے ان کی عفو و درگزر کا امیدوار ہوں (۴) یہ بالکل غلط ہے کہ امام ابو حنیفہؒ مستور کی
 روایت کو محبت سمجھتے ہیں۔ حافظ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں کہ صحیح مسک یہ ہے کہ مستور کی روایت
 فاسق کی طرح مردود ہوگی جب تک اس کی عدالت ثابت نہ ہو جائے اس کی حدیث حجت نہیں
 ہو سکتی، حضرت امام ابو حنیفہؒ سے ایک غیر ظاہر روایت یہ ہے کہ حسن کو سلف نے روز کیا ہو وہ مقبول
 ہے لیکن ظاہر روایت وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی (تحریر الاصول ص ۳۱۶) امام سراج الدین ہندی
 حنفی لکھتے ہیں کہ مستور حدیث کے سلسلہ میں باتفاق علماء احناف فاسق کی طرح مردود ہے۔
 اس لیے کہ حدیث میں کافی سے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، اہل پانی کے مسئلہ میں اختلاف ہے
 کہ مستور کی خبر پانی کی نجاست اور طہارت کے سلسلہ میں مقبول ہے یا مردود؟ (ہامش تلوح ص ۴۴)
 مستور کی حدیث کے بارے میں یہی مسک صاحب حسامی ص ۱ (علامہ حسام الدین المتوفی ۶۴۴ھ)
 اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی (وغیرہ) بھی نقل کرتے ہیں (مقدمہ مشکوٰۃ ص ۵) اور علامہ زبیدیؒ
 لکھتے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک مجہول کی روایت مردود ہے (عقود الجواہر المنیفة ص ۱) لہذا امام ابو حنیفہؒ

کا مستور کی حدیث کے بارے میں صحیح مسک وہ ہے جو علماء احناف نے پیش کیا ہے نہ کہ وہ جو حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے کیونکہ مشہور ہے صاحب البیت ادنیٰ بہا فیہ (۵) حدیثہ معلل کا نسخہ یقیناً ثابت ہے لہذا اس لیے کہ علماء احناف کی طرف سے جب یہ سوال ہوا کہ میزان الاعتدال کے بعض نسخوں میں وہ عبارت موجود نہیں ہے جس میں ابن عدی نے حضرت ام ابو حنیفہ کی تضعیف کی ہے اور جس کو علامہ ذہبی نے میزان میں نقل کیا ہے (علامہ ذہبی نے حضرت ام ابو حنیفہ کے متعلق اپنا فیصلہ مذکورۃ الحفظ میں درج کیا ہے جو مقدمہ میں نقل ہو چکا ہے اور اس مضمون پر ہماری مبسوط کتاب مقام ابی حنیفہ دیکھیں) تو مبارکپوری صاحب اس کا جواب یوں ارقام فرماتے ہیں۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ ام صاحب کا ترجمہ بعض نسخوں میں ہونا اور بعض میں نہ ہونا اس کے الحاقی و غیر معتبر ہونے کی دلیل نہیں کتب حدیث میں متعدد روایات اور عبارات ایسی موجود ہیں جو بعض نسخوں میں نہیں اور بعض میں ہیں مگر کوئی بھی ان عبارات کو الحاقی نہیں بتلاتا الا ان قال الحاصل میزان کے بعض نسخوں میں ام صاحب کے ترجمہ کا ہونا اور بعض میں نہ ہونا اس کے الحاقی ہونے کی دلیل نہیں (بلفظہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۵۸ و مثله فی الالبکار ص ۱۱) مبارکپوری صاحب ہی ازراہ النص فرمائیں کہ کیا یہ قاعدہ صرف حضرت ام ابو حنیفہ کے لیے ہی محدود ہے یا حدیثہ معلل کا نسخہ بھی اس سے ثابت ہو سکتا ہے؟ فرمائیے بات کیا ہے؟

وفا کا اپنی ثبوت کیا دوں یہ میری الفت کی انتہا۔ کہ جس کو وہ چاہتے ہیں مہم میں خیر اس کی منار ہوں
 وثاباً حدیثہ معلل کا نسخہ صرف علامہ ذہبی اور ابن حبان ہی سے منقول نہیں بلکہ دیگر جلیل القدر محدثین بھی نقل کرتے ہیں چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں وہذا الحدیث معلل
 عن ائمة الحدیث کا حد وغیرہ من الائمة (فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۵) کہ اس حدیث کو ام احمد بن حنبل وغیرہ دیگر ائمہ حدیث نے معلول قرار دیا ہے۔

مبارکپوری صاحب کے نزدیک یہ نسخہ بھی ثابت ہے یا اس کے اثبات کا بھی کوئی اور رنگ
 ڈھنگ ہوگا؟ (۶) وہم خطاً اور نسیان تو انسان کے خمیر میں داخل ہے ان سے وہی محفوظ ہے گا
 جس کو خدا تعالیٰ پھلے گا لیکن بلا دلیل علامہ ذہبی جیسے ناقدین فن رجال پر وہم کا الزام سنا کون
 ہے؟ حافظ ابن حجر نے تو یہ کہا ہی تھا لیکن مبارکپوری صاحب بھی اس کے کہنے پر مجبور ہیں۔

الذہبی ہومن اہل استقرا التام فی نقد اسماء الرجال تحقیق جلد ۱ ص ۱۵۱ الباری تحفۃ
 الاحوذی جلد ۲ ص ۲۵۱ علامہ ذہبیؒ وہ ہیں جن کو نقد اسماء الرجال میں کامل ملکہ حاصل ہے، جب علامہ ذہبیؒ
 کو روایت اور رجال کے پرکھنے کی مکمل مہارت حاصل ہے اور ان کے بعد آنے والے جملہ حضرات محدثین
 کرامؒ ان پر اس فن میں کئی اعماد کرتے ہیں، تو ان پر بلاوجہ یہ الزام کیوں عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ان کا
 وہم ہے؟ بہر حال اگر نافع بن محمودؒ کو بعض محدثین نے ثقہ بھی کہا ہو تب بھی اس کی حدیث محلل
 ہو سکتی ہے چنانچہ امام حاکم سیوطیؒ اور علامہ جزائریؒ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ بسا اوقات ثقہ
 راوی کی حدیث بھی محلل ہو سکتی ہے (معرفة علوم الحدیث ص ۵۹، تدریب الراوی ص ۴۸
 توجیہ النظر ص ۱۳) اور نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ صحت مند صحت متن
 کو مستلزم نہیں ہے اور یہ محدثین کے نزدیک معروف و مشہور ہے۔ (دلیل الطالب ص ۶۱۸)
 مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں صحت اسناد صحت متن کو مستلزم نہیں ہے (ابکار المنن ص ۲۰۲ و
 تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۲) اور حافظ عبد اللہ صاحب روپڑی لکھتے ہیں کیونکہ یہ بات ظاہر ہے
 کہ استاد کے حسن ہونے سے حدیث اس وقت حسن ہو سکتی ہے جب حدیث میں کوئی اور عیب
 نہ ہو اور یہاں اور عیب موجود ہے چنانچہ صاحب ابن حجرؒ نے اس کو معلول کہا ہے۔ (ضمیمہ
 تنظیم اہل حدیث روپڑی ص ۱۶) اور مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ پس اگر ایک متن شاذ ہو یا اس
 میں کوئی علت ہو یا ارسال والقطع کی صورت ہو تو یہ احادیث اگرچہ اول درجہ کے ثقہ راویوں سے
 ہوں پھر بھی ضعیف ہونگی۔ (ص ۱۸۴) جب مذکورہ بالا دلائل اور براہین سے یہ بات ثابت ہو گئی
 کہ نافع مذکورہ پستور مستور میں تو نافع کی حدیث کسی طرح بھی فریق ثانی کو نافع نہیں ہو سکتی بعض لوگ
 اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ تعدد طرق سے جبر نقصان ہو جائے گا اور حدیث حسن لغیرہ کو پہنچ جائیگی
 مگر یہ بھی باطل ہے، چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ حدیث کے درالضعف
 اندرونے کذب یا ترک یا جمالت راوی آمدہ است اس چہ حدیث باوجود تعدد طرق درخور اخذ
 عمل نیست خواه در احکام باشد خواه در فضائل اعمال (انتہی۔ بلفظ دلیل الطالب ص ۸۸۴) نواب
 صاحب کے کلام نے جو درحقیقت کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق ہے یہ بات بالکل آشکارا
 کر دی ہے کہ وہ روایات جن میں کذاب، دجال، متروک اور مجہول و مستور راوی ہوں خواہ وہ کتنی

ہی زیادہ کیوں نہ ہوں مگر باوجود تعدد طرق کے نہ تو اثبات احکام کے لیے وہ قابل التفات ہو سکتی ہیں اور نہ فضائل اعمال کے لیے وہ اس قابل ہی نہیں کہ ان کی طرف نگاہ بھی اٹھائی جائے۔ زندہ باد نواب صاحب :-

چوتھا جواب یہ حدیث مضطرب ہے

کیونکہ محمول جو بیس بالمتین ہیں سند میں گھر بڑھی کرتے ہیں کبھی وہ تو براہ راست حضرت عبادہ بن صامت سے روایت کرتے ہیں (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۱ و کتاب القراءة ص ۱۱۱) اور کبھی نافع بن محمود بن ریح کے واسطے سے (ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۱۹ و کتاب القراءة ص ۱۱۳) اور کبھی محمود بن ریح عن ابی نعیم عن عبادہ کے واسطے سے (مسند رک جلد ۱ ص ۲۳۸) اور کبھی نافع بن محمود عن محمود بن عبادہ کے طریق سے (اصابہ جلد ۱ ص ۶۱) اور کبھی رجاء بن حبیب عن محمود بن ریح عن عبادہ کے طریق سے (ایضاً) مؤلف خیر الکلام نے کہا کہ ممکن ہے کہ محمول اور نافع کی روایت بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طریق سے ہو (محصلاً ص ۲۳۸) الجواب :- ممکن تو ہے مگر کسی صحیح سند سے اس کا اثبات ضروری ہے جو ندارد۔ اور پھر ابو نعیم میں بھی اختلاف ہے، امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ وہب بن کیسان تھے (مسند رک جلد ۱ ص ۲۳۸) اور ابوداؤد اور دارقطنی کہتے ہیں کہ یہ ابو نعیم مؤذن تھے جلد ۱ ص ۲۲۱) مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ابو نعیم کے ذکر میں راوی نے غلطی کی ہے (ص ۲۳۸)

الجواب :- بس اسی طرح کی غلطی بعض شامی راویوں نے کہ ڈالی ہے کہ موقوف کو مرفوع سے خلط ملط کر دیل ہے قول اور فہم حضرت عبادہ کا تھا اور بنا حدیث ڈالی ہے، رافق کہتا ہے کہ ابو نعیم محمود بن ریح کی بھی کیفیت تھی (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۶۳) حافظ ابن حجر نے اصابہ جلد ۱ ص ۳۸۶ میں بقول مؤلف خیر الکلام محمود کی کیفیت ابو محمد بتائی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے مگر اختلاف کی نفی تو نہیں کی جس روایت کی سند میں ایسا کھلا اضطراب ہو وہ کیونکر قابل احتجاج ہو سکتی ہے ؟۔ (الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۶۴ و بذل المجہود جلد ۲ ص ۵۶ و فتح الملم جلد ۲ ص ۲۶) وغیرہ) نواب صاحب لکھتے ہیں کہ حدیث کا مضطرب ہونا اکثر اہل علم کے نزدیک حدیث کے مجروح اور کمزور ہونے کا سبب ہے (دلیل الطالب ص ۶۱۸) اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ضعیف حدیث کی قسموں میں سے ایک حدیث مضطرب بھی ہے (ایضاً ص ۸۸۲) اور مولانا مبارک پوری صاحب بھی دیگر

حضرات محدثین کو ائمہ کی طرح اس قاعدہ اور ضابطہ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث مضطرب قابل
احتجاج نہیں ہو سکتی (دریکھے تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۲۰ وغیرہ)

اعترض :۔ مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ محض اختلاف کی وجہ سے اضطراب نہیں ہوتا
اضطراب کے لیے دو شرطیں ہیں اور یہاں وہ دونوں مفقود ہیں (۱) اختلاف کے وجوہ برابر ہوں (۲)
اختلاف کا جمع کرنا معتذر ہو اور یہاں جمع کرنا معتذر نہیں ہے کیونکہ جب حدیث کے سنہ اور مسل
ہونے کا اختلاف ہو تو حدیث مندرجہ مندی ہوگی؟ لہذا اضطراب کیسے؟ (ابکار ص ۱۲ اور مؤلف خیر الکلام
نے بھی یہی کچھ کہا ہے ص ۲۳۸)۔

جواب :۔ مبارکپوری صاحب کا یہ ارشاد بھی صرف دفع الوقتی ہے اور یہ دونوں شقین باطل
ہیں پہلی تو اس لیے کہ طرفین کے نزدیک ان روایتوں کے وجوہ برابر ہیں، مبارکپوری صاحب اور
ان کی جماعت کے نزدیک تو ما شاء اللہ تعالیٰ محمد بن اسحاق محمول نافعہ اور دیگر جو راوی ان کی متابعت
میں پیش کئے گئے ہیں سب ثقہ اور قابل اعتماد ہیں ورنہ وہ ان کی روایتوں سے ہرگز استدلال نہ کرتے وہ
ان روایات میں سے کس کو راجح اور کس کو مرجوح اور کس کو ثقہ اور ضعیف کہیں گے؟ اور ہمارے نزدیک
بھی وہ ضعیف اور محذور اور غیر معتبر ہونے میں برابر ہیں یہ الگ بات ہے کہ ان میں کوئی کذاب
ہے اور کوئی دجال، کوئی مجہول ہے اور کوئی مترک کوئی لیس بالمتین ہے اور کوئی ضعیف اور
ہمارے نزدیک بھی کسی کو کسی پر ترجیح نہیں ہے لہذا اتفاق فریقین وجوہ برابر ہیں اور حدیث لقیثاً
مضطرب ہے، اس میں شک نہیں مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ترجیح بعض دفعہ خارجی امور سے بھی
ہوتی ہے (ص ۲۴) مگر اس وقت جب روایتیں صحت میں برابر ہوں ضعیف روایات میں
تطبيق کی کیا ضرورت ہے؟ اور دوسری شق اس لیے مردود ہے کہ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ جب
حدیث کے سنہ اور مسل ہونے کا جھگڑا ہو تو حدیث مندرجہ مندی ہوگی لیکن اس کے لیے اصولی اور
بنیادی شرط یہ بھی تو ہے کہ رفع کرنے والا راوی ثقہ ہو اور اس کی سند صحیح ہو اور ان پیش کردہ
روایات میں کوئی سند بھی صحیح نہیں ہے اور راوی کوئی کذاب و دجال ہے اور کوئی مجہول و مترک
کوئی مدلس ہے اور کوئی غیر معتبر۔ اندر میں حالات ان روایت کو صحیح قرار دینا نہ صرف یہ کہ تعصب
پر مبنی ہے بلکہ انصاف کا بھی خون کرنا ہے۔

پانچواں جواب یہ روایت مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے۔

یہ روایت خلف الامام کی قید سے موقوف ہے چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں :-

وضعہ ثابت بوجودہ وانما هو قول عبادة ^{رضی اللہ عنہ} کہ یہ حدیث کئی وجوہ سے ضعیف اور معلول ہے اور

یہ مرفوع بھی نہیں بلکہ حضرت عبادة بن الصامت کا قول ہے۔

بن الصامت (تنوع العبادات ص ۵۸)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل وغیرہ اکثر حدیث نے معلول قرار

و هذا الحديث معلل عن الثمة الحديث

دیا ہے اور کسی دوسرے مقام میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ اسکا

کا حمد وغیرہ من الاثمة وقد بسط الكلام

ضعف بیان کیا گیا ہے اور اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ آنحضرت

على ضعفه في غير هذا الموضع وبين

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیث جو بخاری و مسلم میں موجود ہے

ان الحديث الصحيح قول رسول الله صلى

اور جس کو امام زمخشری، محمود بن ربيع کے طریق سے حضرت عبادة سے

عليه وسلم لا صلوة الايام القران فهذا هو

روایت کرتے ہیں صرف یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز

الذي اخرجاه في الصحيح ورواه الزهري

نہیں ہوتی، رہی یہ حدیث جس میں خلف الامام کی زیادتی

عن محمد بن الربيع عن عبادة اما الحديث

ہے۔ تو اس میں بعض شامی راویوں کی غلطی شامل ہے

فغلط فيه بعض الشاميين واصله ان

وہ یہ کہ حضرت عبادة بن الصامت نے ایک دن بیت المقدس

عبادة كان يوما في بيت المقدس فقال

میں یہ حدیث بیان کی اور اپنا قول خلف الامام کی قید والا بھی

هذا فاشتبه عليهم المرفوع بما مرفوع

انہوں نے بیان کیا سو راویوں پر مرفوع حدیث اور موقوف

على عبادة اه

قول مشتبہ اور غلط غلط ہو گیا۔

(فتاویٰ جلد ۲ ص ۱۵۱)

شیخ الاسلام کی یہ عبارت نص صریح ہے کہ کمزور ضعیف اور یس بائستین قسم کے راویوں

نے حضرت عبادة بن الصامت کے موقوف قول کو جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرفوع

حدیث میں ملا دیا ہے حالانکہ مرفوع حدیث میں خلف الامام کا ذکر تک نہیں ہے۔ القصہ

خلف الامام کی قید سے روایت مرفوع نہیں بلکہ یہ غلط کار راویوں کی کرم فرمائی ہے۔ اور اسی

کے بل بوتے پر فریق ثانی چیلنج کرتا ہے مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام کے اس حدیث

کو معلل کہنے کی وجہ ان کے خیال میں محمول کا تفسر ہے اور مرفوع و موقوف میں کوئی تعارض

نہیں مرفوع کو ترجیح ہوتی ہے خود بعض حنفیہ کو اس کا اقرار ہے (محصلاً ص ۲۴) الجواب :- شیخ الاسلام
تقریباً کی وجہ سے نہیں بلکہ اس راوی کی کھلی غلطی کی وجہ سے اس حدیث کو معطل کہتے ہیں اور مرفوع کو موقوف
پر وہاں پر ترجیح ہوتی ہے جہاں مرفوع کی سند صحیح ہو اور یہاں بخاری وغیرہ کی روایت کو وہ صحیح اور غلط
والی کو معطل قرار دے رہے ہیں۔

چھٹا جواب الإبام القرآن کی استثناء ضعیف ہے

جن حدیثوں میں خلف الامام اور الابام القرآن وغیرہ کی زیادت مروی ہے اور جو نقل کی جا چکی
ہیں ان کی روایتی حقیقت تو آپ کو معلوم ہو چکی ہے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے بقیہ کا حال
سن لیجئے، ایک روایت حضرت ابو قتادہ سے مروی ہے جس میں الابام القرآن کی استثناء
مذکور ہے لیکن علامہ بشیریؒ لکھتے ہیں فیہ رجل لم یسہ (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱) کہ اس میں مجہول
راوی ہے۔ ایک مرفوع روایت حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے اور اس میں بھی الابام القرآن
کی زیادت مروی ہے لیکن سند میں مسلمہ بن علیؓ ہے جو ضعیف ہے (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱) امام
ابن معینؒ اور دحیمؒ اس کو لیس بستی کہتے ہیں امام بخاریؒ اور ابو زرہؓ منکر الحدیث کہتے ہیں ،
ابن حبانؒ اس کو ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث کہتے ہیں ، جو زقانیؒ ، یعقوب بن سفیانؒ ،
نسائیؒ ، دارقطنیؒ اور برقانیؒ سب اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں ابو علی نیشاپوریؒ ، ابن عدیؒ اور
ابن یونسؒ سب اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ ابو احمد حاکمؒ اس کو ذاہب الحدیث کہتے ہیں ازہدیؒ
ابن المنادیؒ ، ساجیؒ ، ابو داؤدؒ ، اور حاکم تمام اس کی تضعیف کرتے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ منکر اور جعلی
ومن گھڑت روایتیں بیان کیا کرتا تھا۔ (تذیب التذیب جلد ۱ ص ۱۳۶) ایک روایت اسی
مضمون کی مجھ صغیر طبرانی ص ۱۳۳ میں آتی ہے لیکن سند میں عبداللہ بن لیثؓ ہے جس کا ذکر کبریٰ
خداج میں ہو چکا ہے اسی مضمون کی ایک روایت جزا القرآءة ص ۱۴ کتاب القرآءة ص ۴۶ ، ص ۵۳
اور تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۹۳ میں ہے لیکن اس کی سند میں عمرو بن شعیبؓ الخ کے علاوہ عکرمہ بن عمارؓ
ابن حجر ان کو غلط کار بتاتے ہیں (تقریب ص ۲۶۸) امام احمدؒ اس کو ضعیف الحدیث کہتے ہیں ۔
(میزان جلد ۲ ص ۲۰۶) ایک روایت یہ پیش کی گئی ہے کہ حضرت جہرہؓ نے فرمایا میں نے آنحضرت صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرآت کی آپ نے فرمایا جہرہ اپنے پروردگار کو سناؤ مجھے نہ سناؤ

اقلًا تو اس روایت میں آیام القرآن کی استثناء مذکور نہیں ہے و ثانیاً علامہ مٹھی لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں عبد اللہ بن جبرہ مجہول ہے لہٰذا احمد من ذکرہ (جمع الزوائد جلد ۲ ص ۱) اس کا ذکر مجھے کہیں نہیں مل سکا الغرض آیام القرآن کی استثناء کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے چنانچہ اہم الجرح والتعديل امام ابن معین فرماتے ہیں کہ آیام القرآن کی استثناء کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے (ہامش نسائی جلد ۱ ص ۱۰۶ و اعلیٰ السنن جلد ۳ ص ۱۱) الحاصل صحیح روایت صرف وہی ہے جو بخاری اور مسلم وغیرہ میں موجود ہے جس میں نہ تو خلف الامام کا ذکر ہے اور نہ خلف الامام کے بعد آیام القرآن کا یہوند موجود ہے، ہاں اس کے دیگر طرق میں فضا عدلاً ما تیسرا اور ما زاد کی زیادت بند صحیح موجود ہے اور یہ ضعیف، کمزور اور لیس بالمتین قسم کے راویوں کی کارستانی ہے کہ وہ کبھی تو آیام القرآن کا اضافہ کر دیتے ہیں اور کبھی خلف الامام کا پتھر ساتھ لگا دیتے ہیں بخلاف ثقہ، ثبت اور حجت قسم کے راویوں کے کہ وہ پوری دیانت اور صداقت کے ساتھ مرفوع روایت کو اس طرح نقل کرتے ہیں :-

كل صلاة لا يقدر فيها بام الكتاب فهي
خداج الا خلفت امام (كما تم مفصلاً)
کہ ہر وہ نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو وہ ناقص
ہوتی ہے ہاں البتہ وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے۔

ساتواں جواب لفظ خلف امام مدرج ہے

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے حوالہ سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ خلف الامام کا جملہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان نہیں بلکہ یہ حضرت عبادہ بن الصامت کا قول ہے اور بعض غلط کارواویوں نے اس کو مرفوع حدیث میں درج کر دیا ہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری (المتوفی ۱۳۲۶ھ) فرماتے ہیں کہ خلف الامام کا لفظ شاذ ہے کیونکہ ثقافت محدثین اس کو نقل نہیں کرتے امام بیہقی وغیرہ نے گو اس حدیث کے صحیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ (اور اس کے اثبات کیلئے ہاتھ پاؤں بھی مائے ہیں۔ صفت)

مگر یہ زیادت بہر حال ضعیف ہے (بذل الجرح جلد ۲ ص ۵۵) حضرت مولانا سید محمد الزہد شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ لفظ خلف الامام یقیناً اور قطعاً مدرج ہے اگر کوئی شخص اس کے مدرج ہونے پر قسم کھائے تو وہ ہرگز حاشیہ نہ ہو گا (فصل الخطاب ص ۱۹) مولف خیر الکلام کا اس دعوائی اور ارج کو صریح جھوٹ کہتا (ملاحظہ ہو ص ۲۲۹) ترا تعصبت جو قطعاً مردود ہے شیخ الاسلام کی عبارت پہلے گزر چکی ہے اور

اس پر ائمہ حدیث کے ٹھوس دلائل قائم کیے ہیں نرسے احتمال سے اور ارجح کا دعویٰ نہیں ہے۔ اور حافظ ابن حجر کے حوالے کہ محض احتمال سے اور ارجح ثابت نہیں ہو سکتا بالکل صحیح ہیں مگر یہ اور ارجح احتمال سے نہیں بلکہ دلائل سے ثابت ہے۔ فریق ثانی کے نزدیک زہریؒ بھی اپنا قول حدیث میں بلا دیا کرتے تھے شاید کہ خلف الامام کا لفظ انہوں نے بلا دیا ہو اور بقول شیخ الاسلام شامی راویوں کی غلطی بھی کوئی محض بات نہیں اور کیا بعید ہے کہ یہ محمد بن اسحاق کے دجل اور کذب کا ہی کمرشمہ ہو اور محمد بن یحییٰ الصفا پر کس نے یہ پابندی عائد کی ہے کہ وہ اس زیادت کو بطور تفقہ کے استاد محترم کی طرح اس حدیث میں مدرج نہ کر سکیں؟ بہر حال کوئی بھی اس کا مرتکب ہوا ہو یہ یقینی بات ہے کہ خلف الامام کا لفظ مدرج ہے اور راقم کتابتہ کہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ محمول کا مدرج ہے کیونکہ محدثین کی ایک جماعت ان میں کلام کرتی ہے اور وہ لیس بالمتین بھی تھے اور محمول کا شامی ہونا اظہر من الشمس ہے اور نظریہ ظاہر شیخ الاسلام کی عبارت کا رخ بھی انہیں کی طرف ہے اور یہ قرین انصاف بھی ہے اس لیے کہ امام زہریؒ سے ثقافت اور حفاظت کی ایک جماعت یہ روایت نقل کرتی ہے اور ان کی روایت میں خلف الامام کا لفظ نہیں لیکن جب محمول روایت کرتے ہیں تو اس میں خلف الامام کا یہوند بھی ساتھ ہی ملتا ہے۔ اب آپ نہایت اختصار کے ساتھ اجمالی طور پر ان راویوں کا ذکر سن لیں جو امام زہریؒ سے روایت کرتے ہیں مگر خلف الامام کا پہنچر ساتھ نہیں ملاتے۔

- (۱) امام سفیان بن عیینہ (مسلم جلد ۱۹ ص ۱۱۹ و البوعوانہ جلد ۲ ص ۲۴۴ و جزأ القراءۃ ص ۱) (۲)
 امام یونس (مسلم و البوعوانہ جلد ۲ ص ۱۲۵) (۳) امام صالح (مسلم، البوعوانہ ص ۱۴۴) (۴)
 امام عمر (مسلم جلد ۱۹ و البوعوانہ جلد ۲ ص ۱۲۴) (۵) امام مالک (موطأ ص ۲۹ و جزأ القراءۃ ص ۲۳ و ص ۵۵) (۶) امام ابن جریر (کتاب القراءۃ ص ۹) (۷) امام لیث بن سعد (جزأ القراءۃ ص ۲۳)
 (۸) امام قرۃ بن عبد الرحمن (کتاب القراءۃ ص ۱۱) (۹) امام عقیل (ایضاً) (۱۰) امام اسحاق بن عبد الرحمن مدنی (ایضاً) (۱۱) امام اوزاعی (ایضاً) (۱۲) امام شعیب بن ابی حمزہ (ایضاً) (۱۳) امام موسیٰ بن عقبہ (معجم صغیر طبرانی ص ۲۲) (۱۴) امام عثمان بن عمر بواسط یونس (مسند ص ۱۴۶ و کتاب القراءۃ ص ۱) وغیرہ وغیرہ یہ تمام جو حدیث فقہ کے علم امام ہیں امام زہریؒ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔ لیکن ان میں کوئی بھی خلف الامام کا ذکر نہیں کرتا اور جب محمول اور ابن اسحاق وغیرہ ضعیف کمزور اور لیس بالمتین راویوں کی

باری آتی ہے تو ان کی روایت میں خلف الامام کا بیوند اور پچھرا بھی ساتھ ہی ملتا ہے اگر ابن اسحاق وغیرہ ثقہ اور مثبت ہوتے تو ان کی یہ زیادت قابل قبول ہوتی اور جمہور کا اس پر عمل نہ ہو مگر ان حالات میں جن کا مفصل ذکر ہو چکا ہے۔ کہ وہ ضعیف اور لیس بالمتین ہیں اس زیادت کی کیا وقعت باقی رہ جاتی ہے؟ اور اس کو سننے کے لیے کون آمادہ ہے؟ امام بیہقی لکھتے ہیں کہ محدث ابن خزیمہ کا بیان ہے کہ اگر کوئی ثقہ اور حافظ راوی زیادت بیان کرے اور دیگر ثقات حفاظ اور متقین نے وہ بیان نہ کی ہو تو ہم ایسی زیادت کا انکار نہیں کرتے لیکن اگر کوئی ایسا راوی زیادت نقل کرتا ہو جو حفظ و اتقان میں ان حفاظ اور ثقات کا ہم پلہ نہ ہو تو اس کی زیادت قبول نہیں کی جاسکتی (کتاب القراءۃ ص ۹۵) خیر یہ تو عام ثقات کی زیادت کا ذکر ہوا امام زہریؒ کی روایت میں زیادت کا ضابطہ بھی سن لیجئے جو حضرت امام نے اپنے صحیح کے مقدمہ میں بیان کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ حضرات محدثین کرامؒ کا زیادت کے بارے میں مسلک یہ ہے کہ اگر چند ثقات اور حفاظ کسی حدیث کو بیان کریں پھر ان ہی ثقات میں کوئی ثقہ زیادت نقل کرے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے تو یہ زیادت قابل قبول ہوگی لیکن اگر کوئی راوی امام زہریؒ جیسے امام سے جن کے بجز تلامذہ موجود ہیں اور حفاظ اور متقین بھی ہیں یا ہشام بن عروہؒ جیسے امام سے ان کی مروی حدیث میں کوئی ایسی زیادت نقل کرے جو ان کے قلم دیگر ثقات تلامذہ بیان نہیں کرتے اور ان کی یہ حدیث بھی اہل علم کے ہاں مشہور و معروف ہو اور زیادت نقل کرنے والا ان ثقات کے ساتھ شریک بھی نہ ہو، فقیر جائزہ قبول هذا الضرب من الناس من مقدمہ مسند جلد ۱ ص ۵) تو اس قسم کے راویوں کی زیادت ہرگز جائز نہیں ہے کہ قبول کی جائے انہیں حالات امام زہریؒ کی حدیث میں محمد بن اسحاقؒ، مکحولؒ اور نافعؒ وغیرہ کذاب و دجال ضعیف و کمزور مجہول و مستور مدلس اور لیس بالمتین وغیرہ کی زیادت کون قبول کرے؟ اس پوری تشریح کے بعد مزید کسی بحث کی ضرورت تو نہیں لیکن ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ کہ مبارک پوری صاحب حضرت عبادہ بن الصامت کی روایت (زیادت لفظ خلف الامام) کی تصحیح اور تحسین کا یہ ثبوت پیش کرتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تحسین کی ہے امام حاکمؒ اور دارقطنیؒ اس کی تصحیح کرتے ہیں امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند جدید ہے اور اس میں کوئی طعن نہیں ہے لامطعن فیہ مولانا محمد عبد الحمی صاحب لکھنویؒ لکھتے ہیں اس کی سند قوی ہے اس لیے یہ حدیث صحیح اور حسن ہے

درمحصلہ ابکار المنن وغیرہ ص ۱۲۳) اگر اس سند کے راوی ثقہ ہوتے یا ان میں معمولی کلام اور جرح ہوتی یا ائمہ جرح و تعدیل میں اکثریت نے اور ان کی توثیق کی ہوتی اور یہ اکابر اس سند کو صحیح احسن جید اور قوی کہتے تو سر اور آنکھوں پر ان کی بات حجت تھی مگر اس کو کیا کیا جاتے کہ کذاب و دو جال قسم کے راوی اس میں موجود ہیں اور تصریح حضرات محدثین احکام و سنن میں ان کی روایت حجت ہی نہیں ہو سکتی اور اس سند کی کڑی میں مجہول و ستور اور لیس یا ملتین قسم کے اور راوی بھی ساتھ شریک ہو جائیں تو اس سند میں کیا قوت باقی رہ جاتی ہے؟ خصوصاً جب کہ تصحیح اور تحسین کرنے والے متقابل بھی ہوں۔

امام ترمذی کی تحسین :- علامہ ذہبی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اس مقام میں امام ترمذی نے اس حدیث کی تحسین کی ہے لیکن اچھا نہیں کیا (تذیب التذیب جلد ۹ ص ۱۲۱) اسی طرح ابو غالب کی حدیث کی امام ترمذی نے تصحیح کی ہے علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام نسائی اس کو ضعیف کہتے ہیں اور ابن حبان کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج ہی صحیح نہیں ہے (ایضاً جلد ۱ ص ۲۲۱) حافظ ابن القیم لکھتے ہیں کہ کثیر بن عبد اللہ کی حدیث پر امام احمد نے قلم پھیر دیا تھا اور یہ فرماتے تھے کہ وہ محض ایسے ہے لیکن امام ترمذی کبھی اس کی حدیث کی تصحیح کرتے ہیں اور کبھی تحسین (زاد المعاد جلد ۱ ص ۱۴۳) مولانا شمس الحق صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں امام ترمذی کی تصحیح و تحسین پر کسی نے ان سے اتفاق نہیں کیا (تعلیق المغنی جلد ۱ ص ۲۲۲) شیخ الاسلام لکھتے ہیں کہ محدثین امام ترمذی کی تصحیح پر اعماد نہیں کرتے (فتح الملکم جلد ۲ ص ۴۳) آثار متبوعہ میں (جو ایک غیر مقلد عالم کی تالیف ہے) لکھا ہے کہ تصحیح و تحسین تو امام ترمذی اس میں متقابل ہیں (بکا اذہار مراد ص ۱۰۰) مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ امام ترمذی کی تحسین پر کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ متقابل تھے (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۰۲ و ص ۲۲۰ و ص ۲۲۸ و ص ۳۴۶ و ابکار المنن ص ۱۱۱ و ص ۱۲۳ اور یہ عبارت ابکار ص ۲۰۲ کی ہے) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ اگرچہ امام ترمذی نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے لیکن ان کی تصحیح میں کلام ہے۔

(ابکار المنن ص ۱۱۱) امام ترمذی کی تصحیح قابل تفتید ہے کیونکہ وہ محصور نہیں (ص ۲۲۲)

امام حاکم کی تصحیح :- علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ امام حاکم متدرک میں موضوع اور جعلی حدیثوں تک کی تصحیح کر جاتے ہیں (تذکرہ جلد ۳ ص ۲۳۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ امام حاکم ساقط الاعتبار حدیثوں کی بھی تصحیح کر جاتے ہیں (میزان جلد ۳ ص ۱۵۵) شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ امام حاکم موضوع اور جعلی حدیثوں کی بھی تصحیح کر جاتے ہیں (کتاب التوسل ص ۱۱) علامہ ابن دبیہ لکھتے ہیں کہ امام حاکم

کثیر الغلط تھے ان کے قول سے گریز کرنا چاہیے (مقدمہ زلیعی ص ۱۱) ثواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ تصحیح حاکم پیش علماء حدیث بدون شہادت دیگر ائمہ فن لیس بستی است (ردلیل الطالبین) مبارکپوری صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ حاکم کی تصحیح میں کلام ہے (ابکار ص ۶۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ امام حاکم کا تامل علماء فن کے نزدیک معروف و مشہور ہے (الایضہ ۲۳۶) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اسی طرح امام حاکم کی تصحیح بھی قابل تنقید ہے الخ (ص ۲۳۳)

امام دارقطنیؒ کی تصحیح کا بھی چنداں اعتبار نہیں ہے۔ وہ ایک ہی راوی کو کبھی ثقہ اور کبھی ضعیف کہہ دیتے ہیں جیسا کہ پہلے اوپر ذکر کیا جا چکا ہے اور محمد بن اسحاق کے بارے میں تو امام دارقطنی نے یہ فرمایا کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے پھر ان کی ایسی تصحیح کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ خصوصاً جب کہ جمہور ائمہ جرح و تعدیل دوسری طرف ہوں۔

امام خطابیؒ کا یہ فرمانا کہ اس حدیث کی سند جید ہے محل تعجب ہے، محمد بن اسحاق پر اشد جرح موجود ہے محمول لیس یا ملتین اور مدلس تھے، نافع مجہول دستور ہے، حدیث مضطرب ہے بقیہ خلف اللام یہ حدیث موقوف ہے اور یہ زیادت درج ہے اتنی خرابیاں ہوتے ہوئے بھی اگر یہ حدیث جید ہے تو اسی تصحیح و تضعیف کے بارے میں شاید اصطلاح ہی کوئی الگ اور جدا گانہ ہوگی۔ بل البتہ امام خطابیؒ کا یہ ارشاد مبینی بر النصات ہے کہ اس میں طعن نہیں ہے لا مطعن فیہ یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اس میں مطعن نہیں ہے کسی مطاعن میں بلکہ یہ گنجینہ مطاعن ہے جیسا کہ آپ تفصیلاً ملاحظہ کر چکے ہیں۔

مولانا ابوالحنات محمد عبدالحی صاحب لکھنوی اپنے وقت کے متحر عالم اور وسیع النظر فقیہ اور مفتی تھے لیکن نہ تو وہ ائمہ جرح و تعدیل میں تھے اور نہ بغیر کسی سند کے ان کا کوئی قول معتبر ہو سکتا ہے (دیکھئے مقدمہ زلیعی ص ۱۱ وغیرہ) روایت کی جرح و تعدیل میں وہ تو صرف ہماری طرح کے ناقل ہیں۔ لہذا ان کا براہ اس حدیث کو صحیح حسن جید اور قوی کہنا کوئی معنی اور پوزیشن نہیں رکھتا اور نہ ان کے کہنے سے کذاب و مجال مجہول دستور راوی ثقہ ہو سکتے ہیں۔

امام بیہقی نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے مگر ان کی یہ تصحیح بھی قابل اعتماد نہیں ہے کیونکہ سند کا حال آپ دیکھ ہی چکے ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ قاعدہ جلیلہ میں لکھتے ہیں کہ امام بیہقیؒ تعصب سے کام لیتے ہیں اور لبا اوقات ایسی روایتوں سے احتجاج کرتے ہیں کہ اگر ان کا کوئی مخالف ان سے

استدلال کرے تو اس کی تمام کمزوریاں ظاہر کئے بغیر ان کو چین نہ آئے (دیکھئے بغیۃ الاملعی جلد ۲ ص ۸) امام بیہقیؒ ایک مقام پر صلوة وتر کے عدم وجوب پر عاصم بن ضمرہؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں (سنن الکبریٰ جلد ۸ ص ۸) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ عاصم بن ضمرہؓ لیس بالقوی (ایضاً جلد ۲ ص ۱۷۳) اور ایک سند کے متعلق جس میں جواب تمیمیؒ ہے لکھتے ہیں روایتہ کلہا نقاتہ کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۸) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں جواب التیمیؒ غیر قوی (جلد ۵ ص ۲۳۵) جواب تمیمیؒ قوی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ مبارکپوری صاحبؒ لکھتے ہیں۔ امام بیہقیؒ اگرچہ محدث مشہور ہیں مگر ان کا کوئی قول بلا دلیل معتبر نہیں ہو سکتا (بلفظہ تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۳۲) بلاشبہ ان اکابرین کا امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیة) پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کے علاوہ اپنے پیارے نبی کی پیاری حدیثیں بھی امت تک پہنچائیں اور ساری عمریں اس خدمت میں صرف کر دیں لیکن تحقیق و تفحص کے میدان میں جب قدم آگے بڑھایا تو بسا اوقات کسی راوی اور حدیث کے متعلق ان کو نظر بہ پلنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور اپنی سابق رائے کو ترک کرنا پڑا اور کسی موقع پر بمقتضائے بشریت فردعی مسائل میں تعصب بھی کام لیا گیا ہے لیکن حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بغیر معصوم کون ہے؟ اور تکوینی طور پر بغیر اس تنازع کے احادیث کی چھان بین بھی کہاں ہو سکتی تھی؟ باوجود اس جبرودی اور فردعی اختلاف کے ہمارے لیے وہ قابل صد احترام ہیں جہاں انہوں نے سونے کی پوریاں کھائیں مٹھی خاک کی بھی ان میں ڈال دی مگر ہمارے پاس نیکیوں کا کون سا ذخیرہ ہے؟ اس لیے ہمیں اپنے گناہوں میں اضافہ کرنے کی غرض سے چہن چہن کر ان کی خطائیں اور لغزشیں ملانے کی گہر ضرورت نہیں ہے۔

آٹھواں جواب :- آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ خلف الامم کی قید کے ساتھ حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی یہ روایت نہ صرف یہ کہ انتہائی درجہ کی ضعیف کمزور اور معلول ہے بلکہ یہ الفاظ ہی مدرج ہیں اور یہ درج بھی لیس بالمتین قسم کے راویوں کی غلطی کا شاخسانہ ہے جو بہر حال مردود ہے اندر میں حالات اس روایت کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی لیکن اگر بالفرض یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس کا ایسا مطلب اور معنی کیوں نہ کر لیا جائے جو قواعد عربی کے موافق ہو اور ایسا معنی امرا دینے سے صحیح احادیث کے ساتھ تطبیق کی صورت بھی نکل آئے اور صحیح احادیث کی مخالفت لازم نہ آئے اور یہ بات زیادہ قرین انصاف ہے کہ واذا اقرافانصتوا وغیرہ کی صحیح روایات کو اپنے مقابلے سے

اور کمزور قسم کی روایات میں مناسب تاویل کر لی جائے نہ یہ کہ کمزور اور محلول روایتوں کو اصل قرار دیا جائے اور صحیح احادیث میں بیجا تاویلات کا دروازہ کھول دیا جائے۔ خلف کا معنی مکانی بھی ہو سکتا ہے اور زمانی بھی خلف الامام کا ثانی معنی مد نظر رکھ کر مطلب یہ ہو گا کہ جس آدمی نے امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی بقیہ رکعات میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہ ہوگی اس لحاظ سے یہ روایت مسبوق کے حق میں ہوگی۔ فن حدیث سے تعلق رکھنے والے اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ مختلف احادیث کی آپس میں تطبیق کے لیے بسا اوقات محض فرضی باتیں بھی اختیار کی جاتی ہیں اور یہ معنی تو روزمرہ کے معمولات اور مشاہدات میں ہے کہ امام کے فارغ ہونے کے بعد وہ مقتدی پر مسبوق ہوتا ہے اپنی بقیہ رکعات میں باقاعدہ سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے اور کون نمازی ایسا ہو گا جس کے ساتھ کبھی یہ صورت نہ پیش آئی ہو۔ راویہ مقتدی جو اول سے آخر تک حقیقۃً امام کے پیچھے کھڑا ہو یا حکماً امام کے پیچھے ہو جیسے لاحق وغیرہ تو اس کا مسئلہ ہی الگ ہے اس کو امام کے پیچھے قرأت کرنے کی مطلقاً گنجائش نہیں جس کی پوری تفصیل جلد اول میں گذر چکی ہے۔

مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ یہ تاویل راوی حدیث حضرت عبادہ کے مسلک کے خلاف ہے اور خود حنفی مسلک میں فراغت امام کے بعد سورۃ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھنے کا حکم ہے یہ تاویل نہیں بلکہ تحریف ہے (محصلاً ص ۲۴۶) الجواب ۱۔ یہ تاویل چونکہ دیگر صحیح روایات کے مطابق ہے اس لیے درست ہے روایت کے مقابلہ میں راوی کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور احناف سورۃ فاتحہ کے علاوہ مزید قرأت کے بھی فراغت کے بعد مسبوق کے لیے قائل ہیں مگر وہ مزید قرأت فصلاً۔ ماتیسر اور مازاد وغیرہ سے ثابت ہے اور ہم نے اس کا باقاعدہ (جلد ۱ ص ۱۰۹ طبع اول میں) حوالہ دیا ہے جس کو مؤلف مذکور بالکل ہضم کر گئے ہیں لہذا یہ بالکل مناسب تاویل ہے جس میں بچیں ہونے کی ضرورت نہیں

خلف الامام میں لفظ خلف مکان کے معنی میں مستعمل ہونا تو فریق ثانی کے نزدیک بھی مسلم ہے البتہ خلف زمانی محل غور ہو سکتا ہے ۱۔ اس کی چند مثالیں سن لیں۔ (۱) وَقَدْ خَلَّتِ التُّدْرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ (۲)۔ حقاہ ۲۔ اور بے شک بہت سے ڈرانے والے حضرت ہو علیہ السلام کے آگے اور ان کے پیچھے گند چکے ہیں۔ یہاں مِنْ خَلْفِهِ میں خلف زمانی مراد ہے کیونکہ ڈرانے والے پیغمبر حضرت ہو علیہ السلام کے پیچھے صفت بندی کر کے کھڑے نہ تھے جیسا کہ ظاہر ہے بلکہ وہ ڈرانے والے، رسول اور نبی مراد ہیں جو ان کے زمانہ کے بعد دنیا میں آئے (۲) یتامی کے اموال میں بے اعتدالی کرنے والوں کو

اللہ تعالیٰ اپنا شاہی حکم سناتا ہے لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَةً ضَعِيفًا آيَةَ رَبِّكَ (النساء، ۱) یعنی اگر وہ لوگ اپنے پیچھے کمزور اور ضعیف اولاد چھوڑ جاتے اور خود راہی ملک بچا ہو جاتے تو ان کو اپنی اولاد کی ضرورت نہ ہوتی اسی طرح دوسروں کے یتیموں کا خیال بھی کرنا چاہیے اس مقام میں بھی من خلفہم سے خلف زمانی مراد ہے کیونکہ اولاد اپنے والدین کی وفات کے بعد دنیا میں اپنے بچھے بڑے دن پورے کر کے اپنی زندگی کا زمانہ گذرتی ہے نہ یہ کہ جس مقام پر والدین ہوتے ہیں وہاں ان کے پیچھے لام بندی کر کے صف آرا ہوتی ہے اسی طرح حضرات شہداء کرام کے بائے میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَيَسْتَبِشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ (پک۔ ال عمران ۱۰۰) اور وہ شہداء غوش وقت ہوتے ہیں ان کے بارے میں جو ان کے پیچھے ہیں اور ابھی ان سے نہیں ملے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چھوٹے چھوٹے لشکروں میں جہاد کے لیے شریک نہ ہونے کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں لَوْ لَأَنَّ انْ اشَقَّ عَلَيَّ امْتِي مَا قَعَدْتُ خَلْفَ سَرِيَّةٍ وَلَوْ دَوَّتْ اِلَيَّ اِقْتَلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الْحَدِيثِ (بخاری جلد ۱ ص ۱۰۰ وغیرہ) اگر مجھے یہ خوف نہ ہو کہ میرے شریک ہونے کی وجہ سے امت بھی ضرور شریک ہوگی اور مشقت میں مبتلا ہوگی تو میں کسی چھوٹے لشکر کے پیچھے بھی نہ رہتا اور میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہادت پاؤں۔ واضح امر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجاہدین کے لشکروں کو روانہ کر کے جتنا زمانہ وہ جہاد میں مشغول رہتے تھے۔ آپ مدینہ طیبہ میں وہ زمانہ گذارتے تھے نہ یہ کہ آگے مجاہد کھڑے ہوتے تھے اور پیچھے آپ کھڑے ہوتے تھے۔ یہاں بھی خلف زمانی ہے نہ کہ مکانی۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
وَتَجِبُونَ وَتَجِدُونَ وَتَكْبِرُونَ خَلْفَ كُلِّ صَلَاةٍ الْحَدِيثِ (بخاری جلد ۱ ص ۱۰۰)
تم ہر (فرضی) نماز سے فارغ ہو کر (۳۳ مرتبہ) سبحان اللہ اور (۳۳ مرتبہ) الحمد للہ اور (۳۲ بار) اللہ اکبر کہنا کرو۔

اس روایت میں بھی خلف زمانی ہے کیونکہ سبحان اللہ وغیرہ کلمات نماز سے فارغ ہونے کے بعد پڑھنے کا حکم ہے یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ بحالت نماز امام کے پیچھے یہ کلمات پڑھنے کی اجازت ہے۔ حافظ ابن حجر اس کا معنی یوں کرتے ہیں یُقَالُ عِنْدَ الْفَرَغِ مِنَ الصَّلَاةِ رَفْعُ الْبَارِي (۳۳)

یہ کلمات نماز سے فارغ ہونے کے بعد پڑھنے چاہئیں اور نواب صاحب لکھتے ہیں: مراد خلف میں
 باد پر صلاۃ است عقب خروج ازاں (دلیل الطالب ص ۲۲۴) (۵) صراح ص ۲۴۱ میں لکھا ہے خلف
 قرآن بعد قرآن یعنی ایک زمانہ کے بعد دوسرا زمانہ (۶) امام ابن جریر طبری مابینہما وما خلفہما
 کا معنی کرتے ہیں لما قبلہا وما بعدہا من الامم (تفسیر ابن جریر جلد ۱ ص ۲۶۵)
 یعنی جو قومیں زمانہ کے لحاظ سے پہلے گذری چکیں اور جو بعد کو آئیں گی و علیٰ ہذا القیاس قاضی بیضاویؒ
 امام سیوطیؒ اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ (المستوفی ۱۲۳۹ھ) وغیرہ حضرات مفسرین کرامؒ اس آیت میں خلف
 سے خلف زمانی مراد لیتے ہیں یعنی بعد کو آنے والی قومیں (دیکھئے بیضاوی ص ۸۱، جلالین ص ۱۷۸ اور عزیزی
 جلد ۱ ص ۱۶۸ وغیرہ) اور مشہور تابعی ابوالعالیہ الریاضیؒ بھی خلف زمانی ہی مراد لیتے ہیں (بخاری ص ۶۳۳)
 اسی طرح مشہور حدیث کما هلك بنی خلفہ بنی الحدیث (بخاری جلد ۱ ص ۴۹) اور حدیث
 من کل خلف عدولہ الحدیث (مشکوٰۃ جلد ۳ ص ۳) وغیرہ میں خلف زمانی کا معنی ہی متعین
 ہے علاوہ بریں سلف و خلف کا جملہ کس سے مخفی ہے؛ یعنی جو لوگ زمانہ کے لحاظ سے پہلے ہوئے۔ وہ
 سلف اور جو بعد کو آئے وہ خلف۔ نواب صاحب قاضی شوکانیؒ کو فخر خلف و بقیۃ سلف لکھتے ہیں۔
 (تقصیر ص ۸۲) اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ اور اس قسم کی دیگر مثالیں دیکھ کر یہ قومی وہم پیدا ہو
 جاتا ہے کہ خلف کا زیادہ تر استعمال خلف زمانی کے معنی میں ہوتا رہا اور ہوتا ہے اس لیے فریق ثانی
 کا اس حدیث میں لفظ خلف کے خلف مکانی کے معنی میں ہی متعین ہونے پر ضد اور اصرار کرنا اس ضد سے کس طرح
 بھی کم نہیں ہے جو وہ اس معلول حدیث کے صحیح اور قابل احتجاج ہونے پر کمر رہا ہے۔

نواب صاحبؒ جواب: حضرت مولانا عبدالحمی صاحب لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ:-

فان قيل حدیث عبادۃ لا تفعلوا الا بام	اگر یہ کہا جائے کہ حضرت عبادۃ کی حدیث کہ تم ام القرآن
القرآن فانه لا صلوٰۃ لمن لم یعقر ابدہا	کے سوا کچھ اور نہ پڑھو اس لیے کہ جس نے سورۃ فاتحہ
صریح فی الزام الفاتحۃ علی المؤمنم قلنا	پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی اس بات میں صریح ہے کہ
نعم هو اصرح الروایات التي ذکرتم	مقتدی پر سورۃ فاتحہ لازم ہے تو ہم جواب میں کہیں گے
لکن دلالۃ علی ما هو مطلوبکم غیر	کہ ہاں تیسری پیش کردہ روایات میں سے یہ صریح
مسلّم ان الایۃ دلال علی الزام ان کان بقولہ لا تفعلوا الا بام	لیکن تمہارے مطلوب پر اس کی دلالت مسلم نہیں

القرآن فهو غير تام لما تقر في مقده ان الاستثناء عن النهي لا يدل إلا على خروج المستثنى عن جِزائِ النهي لا على الزامه و ركنيتم او وجوبه وان كان بقوله فانه لا صلوة الا فهو لا يدل على الركنية كفظاؤه من الاحاديث السابقة

(امام الكلام ص ۲۲۴)

کیونکہ اگر لازم ہونے پر استدلال لا ففعلوا الا بام القرآن سے ہے تو یہ تمام نہیں کیونکہ اپنی جگہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ نہی سے استثناء صرف مستثنیٰ کے نہی کے حشر سے نکلنے پر دلالت کرتی ہے لازم اور رکن ہونے یا وجوب پر دلالت نہیں کرتی اور اگر یہ استدلال لا صلوة الا سے ہے تو بھی یہ کیفیت پر دال نہیں جیسا کہ پہلے بیان کی ہوئی اس کی تطاّر سے ثابت نہیں ہے۔

یعنی فریق ثانی مقتدی پر سورہ فاتحہ کا پڑھنا لازم رکن اور ضروری قرار دیتا ہے جیسی تو مقتدی کے سورہ فاتحہ کے نہ پڑھنے کی صورت میں اس کی نماز کو وہ باطل۔ بیکار اور کالعدم ٹھہراتا ہے لیکن عربی اور گرائمر کے لحاظ سے ان کا مطلب اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہو سکتا ہے اس لیے کہ نہی کے بعد اگر استثناء آئے تو اس سے صرف اباحت ثابت ہو سکتی ہے اور ظاہر امر ہے کہ ترک مباح کی وجہ سے کسی طرح بھی نماز کا بطلان اور فساد لازم نہیں آتا لہذا اس روایت سے نہ تو روایت فریق مخالف کا بے بنیاد دعویٰ ثابت ہوتا ہے اور نہ روایت اور کجھ اللہ تعالیٰ ہم نے بھی اس کے اس غلو کو توڑنے کے لیے یہ کتاب لکھی ہے ورنہ ایک اختلافی مسئلہ کے سلسلہ میں اتنی کاوش کی ضرورت نہ تھی۔

یہ ہے خلف الامم کی حدیث کا پس منظر جس کے بل بوتے پر فریق ثانی کی طرف سے تمام روئے زمین کے علماء احناف کو کھٹلا اور انعامی چیلنج کیا جا رہا ہے، اگر فریق ثانی گستاخی نہ سمجھے تو ایک جائزہ قسم کا در عرض کرتا ہوں وہ اس کو پڑھا کرے (اور وہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی سنی اللہ تعالیٰ کے خالص مشرکانہ درود سے کوئی تعلق نہیں رکھتا) وہ درود شریف یہ ہے

اے میرے بارخ آرزو کیسا ہے بارخ جائے تو

کلایاں تو گوگو ہیں چار سو کوئی کلی کھلی نہیں

چوتھی روایت :- امام بیہقی نے اپنی سند سے یہ روایت نقل کی ہے کہ محمد بن ابی عائشہ آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

لعلکم تقراؤن والامام یقرأ قالوا انتا
لنفعل قال فلا تفعلوا الا ان یقرأ احدکم
بفائحة الكتاب -

(سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۸۵)

شاید تم اس وقت قرأت کیا کرتے ہو جس وقت امام
قرآء کر رہا ہوتا ہے، حضرات صحابہ کرام نے فرمایا ہاں ہم
قرأت کیا کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ تم قرأت نہ کیا کرو ہاں
مگر یہ کہ سورۃ فاتحہ کی قرأت کر لیا کرو۔

امام بیہقی فرماتے ہیں ہذا اسناد جدید کہ اس کی سند جدید کھری اور ٹکڑہ ہے

الجواب: نہ مضمون امام بیہقی نے کس طرح اس سند کو جدید کہا ہے کیونکہ اسی سند میں ابوہریرہ بن ابی اللیث ہے صلح جبرہ
کہتے ہیں کہ بیس سال تک وہ جھوٹ کتنا رہا ہے ابن معین فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور احمق تھا ساجی
اس کو متروک کہتے ہیں ابن معین نے بعد کو اسے کذاب اور ضعیف کہا ہے سب سے پہلے اس کے جھوٹ
کی حقیقت دورقی نے واضح کی تھی یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے پہلے اس سے روایتیں لکھی
تھیں مگر بعد کو سب سے اسے ترک کر دیا تھا اس میں اتنی جرات بڑھ گئی تھی کہ وہ جعلی اور موضوع حدیثیں
بھی بیان کرنے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ امام نسائی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے، ابن سعد کہتے ہیں کہ
حدیث میں وہ ضعیف سمجھا جاتا ہے (لسان المیزان جلد ۱ ص ۹۲) علامہ خطیب کہتے ہیں کہ ابن معین نے
پہلے اس کی توثیق کی تھی لیکن بعد کو جب تحقیق کر لی تو اس کی انتہائی مذمت کی حتیٰ کہ اسے کذاب اور ضعیف
کہا اور فرمایا خدا تعالیٰ اس کا ستیاناس کرے حدیث میں جھوٹ بولتا ہے۔ امام احمد بن حنبلہ اور علی بن المدینی پر
ابتداءً اس کا معاملہ مشکل رہا لیکن بعد کو اس کا جھوٹ واضح ہو گیا اور انہوں نے اس کی روایت کو ترک کر دیا۔
(بخاری جلد ۶ ص ۱۹۶ تا ۱۹۷ ملقطاً) یہ ہے امام بیہقی کی اس جدید مخریغ کلام یہ جواب دیتے ہیں کہ کثرت شواہد
کی بنا پر سند کو جدید کہا ہے (ص ۲۴۴) الجواب: اگر اصل روایت میں معمولی ضعف ہوتا تو کثرت شواہد کی بات درست
تھی مگر یہاں تو کذاب، ضعیف اور افضی ہے اس کو سارا دینے کا کیا معنی ہے؟ یہ روایت جزا القراءۃ ص ۱
و کتاب القراءۃ ص ۱، دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۹، مستدرک احمد ص ۳۶۳ جلد ۵ ص ۱۲۴ وغیرہ میں مذکور ہے اور اسی
اسانید میں ابوہریرہ بن ابی اللیث تھیں لیکن ان تمام میں عن ابی قتیبہ عن الاسبغی۔ اور تمام کی اسانید
مخریغ کلام لکھتے ہیں کہ اس روایت کا مدر سفیان ثوری پر ہے ان سے بہت سے ثقات روایت کرتے ہیں اور
شعبہ سفیان کے متابع ہیں اور پھر امام بیہقی تصریح کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے (محصلاً ص ۲۴۴) الجواب: مفصل گذر چکا
ہے کہ امام سفیان ثوری قرآء خلف الامم کے قائل نہ تھے اگر یہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو اس کے خلاف کبھی ذکر کرتے
ہاں حاشیہ ص ۱۳۳ پر

میں رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، ابو قتادہؓ کہتے تھے مگر غضب کے
 مدلس تھے علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔ مدلس عن من لحقہم وعن من لم یلحقہم (میزان ص ۳۶)
 ابو قتادہؓ کی جن سے ملاقات ہوئی ہے ان سے بھی اور جن سے نہیں ہوئی ان سے بھی سبکے تلیس
 کرتے ہیں اور مبارکپوری صاحب کے حوالہ سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ نہ تو مدلس کا عفتہ مقبول ہے
 اور نہ اس کی کوئی روایت اتصال پر عمل کی جاسکتی ہے، مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ابو قتادہؓ پہلے طبقہ
 کے مدلس ہیں اور محدثین نے ان کی تلیس کو برداشت کیا ہے (محصلاً ص ۲۶۴) مگر مؤلف مذکور نے بالکل
 غور نہیں کیا ابو قتادہؓ جب عن لہ یلحقہم سے بھی تلیس کرتے ہیں تو پھر کسی طبقہ میں بھی ہوں
 کیونکہ وہ قابل برداشت ہوں گے؟ اس صریح عبارت کو بھی دیکھیں نہ اسی طبقہ ہی نہ دیکھیں امام نوویؒ
 حضرت ام شعبہؓ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ زنا تلیس سے ہلکا گناہ ہے (الزنا ما ہون من التالیس
 شرح مسلم ص ۱۶۳) اور مبارکپوری صاحب ام شعبہؓ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ تلیس حرام ہے اور مدلس
 سا قضا العدا لیت ہے (تختہ الاحوزی ص ۱) بل مگر صحیحین میں مدلس ہوں یا قتاوہ العیش اور ابو الزبیرؓ
 محمد بن مسلمؒ وغیرہ کی تلیس ہو تو وہ قطعاً مفر نہیں ہے کما مرّ مفصلاً۔ علاوہ بریں رجل من اصحاب
 کے بارے میں خود امام بیہقیؒ وغیرہ کے نزدیک کلام ہے۔ امام بیہقیؒ رجل من اصحاب النبی صلی
 اللہ علیہ وسلم کہ مرسل کہتے ہیں (سنن البکری جلد ۱ ص ۸۱) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: حمید بن ابی
 نے جو یہ کہا ہے لقیتم رجلاً معہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے ملا۔ اس نے صحابی کا نام نہیں بتایا اس لیے یہ روایت مرسل ہوگی۔
 (جلد ۱ ص ۸۱) ایک حدیث اس مضمون کی آتی ہے کہ قبیلہ بنی عبد لاشمل کی ایک عورت کہتی ہے کہ
 میں نے جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ مسئلہ دریافت کیا الا امام خطابیؒ لکھتے ہیں کہ یہ
 عورت مجہول ہے (معادہ السنن جلد ۱ ص ۱۱۹) علامہ ابن حزمؒ رجل من اصحاب النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے (محلّی ص ۳۱۶ و ۳۳۸)
 (۱۱۱) کا بقیہ عاشر، اور جن دیگر ثقات کا حوالہ دیا ہے ان کی اسانید و کار ہیں جو اول سے آخر تک صحیح ہوں امام شعبہؓ
 کے طریق سے جو روایت امام بیہقیؒ نے نقل کر کے اس کی تصحیح کی ہے اس میں وہی خرابی ہے کیونکہ حضرت انسؓ کے
 طریق کو وہ خود غیر معتاد کہتے ہیں ابو قتادہؓ کی روایت مرسل ہے اور مرسل کو وہ صحیح نہیں مانتے پھر وہ کیونکر صحیح ہے۔

اور اسی کے قریب، مسک المختار جلد ۱۴ میں ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب تک صحابی کا نام نہ بتایا جائے گا روایت صحیح نہ ہوگی چنانچہ امام حاکم امام نووی، حافظ ابن حجر اور علامہ جزائری صحیح حدیث کی تعریف یوں کرتے ہیں (واللفظ لا یصح)

وصفة الحديث الصحيح ان يروى عن النبي صلى الله عليه وسلم صحابي ذاك
عنه اسما له (معرفة علوم الحديث)
صحة الحديث ان يروى عن النبي صلى الله عليه وسلم صحابي ذاك
عنه اسما له (معرفة علوم الحديث)
صحة الحديث ان يروى عن النبي صلى الله عليه وسلم صحابي ذاك
عنه اسما له (معرفة علوم الحديث)

علامہ عراقی اور محقق جزائری اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافق بھی ہوتے تھے اور مرتد بھی جب تک راوی صحابی کا نام نہ بیان کرے اور اس کا صحابی ہونا نہ معلوم ہو جائے تو اس کی روایت قابل قبول نہ ہوگی خواہ وہ راوی عن رجل من الصحابة کہے یا حدثنی من سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے (التنقیذ والايضاح ص ۱۲۵) وتوجيه النظر ص ۱۶۶) امام سیوطی ایک وجہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ بسا اوقات صحابی کو تابعی اور تابعی کو صحابی سمجھ لینے کی غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ امام محمد بن ریح نے عبد الرحمن بن غنم کو صحابی سمجھ لیا ہے لیکن علی الاصح (صحیح ترین قول یہ ہے کہ) یہ صحابی نہ تھے (تدریب الراوی ص ۱۲۳) اس لیے نام کی ضرورت سمجھی گئی کہ اگر واقعی وہ صحابی ہیں تو الصحابة کلمہ عدول کے قاعدہ کے تحت داخل ہوں گے اور اگر وہ دوسری شق میں داخل ہیں تو اختلاط اور اشتباہ سے نجات مل جائے گی اور علامہ صیرفی نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ جب تابعی ایسے ہی رجل من الصحابة سے عنعنہ کرے تو وہ روایت کسی صورت میں قابل قبول نہ ہوگی (تدریب الراوی ص ۱۲۵ والايضاح ص ۱۲۵)

۱۲۵ اور جو حضرات اس صورت کو صحیح سمجھتے ہیں وہ شرط لگاتے ہیں چنانچہ مولف خیر الکلام نے بحوالہ تدریب الراوی ص ۱۲۵ لکھا ہے کہ اور جہاں صحابی کا نام مذکور نہ ہو تو وہاں صحیح مذہب یہی ہے کہ اگر سند کا پہلا حصہ صحیح ہو تو حدیث صحیح ہوتی ہے الخ ص ۱۲۵ مگر امام بیہقی جن سند کو جدید کہتے ہیں اس کا حال آپ دیکھ چکے ہیں اور دوسری اسانید بھی کلام سے خالی نہیں ہیں۔

پہر کیفیت امام بیہقی وغیرہ کے قاعدہ کے رو سے فی نفسہ یہ روایت قابل نہیں ہے چہ جائیکہ اس کو لے کر تمام دنیا کو کھلا اور انعامی جلیج کیا جائے فریق ثانی کو اس معنی کے لیے صحیح روایت تلاش کرنی چاہیے امام بیہقی لکھتے ہیں ہذا السناد صحیح لیکن ابو قلابہ کی تدلیس کے علاوہ بھی عن رجل من اصحاب الخ کی سند کو خود امام بیہقی ہر مسل کہتے ہیں اور پہلے امام بیہقی ہی کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ ہر مسل ضعیف ہوتی ہے پھر ان کے اہل اس کی سند کیسے صحیح ہوتی؟ ہر مسل کو حجت ماننے والے یہ چاہتے ہیں کہ امام بیہقی وغیرہ اپنے قائم کردہ اصول کی پابندی کریں یہ محوٹا فائدہ ہے علاوہ بریں ان ان یقرأ احدکم کے الفاظ صرف اجازت کا پہلو ظاہر کرتے ہیں اور فریق ثانی کا دعویٰ اس سے بہت اونچا ہے وہ تو ترک قرأت سورہ فاتحہ کی بنا پر نماز کے ناقص، بیکار باطل بلکہ کالعدم ہونے کا قائل ہے اور خاص طور پر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا فلا تفعلوا ان ان یقرأ احدکم بفتحة الكتاب في نفسه (جزاً لقراءة مثلاً) تم امام کے پیچھے قرأت نہ کیا کرو الا یہ کہ جب تم میں کوئی تمنا اور اکیلا ہو تو سورہ فاتحہ پڑھا کرے فی نفسہ کا معنی اکیلا بھی ہو سکتا ہے جس کی تشریح پہلے کی جا چکی ہے اور اگر انصاف سے کام لیا جائے تو سورہ فاتحہ کی قرأت کو منفرود سے مقید کرنا چاہیے اس لیے کہ جملہ روایات میں اس کا ذکر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ فرمایا تم نے میرے پیچھے قرأت کی ہے؟ جب جواب ہلاکہ ہاں تو آپ نے فرمایا جی تو میں نے کہا کہ میرے ساتھ مخالفت، منازعت اور ہاتھ پائی ہوتی رہی ہے تم ایسا نہ کرو سوال یہ ہے کہ اپنے مقتدیوں کو سورہ فاتحہ پڑھنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ فریق ثانی کے خیال کے مطابق حکم بھی دیا تو یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ جو چیز آپ کی تشویش اور منازعت کا سبب بنی اور آپ نے تحقیق حال کے لیے حضرات صحابہؓ سے دریافت بھی کیا اور ان کی اس حرکت کو ناپسند کرتے ہوئے ناراضگی کا اظہار بھی کیا اور پھر اسی چیز کا حکم بھی دے دیا؟ فریق ثانی ہی ازراہ انصاف فرمائے کہ بات کیا ہے؟ اور پہلی جلد میں اس کی پوری صراحت گذر چکی ہے کہ موجب منازعت اور مخالفت نفس قرأت تھی جو سورہ فاتحہ وغیرہ سب کو شامل ہے اور یہ قرأت بھی آہستہ کی گئی تھی مگر باوجود اس کے آپ نے

لہ عنوان خیر الکلام لکھتے ہیں کہ فاتحہ رکن ہے اور ہر نمازی کو یاد ہوتی ہے باقی قرآن اصح مذہب پر نہ رکن نہ واجب (مصلح)

(۲۸۱) الجواب: سب کے نزدیک فاتحہ رکن نہیں بلکہ بعض کے نزدیک نفس قرأت رکن ہے اور سب نمازیوں (بقیہ حاشیہ ص ۱۲۶ پر)

اس کو پسند نہ کیا فریق ثانی کے نزدیک مطلب یہ ہوگا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پتے پیچھے قرأت کو ناپسند بھی کیا اور پسند بھی کیا اس سے منع بھی کیا اور اس کا حکم بھی دیا قرأت سے مخالفت اور منازعت ہوتی بھی ہے اور نہیں بھی ہوتی اس سے نہی بھی ہے اور استثنا بھی ہے حاشا وکلا رسول اور نبی کی شان اس سے بہت اونچی ہے کہ بیک وقت وہ دو متضاد حکم دیں۔ قصہ یہ ہے کہ آپ نے نمازیوں کو مطلقاً قرأت قرآن کرنے سے منع کیا ہے اور تنہائی اور حالت انفرادی میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے الا ان یقرأ احدکم بفاتحة الكتاب فی نفسه اور چونکہ دیگر صحیح روایات میں فصاعداً ماتیسرا اور ما زاد کی زیادت بھی مروی ہے اس لیے منفرد کے لیے سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ زیادہ بھی پڑھنے کا حکم ہے اور اہم کو بین بین نہیں چھوڑا گیا جیسا کہ مولف خیر الکلام نے ص ۲۸ میں کہا ہے بلکہ دیگر صحیح روایات میں اہم کا فریضہ قرأت بتایا ہے اذا قرأ الحدیث اور قرآۃ الامام الحدیث۔ یہی وہ مطلب اور معنی ہے جس سے فتنائے خداوندی اور رسول سمجھ آسکتی ہے اور قرآن کریم صحیح احادیث، آثار حضرات صحابہ کرام اور جمہور سلف و خلف کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی اور یہی صحیح ہے ولیس وراء عباد ان قریۃ۔

ترے مددوں پہ سارے کھل گئے اسرار دین ساقی

بڑا علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین ساقی

پانچویں روایت: مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو ایک نماز پڑھانی جب نماز سے فارغ ہوئے اور مقتدیوں کی طرف اپنا رخ مبارک پھیرا تو ارشاد فرمایا:۔

القرآون فی صلاتکم والامام یقرأ فکتوا کیا تم امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو، حضرات صحابہ خاموش فقالہا ثلاث مراتب فقال قائل او قائلون ہو گئے آپ نے تین مرتبہ یہی سوال کیا ایک نے یا کئی آدمیوں نے

بقیہ حاشیہ ۱۲۵ کا

کو سورہ اخلاص وغیرہ کوئی اور سورت بھی اکثر یاد ہوتی ہے اور ما زاد علی الفاتحہ کے وجوب کے دلائل بھی گزر چکے ہیں اس لیے فاتحہ کی تخصیص کی یہ وجہ قابل قبول نہیں ہے، منازعت اور قرأت کی فرضی تقسیم اور پھر فاتحہ کو مناعت سے مستثنیٰ کرنا جیسا کہ مولف مذکور نے کیا ہے محض طفل تالی ہے۔

انا لنفعل قال فلا تفعلوا وليقولوا احدكم
بفاتحة الكتاب في نفسه (جزء القراءة ص ۵۴)
کتاب القراءة ص ۴۳ سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۱۶
دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۹ وغیره)

مبارکپوری صاحبؒ کہتے ہیں کہ علامہ بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں روایت
ثقات (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۱۶) اس لیے یہ روایت بالکل صحیح ہے (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۲۹ وغیرہ)
جواب ۱- اگر محض بلا دلیل کہنے سے روایت صحیح ہو سکتی ہے تو یہ صحیح ہوگی ورنہ اس کی صحت
پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور یہ روایت بھی ضعیف ہے، اولاً اس میں ابو قتلابہؓ غضب کا مدلس ہے
اور عنعنہ سے روایت کرتا ہے اور مدلس کا عنعنہ مقبول نہیں ہوتا۔ وثانیاً اس کی سند
میں اضطراب ہے بعض طرق میں عن ابی قلابہ عن النبیؐ ازہر جزء القراءة ص ۵۴، کتاب
القراءة ص ۴۸ دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۹ اور بعض طرق میں عن ابی قلابہ عن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم ہے (جزء القراءة ص ۵۴، کتاب القراءة ص ۱۲۹ و بیہقی جلد ۲ ص ۱۶۶) اور بعض طرق میں
عن ابی قلابہ عن محمد بن ابی عائشہ عن رجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ہے (دارقطنی ص ۱۲۹، بیہقی جلد ۲ ص ۱۶۶ تلخیص الجبیر ص ۸۴) اور بعض طرق میں عن ابی
ہریرہؓ ہے (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۹) اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حدیث مضطرب فریق ثانی کے
نزدیک بھی ضعیف ہوتی ہے اور اس میں شدید اختلاف ہے پھر یہ کیسے قابل استدلال ہو سکتی ہے؟
وثالثاً اس کے متن میں بھی اضطراب ہے بعض طرق میں یہ روایت فلا تفعلوا پر ختم ہو جاتی ہے
اور اس میں جملہ استثنائیہ موجود نہیں ہے۔ (کتاب القراءة ص ۲۹ و الجبیر النقی جلد ۲ ص ۱۶۶) اور بعض طرق
میں یہ جملہ استثنائیہ بھی موجود ہے (کتاب القراءة ص ۱۲۲ اور بیہقی جلد ۲ ص ۱۶۶ و طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۸ وغیرہ)
اور ایک روایت میں صرف لیقرأ بفاتحة الكتاب کا ذکر ہے (جزء القراءة ص ۵۴) اہم بیہقی نے
یوسف بن عدیؒ پر یہ الزام لگایا ہے کہ یہ جملہ نہ ذکر کرنے کی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے لیکن
وہ تو ثقہ تھے، ابو زرعةؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں مسلمہ ان کو ثقہ کہتے ہیں ابن حبان ان کو ثقہ میں لکھتے
ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۱۸) اس لیے یہ الزام کسی اور راوی پر ہونا چاہیے کیوں نہ ہو کہ یہ الزام

عبد اللہ بن عمرو الرقی پر عامہ کر دیا جائے علامہ ابن سعد کہتے ہیں کہ وہ صاحب خطا تھے (تہذیب
جلد ۲ ص ۲۲) حافظ ابن حجر ان کو صاحب وہم کہتے ہیں (تقریب ص ۲۵۳) اور امام بیہقی اسی روایت
میں ان کا وہم بیان کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی طرف اس روایت کی نسبت محفوظ نہیں
ہے۔ اور اس میں عبد اللہ کا وہم ہے (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۲۹) مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ مگر کتاب
القرآۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے رجوع کر چکے ہیں (ص ۲۴۵) محض بلا دلیل دعویٰ اور سینہ
زوری ہے صاحب تعلیق المعنی جلد ۱ ص ۱۲ میں اس کو نقل کرتے ہیں اور امام ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ
طریق محفوظ نہیں ہے بلکہ یہ (وہم) وہم ہے (کتاب العلل جلد ۱ ص ۱۴۵) مبارکپوری صاحب
جواز حافظ ابن حجر ابن حبان سے یہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ اور محمد بن ابی عائشہ دونوں کے طریق
محفوظ ہیں لیکن یہ مبارکپوری صاحب کی کھلی غلطی ہے۔ حافظ ابن حجر نے تو یہ لکھا ہے و زعم ابن
حبان ان الطریقین محفوظان الخ (تلخیص الجبر ص ۵۸) ابن حبان کا یہ زعم ہے کہ یہ دونوں طریق
محفوظ ہیں۔ حافظ ابن حجر نے درحقیقت لفظ زعم بول کر ابن حبان کی تردید کر دی ہے، اور امام
بیہقی نے بھی اس کی تردید کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ وقد قيل عن ابی قلابۃ عن انس بن
مالک و لیس بہ محفوظ انتہی (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۶) اور خود مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ
امام بیہقی نے اگرچہ انسؓ کے طریق کو ایک جگہ غیر محفوظ قرار دیا ہے مگر کتاب القرآت سے معلوم ہوتا
ہے کہ ان کے ہاں یہ طریق بھی محفوظ ہے (الحد ص ۲۴۳) مگر کتاب القرآۃ سے ان کا یہ بیاد دعویٰ
ہرگز ثابت نہیں ہوتا لفظ زعم اگرچہ حق و باطل دونوں کے لیے آتا ہے مگر یہاں اس کے باطل
ہونے کا قرینہ موجود ہے لیس بہ محفوظ وغیرہ و لعل فی نفسہ کا معنی پہلے بیان ہو چکا ہے
اس روایت کو صحیح تسلیم کر کے وہ مطلب بھی ملو ہو سکتی ہے و خامسا جلد اول میں نیز صحیح حضرت
انسؓ سے مرفوع روایت عرض کی جا چکی ہے کہ و اذا قرأ فانصتوا جب امام قرآۃ کرے تو تم (تمام)
مقتدی اس کے پیچھے) خاموش رہو۔ ما علامہ بیہقی کا رواۃ ثقات کہنا تو اپنے موقع پر صحیح ہے
عبد اللہ بن عمرو ثقہ ہے مگر صاحب خطا اور وہم ہے اور ابو قلابہ ثقہ ہے مگر غضب کا
دلس ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا خود مبارکپوری صاحب جواب دے گئے ہیں چنانچہ انہیں
کا خود نوشت جواب ملاحظہ ہو ایک مقام پر لکھتے ہیں و اما قول الہیثمی رجالہ ثقات الخ فلا دلیل

علی صحتہ الحدیث را البکار المنصف (۲۴۷) علامہ بیہقی کا یہ فرمانا کہ اس سند کے جملہ راوی ثقہ ہیں۔ اس سے حدیث کی صحت ثابت نہیں ہو سکتی یہ روایت بھی جمہور امت کی نمازوں کو ناقص، بیکار، باطل اور کالعدم قرار دینے کی اہلیت نہیں رکھتی۔

پچھٹی روایت :- امام بیہقی اپنی سند سے حضرت ابو قتادہ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال
القرآن خلفی قالوا نعم قال فلا تفعلوا
کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میرے
پیچھے قرأت کرتے ہو حضرات صحابہؓ نے کہا جی ہاں فرمایا
سورہ فاتحہ کے بغیر اور کچھ بھی نہ پڑھا کرو

جواب :- یہ روایت بھی احتجاج کے قابل نہیں ہے اڈلا اس لیے کہ سند میں مالک بن یحییٰ ہے ابن حبان ان میں کلام کرتے ہیں امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث میں نظر اور کلام ہے عقیلی اور ابن حبان اس کو ضعیف لکھتے ہیں اور اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں نیز ثانی الذکر کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ثقات سے ایسی روایتیں بیان کرتا ہے جن کی کوئی بھی اصلیت نہیں ہوتی ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں (لسان المیزان جلد ۵ ص ۶) علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ امام بخاری کی اصطلاح ہے کہ جب وہ کسی راوی کے بارے میں قبیلہ نظر کہتے ہیں تو وہ انتہائی درجہ کا کمزور اور ضعیف ہوتا ہے (مقدمہ ص ۳۱۸) و ثانیاً سلیمان تیمی حدیث کے لفظ سے روایت کرتے ہیں اور کتاب القراءۃ ص ۱۵۱ میں بھی حدیث سے یہ روایت ہے نہ معلوم یہ بیان کرنے والا کون اور کیسا تھا؟ عادل تھا یا فاسق؟ ثقہ تھا یا ضعیف؟ امام حاکم و منہ حدیث کی شرط لکھتے ہیں۔ ان لایکون فی اسنادہ اُخبرت عن فلان ولا حدیث عن فلان (معرفة علوم الحدیث ص ۱۹) کہ اس میں اُخبرت اور حدیث عن فلان (کہ مجھ کو خبر دی گئی اور مجھ سے بیان کیا گیا) نہ ہو۔ وثالثاً خود امام بیہقی اس کو مرسل کہتے ہیں (سنن البکری جلد ۲ ص ۱۶۶) اور حدیث مرسل کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے کما مرہ امام بیہقی نے اس کی کڑی یوں جوڑنے کی کوشش کی ہے عن یحییٰ بن ابی کثیر عن عبد اللہ بن ابی قتادۃ الخ را یضاً لیکن ایک تو حسب تصریح علامہ عقیلی اور ابن حبان وغیرہ یحییٰ مرسل تھے (دیکھئے تہذیب جلد ۱ ص ۲۶۹) اور یہاں عن غندر سے روایت کرتے ہیں اور دوسرے اس روایت کا دار و مدار بھی مالک بن یحییٰ پر ہے۔

ساتویں روایت بہ اہم پہنچی ہے کتاب القراءۃ ص ۵۵ میں ایک باب قائم کیا ہے اور یہ فرماتے ہیں کہ مقتدیوں کو جانعت نفس قرأت سے نہیں بلکہ ان کو جہر سے جانعت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن خدا فر نے نماز پڑھی اور اس میں جہر سے قرأت کی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یا ابن خدا قلہ لا تمعنی واسمع اللہ اے ابن خدا مجھے نہ سناؤ بلکہ خدا تعالیٰ کو سناؤ۔

جواب :- اس روایت سے بھی استدلال باطل ہے اولاً اس لیے کہ سند میں نعمان بن راشد ہے اہم بخاری فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث میں بجزرت وہم ہوتا ہے اہم احمد ان کو مضطرب الحدیث کہتے ہیں اور نیز کہتے ہیں کہ یہ صاحب منا کیر بھی ہیں، اہم ابن معین، ابو داؤد، نسائی، اور یحییٰ بن سعید تمام ان کی تضعیف کرتے ہیں (میزان جلد ۳ ص ۲۳۶) و ثانیاً اس میں زہری عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اور مبارکپوری صاحب کہتے ہیں کہ ان کی معضن حدیث صحیح نہیں ہے و ثالثاً روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ ابن خدا فر آپ کے پیچھے بحالت اقتدار نماز پڑھتے ہوئے جہر کر رہے تھے ہو سکتا ہے کہ سنن و نوافل وغیرہ کی نماز میں انفرادی حالت میں انہوں نے ایسا کیا ہو اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو قریب ہوں گے ان کی یصلح فرمائی ہو بلکہ یہی قرین قیاس ہے۔ قارئین کرام نمبر شماری کے لحاظ سے گزرفیق ثانی کی طرف سے اس روایت میں پیش کی گئی ہیں لیکن جو روایتیں ان کی طرف سے پیش کی گئی ہیں اور پھر ان کے جوابات دیے گئے ہیں۔ غالباً چالیس سے کم نہ ہوں گی اور آپ جلد اول میں پیش کردہ احادیث میں روایت کا اور جلد ثانی میں پیش کردہ روایتوں میں راولوں کا توازن خوب ملاحظہ کر چکے ہیں اور یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عبادہ بن الصامت کی بخاری و مسلم وغیرہ کی اس روایت کے علاوہ جو نمبر اول پر پیش کی گئی ہے اور جس میں فصاعداً، ماتیس اور ما زاد کی زیادت بھی موجود ہے اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے خصوصاً بقید خلف الہام اور جملہ استثنائیہ کی روایت پر سیر حاصل بحث آپ ملاحظہ کر چکے ہیں عیاں را چہ بیان اور شنیدہ کے بود مانند دیدہ ما ب ہم دو سکر باب کو ختم کر کے تیسرا باب شروع کرتے ہیں۔

تیسرا باب

آثار حضرات صحابہ و تابعین وغیرہم

مرفوع روایات کا جن کو فریق ثانی نے مقتدی کے لیے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے دو جوب کے لیے اور امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نماز کے ناقص، بیکار، کالعدم اور باطل ہونے کے لیے پیش کیا تھا، روایتی اور درایتی حال تو آپ اچھی طرح معلوم کر چکے ہیں کہ بغیر معدودے چند مرفوع روایات کے (جن میں خلف الامم کا لفظ موجود نہیں ہے اور ان میں قصاعداً، ماتیسراً اور ما زاد، کی زیادت یا لا و زاد الامام کی قید مذکور ہے) اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے خصوصاً وہ روایات جن میں خلف الامم کی زیادت اور الایام القرآن کی استثناء موجود ہے وہ تو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہیں۔ ان مرفوع روایات پر کلام کرنے کے بعد مزید حاجت تو باقی نہیں رہتی کہ ہم آثار حضرات صحابہؓ و تابعینؓ وغیرہم کو نقل کر کے ان کے جوابات عرض کریں خاص کر کے جب کہ فریق ثانی کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ درموقوفات صحابہؓ حجت نیست اگرچہ بصحت رسد اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اور تابعینؓ کے اقوال بلکہ صحابہؓ کے اقوال اختلافی امور میں حجت نہیں ہوتے خصوصاً جب کہ ایک طرف صحیح حدیث موجود ہو الخ (ص ۳۴) مگر صرف تکمیل کتاب اور افادۃ طلبہ کے لیے آثار حضرات صحابہؓ کرشم اور تابعینؓ وغیرہم پر کلام نقل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اس مسئلہ کا کوئی پہلو اور گوشہ عامۃ المسلمین کی نگاہ سے بھی اوجھل نہ رہے۔

حضرت عمرؓ کا اثر ہے۔ پزیر شریکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ بن الخطاب سے سوال کیا۔

اقتل خلف الامام قال نعم قال وان قرأت یا امیر المؤمنین قال وان قرأت (جزء القرآۃ ص ۳۱)

طحاوی جلد ۱۲۹ کتاب القراءة ص ۱۱۰) کیا میں اہم کے پیچھے قرأت کر سکتا ہوں؟ فرمایا ہاں سائل نے پوچھا اگرچہ آپ پڑھ رہے ہوں اے امیر المؤمنین؟ فرمایا ہاں اگرچہ میں پڑھتا رہوں اور مستند رک ۲۳۹ دارقطنی ص ۱۲ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶ وغیرہ) میں یہ بھی مذکور ہے تم سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو سائل نے دریافت کیا اگرچہ آپ جہر سے قرأت کر رہے ہوں؟ فرمایا ہاں اگرچہ میں جہر سے قرأت کیا کروں۔

جواب: فریق ثانی کا اس روایت سے وجوب فاتحہ پر استدلال صحیح نہیں ہے اس لیے کہ ہم نے جلد اول میں حضرت عمرؓ کا اثر ترک قرأت کا نقل کیا ہے اگر یہ اثر صحیح ہو جیسا کہ بعض ائمہ نے اس کو صحیح کہا ہے تو اس کا جواب وہی بہتر ہے جو مولف خیر الکلام نے ص ۲۹۳ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۲۹۳ سے نقل کیا ہے اور پھر مولف مذکور نے یہ لکھا ہے کہ یعنی قرأت فی نفسہ منع نہیں صرف منازعت منع ہے جو شخص فاتحہ بدون منازعت پڑھ سکتا ہو پڑھے جس میں اتنی طاقت نہیں وہ نہ پڑھے اس تطبیق کی اس وقت ضرورت ہوتی جب حضرت عمرؓ سے منع کی روایت صحیح ہوتی مگر وہ روایت صحیح نہیں الخ آگے لکھا ہے کہ وہ مرسل ہے اور محقق مذہب محدثین کا یہ ہے کہ مرسل حجت نہیں (محصلاً ص ۲۹۳) مگر ہم باحوالہ محدثین کا مذہب نقل کر آئے ہیں کہ مرسل صحیح ہوتی ہے لہذا تطبیق کی ضرورت پیش آئے گی اور یہ بہتر تطبیق ہے لیکن اس اثر سے فریق ثانی کو چندال فائدہ نہ ہو گا کیونکہ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ جو شخص اہم کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے کالعدم ہے بیکار ہے اور باطل ہے اور اس اثر سے صرف اجازت اور اختیار ثابت ہوتا ہے حضرت عمرؓ سے اسی مضمون کا ایک اثر کتاب القراءة ص ۵۹ میں موجود ہے لیکن سند میں محمد بن حسن ابو جبر بہارمی ہے ام دارقطنی کہتے ہیں کہ ان کا ایک بیاض صحیح اور دوسرا بالکل رومی تھا، انہوں نے دونوں کو خلط ملط کر دیا تھا حتیٰ کہ صحیح اور ضعیف کی کوئی تمیز باقی نہ رہی تھی، علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ معروف واہ مشہور و معروف ضعیف ہے، علامہ برقانی اور ابن سرینی کہتے ہیں کہ وہ کذاب تھا (بغدادی جلد ۲ ص ۲۱، کتاب النسب ص ۱۰) میزان جلد ۳ ص ۲۵ ولسان جلد ۵ ص ۱۳) کتاب القراءة ص ۱۱۰ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶ وغیرہ میں حضرت عمرؓ کا اس مضمون سے ایک اثر آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کوئی نماز صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ اس میں سورۃ فاتحہ اور کچھ اور بھی پڑھا جائے، سائل نے کہا اگرچہ میں اہم کے پیچھے کھڑا

ہوا کروں فرمایا ہاں اقرافی نفلت مگر اسکی سند میں عبایہ ہے حافظ ابن حجرہ لکھتے ہیں کہ وہ غالی شیعہ تھا۔ ابو بکر بن عیاش کا بیان ہے کہ میں نے ام ائیشؓ سے پوچھا آپ عبایہ سے کیوں روایت کرتے ہیں؟ فرمایا خدا کی قسم میں تو اس کی روایت کو علی وجہ الاستہزاء نقل کرتا ہوں میں نے اس کو کب حجب سمجھا ہے عقلی اس کو ضعفاء میں لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ غالی اور محد تھا (لسان المیزان جلد ۲ ص ۲۴۶) اور ابوا
اگر حضرت عمرؓ کے یہ آثار صحیح بھی تسلیم کر لیے جائیں تو پھر بھی یہ فریق ثانی کے سرسرخ خلاف پڑتے ہیں۔ کیونکہ حضرت عمرؓ کے ان آثار میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ قرآن کریم کے کسی اور حصہ کا بھی ذکر موجود ہے چنانچہ ایک روایت میں یوں ہے فاتحۃ الكتاب وشيئا (كتاب القراءة ص ۱) ایک روایت میں ہے بفاتحة الكتاب ومعها (كتاب القراءة ص ۱) وسنن الكبرى جلد ۲ ص ۱۶ اور ایک روایت میں ہے بفاتحة الكتاب وشيئا معها (كتاب

القراءة) اور ایک روایت میں ہے بفاتحة الكتاب ومعها شيئا (جامع المسانيد جلد ۱ ص ۳۲۶) اگر فریق ثانی حضرت عمرؓ کے اس اثر کو صحیح سمجھتا ہے تو معہا شيئا کی زیادت کو کیوں ہضم کر جاتا ہے؟ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ اس زیادت کو بیان کرنے والا عبایہ ہے پھر یہ کس طرح صحیح ہو سکتی ہے؟ (محصلہ ص ۲۹۲) الجواب: جامع المسانيد کی سند میں عبایہ نہیں ہے اسی طرح مؤلف مذکور کا اس روایت کو سنی نمازوں پر محمول کرنا بے دلیل ہے اور معہا سے اذکار اور لینا بھی خلاف اصل ہے کیونکہ جب بات قرأت قرآن ہو رہی ہے تو بلا توی قرینہ کے کیوں اصل کو چھوڑ جائے بلا شک فرض اور مستحب ایک امر میں جمع ہو سکتے ہیں مگر حضرت عمرؓ ما زاد کو واجب سمجھتے ہیں کما مر۔ بہر حال ان کی طرف سے جو محقول جواب و معہا کی زیادت کا دیا جائے گا وہی جواب ہماری طرف سے قرأت فاتحہ کا سمجھ لیں اور فتح الباری کے حوالہ سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمرؓ ما زاد علی الفاتحہ کے وجوب کے قائل تھے۔ مؤلف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ ما زاد کو حضرت عمرؓ فرض نہیں سمجھتے ہوں گے اھ (ص ۲۹۲) مردود ہے کیونکہ باحوالہ عرض کیا گیا ہے کہ وہ ما زاد کو واجب سمجھتے ہیں، احناف کے نزدیک ثبوت اور دلالت کے لحاظ سے فرض اور واجب میں فرق ہے لیکن دو سر حضرت ان میں فرق ملحوظ نہیں رکھتے یا محض برائے نام فرق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ خود مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ کیونکہ شریعت میں واجب اور فرض میں

کوئی فرق نہیں الخ (ص ۱۳۲) یا تو فرق ثانی حضرت عمرؓ کے اثر کے پیش نظر ما زاد علی الفاتحة کے وجوب کا بھی قائل ہو جائے اور یا یہ تحقیق قبول کرے کہ حضرت عمرؓ کا یہ اثر منفرد کے حق میں ہے جس پر سورہ فاتحہ کے علاوہ ما زاد بھی واجب ہے اور چونکہ حضرت عمرؓ امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے حتیٰ کہ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ کاش جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے اس کے منہ میں پتھر ڈالا جائے جیسا کہ پہلی جلد میں گذر چکا ہے تو اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ بعض راویوں کی غلطی ہے اور یہ اثر منفرد کے حق میں ہے نہ کہ مقتدیوں کے حق میں۔

حضرت علیؓ کا اثر بہ سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۸۔ مستدرک جلد ۱ ص ۲۳۹، دارقطنی

جلد ۱ ص ۱۲۲، طحاوی جلد ۱ ص ۱۳۳، کتاب القراءة ص ۱۲۲ اور جن القراءة ص ۱۳۳ وغیرہ میں روایت ہے (واللفظ للاخیر)

عن علی بن ابی طالب انه كان يأمر
ويجب ان يقرأ خلف الامام في الظهر
والعصر بفاتحة الكتاب وسورة سورة
وفي الاخيرين بفاتحة الكتاب -
حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ وہ اس بات کو پسند کرتے
اور اس کا حکم دیا کرتے تھے کہ امام کے پیچھے ظہر اور عصر کی پہلی سورتوں
میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی پڑھ لی
دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔

مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ امام دارقطنی، امام بیہقی اور علامہ ذہبی اس اثر کو صحیح کہتے ہیں (محصلاً ۲۹۸)
جواب :- یہ روایت بھی قابل استدلال اور فرق ثانی کو مفید نہیں ہو سکتی اولاً اس لیے کہ سند میں سفیان
بن حسین ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ زہریؒ کی روایت میں وہ نہایت ضعیف اور کمزور ہے ایسی ہی القطن
اور ابن مہینہ فرماتے ہیں کہ زہریؒ کی روایت میں یہ ثقہ نہ تھے ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ اس کی حدیث میں بکثرت
خطا ہوتی ہے یہی بات ان سے متعلق یعقوب بن شیبہ نے بھی کہی ہے۔ ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ اس سے
احتجاج صحیح نہیں ہے۔ امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ زہریؒ کی روایت میں ضعیف ہے، ابن حبانؒ کہتے
ہیں کہ امام زہریؒ سے الٹ پلٹ روایتیں بیان کرتے ہیں ابن عدیؒ کا بیان ہے کہ زہریؒ کی حدیث میں
قابل احتجاج نہیں ہے (میزان جلد ۱ ص ۲۹۹) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ زہریؒ کی روایت میں ضعیف
ہے (تقریب ص ۱۸۱) قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ زہریؒ کی روایت میں یہ ضعیف ہے (نیل الاوطار ص ۱۹)
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ زہریؒ کی روایت میں یہ ضعیف ہے

اس کی جو روایت زہری کے طریق سے ہوگی وہ محض بیسج ہے (فتاویٰ جلد ۱۵ ص ۴۱۵) اور یہ روایت بھی زہری ہی کے طریق سے ہے اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ زہری میں اس کے ضعف کی یہ وجہ ہے کہ زہری کا صحیفہ اس پر خطا ملط ہو گیا تھا ابو یوسف (ص ۲۹۹) کچھ بھی ہو اس کا ضعف ان کو مسلم ہے مبارکپوری صاحب نے یہ کہا ہے کہ اس روایت کو امام شعبہ نے روایت کیا ہے اور محدثین نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ شعبہ ثقہ مشائخ سے ہی روایت کرتے ہیں لہذا یہ روایت بھی صحیح ہوگی لیکن یہ ان کا وہم ہے اور آخر میں خود مبارکپوری صاحب کو اس کا احساس بھی ہو گیا تھا چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ امام بیہقی امام شعبہ سے روایت کرتے ہیں کہ جیب میں تم سے اعمش ابو اسحاق اور قتادہ کے طریق سے روایت بیان کروں تو اگرچہ وہ عنعنہ سے ہوتے ہیں اس کو سماع پر عمل کرنا حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہ عمدہ قاعدہ ہے کہ جب امام شعبہ کی روایت ان تینوں سے مروی ہو تو تیس مضر نہ ہوگی اگرچہ وہ روایت معنعن ہی کیوں نہ ہو (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۱۷۱) معلوم ہوا کہ امام شعبہ کا یہ ارشاد ان تینوں کی تیس سے متعلق ہے نہ کہ جملہ روایت کی توثیق سے متعلق امام دارقطنی نے معمر کے طریق سے بھی روایت نقل کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے اور مؤلف خیر الکلام نے اس کو متابع کہا ہے مگر اس میں بھی مدار زہری پر ہے اور وہ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اور فریق ثانی کے نزدیک یہ قاعدہ مسلم ہے چنانچہ مبارکپوری صاحب ان کی معنعن حدیث کو اس لیے رد کرتے ہیں کہ وہ مدلس تھے اور یہاں بھی وہ عنعنہ سے روایت کیے تھے و ثانیاً اگر یہ اثر صحیح ہے تو اس سے صرف ظہر اور عصر کی نمازوں میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا ثبوت ہوگا اور یہ دونوں سری نمازیں ہیں حالانکہ فریق ثانی تمام نمازوں میں اس کا مدعی ہے و ثانیاً اس اثر میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا بھی حکم موجود ہے مگر فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے۔ مبارکپوری صاحب نے سفیان بن حسین کا ایک متابع اسحاق بن راشد (جس کی روایت جزء القراءۃ ص ۲ وغیرہ میں ہے) بیان کیا ہے (ابکار المنن ص ۱۴۲) لیکن محدث ابن خزیمرہ فرماتے ہیں کہ اسحاق بن راشد سے احتجاج درست نہیں ہے (میزان جلد ۱ ص ۸۹) امام نسائی اس کو ضعیف کہتے ہیں (تہذیب جلد ۱ ص ۲۳) ابن معین کہتے ہیں کہ زہری کی روایت میں یہ ضعیف ہے (ایضاً حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ زہری سے جو جو روایت کرتا ہے اس میں وہم ہوتا ہے (تقریب ص ۲۵) اور یہ روایت بھی زہری ہی سے ہے مبارکپوری صاحب نے امام معمر کو بھی ان کا متابع بیان ہے ان کی روایت دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۲ میں

ہے اور دارقطنی اس کی تصحیح کرتے ہیں، لیکن اس میں بھی زہری عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اور مدرا نہیں پر ہے اور مبارکپوری صاحب کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہ وہ ان کی معنعن حدیث کو صحیح اور حسن سمجھنے پر آمادہ نہیں ہیں سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۸ میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں بھی یہ روایت معنعن ہے علاوہ ازیں اس روایت میں بھی ظہر اور عصر کی نماز کا ذکر ہے اور سورہ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا بھی ذکر ہے حالانکہ فریق ثانی فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا قائل نہیں ہے اس لیے اس اثر سے صرف سورہ فاتحہ کی اجازت پر اور خصوصاً جملہ نمازوں میں اس کے ضروری ہونے پر استدلال ہرگز صحیح نہیں ہے۔ حضرت علیؓ کا ایک اثر کتاب القراءة ص ۱۶ اور سنن الکبریٰ ص ۱۶۸ وغیرہ میں بھی (ان سے یہ اثر حکم و اور حماد کے طریق سے) مروی ہے لیکن خود امام بیہقیؒ اس کو مرسل کہتے ہیں (ص ۱۶۸) امام حادویؒ بھی اس کو منقطع کہتے ہیں (احکام القرآن جلد ۲ ص ۱۶۳) اور فریق ثانی مرسل کو ضعیف سمجھتا ہے اور یہ تو لغوی مرسل (یعنی منقطع) ہے ان کا ایک اثر کتاب القراءة ص ۵۸ اور ص ۶۲ میں بھی مذکور ہے لیکن ایک سند میں محمد بن مغیرہ بن عبد الرحمن مجہول ہے۔ دوسرا راوی اس سند کا حسین بن محمد مروزی ہے، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ مجہول ہے (تقریب ص ۹۴) تیسرا راوی اس سند کا معتزل بن عبید اللہ ہے حافظ موصوف لکھتے ہیں کہ وہ صدوق لٹٹی تھا (تقریب ص ۲۵۹) اور دوسری سند میں ابو علی بن ابراہیمؒ اور احمد بن محمدؒ وغیرہ راوی ہیں کتب رجال سے ان کا پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کیسے تھے؟ مبارکپوری صاحب نے کتاب القراءة ص ۱۳۴ کے حوالہ سے حضرت علیؓ کا یہ فتویٰ بھی نقل کیا ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیے اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہذا اسناد من اصح الاسانید فی الدنیار تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۶) یہ دنیا کی تمام سندوں سے صحیح ہے۔

الجواب :- اگرچہ اس کے اور بھی سند اور معنی کے لحاظ سے کئی جوابات دیے جاسکتے ہیں مگر ہم صرف وہی جواب عرض کرتے ہیں جو خود مبارکپوری صاحب کے قلم سے نکلا ہے۔ اس روایت میں زہریؒ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اور مبارکپوری صاحب نے ایک مقام پر لکھتے ہیں۔ فی اسنادہ الزہری وهو مدلس ورواہ عن سالم بالعتنہ فکیف یکون اسنادہ صحیحاً البکار المنن ص ۵۶) اس کی سند میں زہریؒ ہیں جو مدلس تھے اور سالم سے عنعنہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ تو اس کی اسناد کیسے صحیح ہو سکتی ہیں؟ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔ فی سندہ الزہری وروی

عن طلحة بن عبد الله بالنعنة فكيف يكون استاده صحيحاً (ص ۲۵) اس کی سند میں زہریؒ ہیں جو مدلس تھے اور وہ طلحہؒ سے عنعنہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں پھر کنونکر اس کی سند صحیح ہو سکتی ہے؟ مبارکپوری صاحبؒ ہی ازراہ کرم و انصاف فرمائیں کہ جب زہریؒ کی منعن روایت صحیح تک نہیں ہو سکتی تو وہ اصح الاسانید کیسے ہوگی؟ اور پھر تمام روئے زمین کی اسانید سے وہ اصح کیسے ہوگی؟ الغرض دیگر حضرات محدثین کرامؒ کے اصول کے تحت کبھی اور خود فریق ثانی کے نزدیک بھی حضرت علیؑ کے پیش کردہ جملہ آثار ضعیف کمزور اور محلول ہیں اور مزید برآں ان میں جہرمی نمازوں کا ذکر تک نہیں اور سری نمازوں میں بھی سورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا بھی ساتھ ذکر ہے۔ مگر فریق ثانی اس کی مطلقاً پروا نہیں کرتا۔

حضرت ابی بن کعب کا اثر :-

ان سے یہ روایت کی گئی ہے انہ کان یقرأ خلف الامام رجلاً القراءۃ و کتاب القراءۃ (ص ۱۱) کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے۔

جواب :- اس کی سند میں زیاد بکائی ہے امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ وہ قومی نہ تھا (ضعفاء) ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ ابن مدینیؒ اور ابن سعدؒ وغیرہ اس کی تضعیف کرتے ہیں (میزان جلد ۱ ص ۲۵۵) ابن معینؒ کہتے ہیں کہ حدیث میں یہ قابل اعتبار نہیں صحاح کا بیان ہے کہ وہ فی نفسہ ضعیف ہے، ابن حبانؒ اس کو فاحش الغلط اور کثیر الوہم کہتے ہیں اور کہتے ہیں جب یہ متفرد ہو تو اس سے احتجاج درست نہیں ہے (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۲۷۵) حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ کمزور ہے (التقریب ص ۱۳) کتاب القراءۃ ص ۶۲ دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۸ وغیرہ میں ایک دوسری سند سے یہ روایت منقول ہے لیکن اس کی سند میں ابو جعفر رازیؒ ہے جس کا نام علیؒ بن ابی علیؒ مالان ہے۔ امام احمدؒ اور نسائیؒ کہتے ہیں کہ وہ قومی نہ تھا ابن مدینیؒ اس کو صاحب غلط اور خطا کہتے ہیں۔ فلاسؒ اس کو سخی الحفظ کہتے ہیں ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ مشہور راویوں سے منکر روایتیں بیان کرتے ہیں۔ ابو زرہؒ کہتے ہیں کہ وہ بکثرت وہم کا شکار تھا (میزان جلد ۲ ص ۲۱۵) ذکر یاساجیؒ کہتے ہیں کہ وہ صاحب اتقان نہ تھا۔ ابن خراشؒ اس کو سخی الحفظ کہتے ہیں علیؒ کہتے ہیں کہ وہ قومی نہ تھا۔ حافظ ابن حجرؒ اس کو سخی الحفظ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص ۵)

یہ اثر بھی انتہائی ضعیف اور کمزور ہے نیز یہ بھی نہ چھوڑنے کے مطلق قرأت سے سورہ فاتحہ کی قرأت کیے ثابت ہوگی؟ کیونکہ اس اثر میں سورہ فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور فرق ثانی کی رٹ سورہ فاتحہ کی ہے۔ مولف خیر الکلام نے بعض توشیحی کلمات نقل کر کے آگے لکھا ہے کہ توشیح کے بعد جرح مذکور کا کوئی اعتبار نہ ہو گا کیونکہ وہ مبہم ہے اور اس کی دوسندیں اور ہیں تعدد طرق سے حسن روایت صحیح ہو جاتی ہے (محصلاً ص ۳۲) الجواب۔ فاحش الغلط اور کثیر الہرم وغیرہ جرح مفسر ہے اس کو مبہم کہنا اصول حدیث سے بے خبری کی دلیل ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر و حدیث کی مردود قسموں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

فن فحش غلطہ، او کثرت غفلة او ظہر فسقہ، غفلة منکر (شرح منجۃ الفکر ص ۵۹) سو جس شخص کی غلطیاں زیادہ ہوں۔ یا اس کی غفلت زیادہ ہو یا اس کا فسق ظاہر ہو تو اس کی حدیث منکر ہوتی ہے۔

پھر آگے راوی کے وہم کی بحث کی ہے اور اس کی حدیث کو محلل کہا ہے۔ اور آخر میں راوی کے سو حفظ پر کلام کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ اگر سو حفظ تمام حالات میں راوی کو لازم ہے تو اس کی حدیث سزا دہکتی ہے اور اگر سو حفظ طاری ہو تو اس کی مختلط کہتے ہیں اور تقریب النواوی میں ہے کہ۔

واذا قالوا متروک الحدیث او واہیہ او کذاب فهو ساقط لا یکتب حدیثہ (مع التدریب ص ۲۳۳)

جب محدثین کسی راوی کو متروک الحدیث، یا واہی الحدیث یا کذاب کہیں تو وہ ساقط الاعتبار ہوتا ہے اور اس کی لکھی بھی نہیں جاسکتی۔

اور اس کی شرح میں لکھا ہے کہ۔ ولا یعتبر بہ ولا یتشہد (تدریب الراوی ص ۲۳۳)

اور نہ تو اس کو اعتبار (ومتابعیت) میں پیش کیا جاسکتا ہے اور نہ شاہد ہیں۔

اور تقریب النواوی اور اس کی شرح میں اس کی تصریح موجود ہے کہ۔

واذا اجتمع فیہ ای الراوی جرح مفسر وتعديل فالجرح مقدم ولو زاد عدد المعدل هذا هو الاصح عند الفقهاء والاصولیین ونقله الخطیب عن جمہور العلماء (تدریب الراوی ص ۲۳۴)

اگر راوی میں جرح اور تعدیل جمع ہو جائیں تو جرح مقدم ہوگی اگرچہ تعدیل کرنے والوں کی تعداد زیادہ بھی کیوں نہ ہو فقہاء اور ارباب اصول حدیث کے نزدیک یہی صحیح ہے اور خطیب بغدادی نے جمہور علماء سے یہی نقل کیا ہے۔

مؤلف خیر الکلام نے ص ۴۰ و ص ۴۱ میں الرفع والتکمیل کے حوالہ سے جو عبارتیں نقل کی ہیں
 اولاً تو اس میں منکر الحدیث وغیرہ کو جو جرح بہم کے تحت درج کیا ہے قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ ابھی
 ہم باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ منکر الحدیث ایسی مفسر جرح ہے کہ بطور اعتقاد اور شاہد بھی ایسے راوی کی
 روایت نہیں پیش کی جاسکتی و ثانیاً الرفع والتکمیل (ص ۱) کی عبارت میں جس کو خود مؤلف خیر الکلام
 نے ص ۴۱ میں لکھا ہے یہ شرط بھی ہے کہ من غیر ان بیذکر سبب الطعن۔ یہ الفاظ بولے مگر اس کے
 طعن کا سبب بیان نہ کرے اور زیاد بکائی وغیرہ کے بارے میں فاحش الغلط اور کثیر الوہم وغیرہ کی مفسر
 جرح موجود ہے اور اگر نہ صراحت کے ساتھ سبب طعن ان میں ذکر کیا ہے پھر مؤلف خیر الکلام اس
 کو جرح بہم کہہ کر کس طرح کستی گلو خلاصی کر سکتے ہیں؟ اور تعدد طرق کا بہانہ بھی بڑا عجیب ہے، تعدد
 طرق سے حدیث وہاں صحیح یا حسن وغیرہ ہو سکتی ہے جہاں ہر ایک سند کی روایت پر قابل برداشت
 جرح ہونہ یہ کہ وہاں مفسر اور کڑی جرح بھی موجود ہو اور پھر بھی تعدد طرق سے حدیث صحیح یا حسن قرار پائے
 نواب صاحب کا حوالہ اس سلسلہ میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے، بہر حال یہ روایت ضعیف ہے اور
 معادلہ احکام کا ہے۔ اور امام نووی تصریح کرتے ہیں کہ نہ۔

فانہم متفقون علی انہ لا یختج بالضعیف تمام حضرات محدثین کو کم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ
 فی الاحکام (شرح مسلم جلد ۱ ص ۱۱۱) ضعیف کے احکام میں احتجاج درست نہیں ہے۔

فائدہ ۱۔ اس اثر کی سند میں ابوسنان کا ذکر آیا ہے محقق نیوی فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا نام
 معلوم نہیں ہو سکا (تعلیق جلد ۲ ص ۸۳) راقم کتاب ہے کہ ان کا نام ضرار بن مرہ تھا (تہذیب جلد ۱ ص ۱۱۱)

اور یہ بالاتفاق ثقہ اور ثبت تھے (تہذیب جلد ۱ ص ۱۱۱) حضرت ابی بن کعب کی ایک روایت ان
 الفاظ سے مروی ہے۔ کان یقدر خلف الامام فی ظہرہ والعصر (کتاب الفرائد ص ۶۲) کہ وہ ظہر

اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے لیکن اس سے بھی فریق ثانی کا احتجاج باطل ہے۔
 اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں یحییٰ بن العلاء ہے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ کذاب جعلی حدیثیں

بنایا کرتا تھا۔ ابن معین اس کو لیس بفقہ اور لیس بشیئہ کہتے ہیں عمرو بن علی، نسائی، دولابی اور
 دارقطنی اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں امام وکیع، البزرعی، ابو حاتم اور ابو داؤد اس کو ضعیف

کہتے ہیں، ابن حبان کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی

حدیثیں موضوع اور جعلی ہیں اساجی اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۶۲) مؤلف خیر الکلام نے یہاں بھی یہ لکھ کر گلو خلاصی چاہی ہے کہ یہ سب جرحیں مبہم ہیں سبحان اللہ تعالیٰ (ص ۲۰۵) و ثانیاً اس اثر میں ظہر اور عصر کی قید ہے اور فرق ثانی تمام نمازوں میں قرأت کا مدعی ہے و ثالثاً اس میں مطلق قرأت کا ذکر ہے سورہ فاتحہ کی تخصیص اس میں موجود نہیں ہے لہذا معنوی اعتبار سے بھی یہ اثر ان کو کسی طرح بھی مفید نہیں ہو سکتا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ

ہذیل بن شریبؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ امام کے پیچھے عصر کی نماز میں پہلی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی پڑھا کرتے تھے (کتاب القراءة ص ۶۴ و ابکار ص ۱۴۳)

جواب :- یہ اثر بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیمؓ ہے امام درقطنیؒ (جلد ۱ ص ۱۲۶ میں) امام بیہقیؒ (کتاب القراءة ص ۶۴ میں) اور امام احمدؒ، امام بیہقیؒ، اور امام نسائیؒ وغیرہ سب اس کو ضعیف اور کمزور کہتے ہیں (میزان جلد ۲ ص ۲۶، تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۶۸، قانون المصنوع ص ۲۸) اور دو سمر راوی اس سند کا عبدالرحمن بن ثروانؓ ہے امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے (میزان جلد ۲ ص ۲۶) نیز اس اثر میں ظہر و عصر کی نماز کی تخصیص ہے اور وہ بھی صرف پہلی دو رکعتوں میں اور فاتحہ کے ساتھ کسی اور سورت کا بھی ذکر ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے ایک روایت یوں ہے کہ وہ امام کے پیچھے ظہر اور عصر کی نماز میں قرأت کرتے تھے۔ مسنن الکبریٰ ص ۱۶۹

کتاب القراءة ص ۶۴، تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۵۳، ابکار المن ص ۱۴۳ اور جزأ القراءة ص ۱۳۱ (جزأ القراءة میں ظہر اور عصر کا لفظ موجود نہیں ہے) لیکن اس روایت کا مرکزی راوی شریکؓ ہے، امام بیہقیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اگر محمد بن اس سے احتجاج نہیں کرتے (جلد ۱ ص ۱۰۶) اور دو سے مقام پر لکھتے ہیں کہ بیہقیؒ قطنانؓ اس کی شدت ضعیف کرتے تھے (جلد ۶ ص ۱۳۶) عبداللہ بن مبارکؓ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث قابل قبول نہیں ہے جوز قانیؒ اس کو سنی الحفظ اور مضطرب الحدیث کہتے ہیں ابراہیم بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ شریکؓ نے چار تنگوا حدیث میں غلطی کی ہے (میزان جلد ۱ ص ۱۴۳) و تہذیب جلد ۸ ص ۲۶۳ علامہ جزائریؒ لکھتے ہیں کہ ان کی حدیث مردود اور غیر مقبول ہے (توجیہ النظر ص ۲۵) حافظ ابن حجرؒ اس کو کثیر الخطأ لکھتے ہیں (تقریب ص ۱۶۹) مبارکپوریؒ صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں یہ حدیث حسن

کیسے ہو سکتی ہے اس کی سند میں شریک متفرد ہے اور وہ صاحب خطا کثیر الغلط اور خراب حافظہ کے مالک تھے (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ ص ۲۸۸) نیز اس روایت میں قرأت کا ذکر ہے سورہ فاتحہ کی تخصیص نہیں ہے اور وہ بھی صرف ظہر اور عصر کی نماز میں اور علیہ اقول میں صحیح اسانید کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود کا محقق مسلک نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ کسی نماز میں امام کے پیچھے کسی قرأت کے قائل نہ تھے نہ سورہ فاتحہ کے اور نہ کسی اور سورت کے اس لیے فریق ثانی کا حضرت ابن مسعود کے اثر سے استدلال روایت و درایت پر طرح سے مردود ہے۔ مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ ان آثار میں اگرچہ کچھ ضعف ہے مگر مجموعی طور پر ان سے احتجاج درست ہے اور جن آثار میں ظہر و عصر کی قید ہے وہ اتفاقی ہے اور اس کے خلاف جو ان کا فتویٰ ہے وہ جہر پر محمول ہے (محصلاً ص ۳۳۱)۔

الجواب درجن آثار میں کچھ ضعف ہے ان کی بجائے آپ وہ آثار کیوں نہیں لے لیتے جو بالکل صحیح ہیں جو جلد اول میں گزر چکے ہیں اور ظہر و عصر کی قید خالص احترامی ہے کیونکہ اس کے اتفاقی ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور ان کے قول کو جہر پر محمول کرنا خالص سیدہ زوری ہے وہ امام کے پیچھے نفس قرأت کے ہی منکر ہیں جو صحیح روایات سے ثابت ہے کما مر۔
حضرت عبداللہ بن مغفل کا اثر :- امام بخاری اپنی سند کے ساتھ یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

عن عبد اللہ بن مغفل انہ کان یقول فی الظہر والعصر خلف الامام فی الاولین بفتح الکتاب وسورتین وفي الاخرین بفتح الکتاب (جزء القراءة ص ۱۱۱)
کہ حضرت عبداللہ بن مغفل ظہر اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ اور دو اور سورتیں بھی پڑھا کرتے تھے اور پچھلی دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔

جواب :- اس اثر سے بھی فریق ثانی کا احتجاج درست نہیں ہے۔ اولاً اس لیے کہ اس سند میں عمر بن ابی کحیم ہے علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ راوی مجہول ہے چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں وقال الذہبی لا یعرف انہی کہ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ مجہول ہے (تہذیب ص ۲۵) ابن جان اس کو ثقات میں لکھتے ہیں لیکن مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں کہ انہیں کوئی ثبوت نہیں کہ ان جان متقابل ہیں (تحقیق الکلام ص ۱۱) وثانیاً اس اثر سے صرف ظہر اور عصر کی سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کا ثبوت سے حالانکہ فریق ثانی سب نمازوں اور سب اہل بیت کے لیے دعویٰ کرتا ہے وثالثاً اس اثر میں سورہ فاتحہ کے علاوہ اور سورتوں کی قرأت کا بھی ذکر ہے اور فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے اس لیے اثر بھی اس کو چنداں ثبوت نہیں ہو سکتا نیز الکلام لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس اثر میں ظہر اور عصر کا ذکر ہے مگر ثانی کی نفی نہیں منہم مخالف کا اعتبار نہیں (محصلاً ص ۳۲۶)

الجواب: ظہر و عسر کی قید ترمذی ہے جو باقی کی نفی پر وال ہے اور مفہوم مخالف پر یہ واضح دلیل ہے پھر کیوں حجت نہیں؟ ہاں اگر احناف کی طرح وہ مفہوم مخالف کو حجت نہیں سمجھتے تو صاف کہتے ہیں۔ تاکہ ہم ان کی پسند کا کوئی اور جواب عرض کر سکیں۔
حضرت ابوسعید الخدریؓ کا اثر:

حضرت ابونضرؓ کہتے ہیں میں نے حضرت ابوسعید بن الخدریؓ سے پوچھا عن القراءۃ خلف الامام فقال بفتحہ الكتاب رجلاً القراءۃ ص ۱۳) کہ امام کے پیچھے قرأت صحیح ہے فرمایا ہاں سورہ فاتحہ۔
جواب: سند میں عوام بن حمزہ ہے ابن جوزیؒ اس کوضعفا میں لکھتے ہیں (الجزم النقی ص ۱۶۲) امام یحییٰ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث محض ایچ ہے (میزان جلد ۲ ص ۲۵۸) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ صاحب مناکیر تھے (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۶۳) مبارکپوری صاحبؒ کہتے ہیں کہ عوام ثقہ ہے کیونکہ جرح مبہم ہے لہذا یہ اثر صحیح ہے (تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۵۸) امام الجرح والتعدیل یحییٰ تو یہ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث یسبب ہے اور امام احمدؒ اس کو صاحب مناکیر کہہ کر منکر الحدیث بنا ہے ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ مبارکپوری صاحبؒ کے نزدیک یہ جرح مبہم ہے، کیا مولانا کو اپنا لکھی ہو یا یہ ارشاد یا نہیں کہ جس راوی سے متعلق منکر الحدیث ہونیکا الزام ہو اس کی حدیث قابل ترک ہے کیونکہ یہ جرح مضرب ہے (ابکار المنن ص ۱۹۱) الغرض یہ روایت اور اثر بھی فریق ثانی کو مفید نہیں۔
حضرت انسؓ بن مالک کا اثر: حضرت ثابتؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں:

عن انس قال کان یأمرنا بالقراءۃ تخلف الامام وکنت اقوم الی جنب النبی فیقرأ بفتحہ الكتاب وسورۃ من المفصل
کہ حضرت انسؓ ہمیں امام کے پیچھے قرأت کرنے کا حکم دیا کرتے اور میں حضرت انسؓ کے پہلو میں کھڑا ہوتا تھا اور وہ سورہ فاتحہ اور مفصل اس سے کوئی سورت بھی ساتھ پڑھا کرتے تھے۔
(کتاب القراءۃ ص ۱۳ و ص ۱۴)

جواب: یہ اثر بھی فریق ثانی کو مفید نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں وہی عوام بن حمزہ ہے جس پر جرح گذر چکی ہے یہ روایت سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۳ میں بھی مذکور ہے اور اس کی سند میں عوام بن حوشبؓ ہے اور گو وہ ثقہ ثبت اور فاضل تھے (تقریب ص ۲۹۲) لیکن امام بیہقیؒ امام ابن خزیمہؒ وغیرہ کے حوالہ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ عوام بن حوشبؓ کا نام لینا صحیح نہیں ہے صحیح یہ ہے کہ یہ راوی عوام بن حمزہ ہی ہے و ہذا اصح صحیح ترین بات صرف یہی ہے و ثانیاً اس اثر میں سورہ فاتحہ کے علاوہ کسی اور مفصل سورت کا بھی ذکر ہے حالانکہ فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے جو جواب وہ ترک

سورة من المفصل کا عنایت فرمائے گا وہی ہماری طرف سے ترک سورہ فاتحہ کا کچھ لے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر و کا اثر، حضرت مجاہد سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں۔

سمعت عبد الله بن عمر و يقرأ في الظهر
والعصر خلف الامام (سنن الكلبی جلد ۲) نمازیں اہم کے پیچھے قرأت کرتے سنا۔

ص ۱۶۹ و کتاب القراءة ص ۶۵)

جواب: اگر مبارکپوری صاحب کا قاعدہ پیش نظر رکھا جائے (جیسا کہ انہوں نے ابوالسحاق

اور حاتم بن سلمہ وغیرہ کے متعلق اختیار کیا ہے) تو یہ اثر سنا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں حصینؓ ہیں گو وہ ثقہ تھے لیکن حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ آخر عمر میں ان کا حافظ خراب ہو گیا تھا (تقریب ص ۹۵)

ام ابو حاتم ام نسائیؒ اور ترمذی بن ہارونؒ بھی فرماتے ہیں کہ آخر میں ان کا حافظ خراب ہو گیا تھا (تہذیب جلد ۲ ص ۳۸۲) اور اگر اس اثر کو صحیح تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ اہم بیہقیؒ نے اس کی تصریح کی ہے تو فریق

ثانی کو پھر بھی یہ اثر کلیتاً مفید نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس میں ظہر اور عصر کی قید ہے اور سورہ فاتحہ کی قرأت کا ذکر نہیں ہے بلکہ دوسری روایت میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ظہر کی نماز میں

اہم کے پیچھے سورہ مریم پڑھتے تھے (سنن الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۶۹) اہم بیہقیؒ کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے محقق نیویؒ لکھتے ہیں اسنادہ صحیح (تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۸۳) کہ اس کی سند صحیح ہے لہذا اس اثر کو

اہم کے پیچھے جملہ نمازوں میں قرأت سورہ فاتحہ کے اثبات کے لیے پیش کرنا دو ازار کار بات ہے اہم بیہقیؒ نے ایک اور سند نقل کی ہے جس میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت عبد اللہ بن عقبہ

سے روایت نقل کی ہے کہ وہ دونوں اہم کے پیچھے قرأت کرتے تھے۔ (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۹)

لیکن اس کی سند میں عبد الملک بن محمدؒ ہے اہم دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ وہ صدوق تھے لیکن اسناد اور متون میں بجز خطا کرتے تھے وہ زبانی روایت بیان کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کے ادہام

بہت زیادہ ہو چکے تھے (تہذیب جلد ۲ ص ۴۲) امام حاکمؒ نقل کرتے ہیں کہ جن روایتوں میں یہ منفرد ہوں ان سے احتجاج صحیح نہیں ہے علامہ ابوالقاسمؒ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ان کی حدیثوں کی

دس جلدیں موجود ہیں لیکن ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جو ان کے دہم سے بچ سکی ہو، کسی کی سند میں خرابی ہے تو کسی کے متن میں وہ زبانی روایتیں بیان کیا کرتے تھے، اس لیے

ان کے اوصاف بہت زیادہ ہو گئے ہیں (ایضاً ص ۲۱۱) اور ان کا وہم اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسی اثر میں یہ تین متضاد نام آتے ہیں عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عقبہ اور عبداللہ بن عمروؓ چنانچہ امام بیہقی (بلکہ حضرت امام بخاریؒ بھی) کھٹے جزأ القرآۃ ص ۱۱۱) مؤخر الذکر کے نام کو صحیح سمجھتے ہیں۔ (سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۹ و کتاب القرآۃ ص ۶۵) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا محقق مسلک بسند صحیح جلد اول میں نقل کیا جا چکا ہے اور ان کی اس کے خلاف پیش کردہ روایتوں پر کلام آ رہا ہے۔
 انشاء اللہ العزیز۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کا اثر:۔ یزید فقیرؒ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں:۔
 قال کنا نقرأ فی الظهر والعصر خلف الامام وہ فرماتے ہیں کہ ہم ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں فی الرکتین الاولین بفاتحة الكتاب سورة فاتحة اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی اور وسورة وفي الآخريين بفاتحة الكتاب۔ پچھلی دو نوں رکعتوں میں صرف سورة فاتحة پڑھا (ابن ماجہ ص ۱۱ و سنن الکبریٰ ص ۱۱۱ کتاب القراءۃ) کرتے تھے۔

جواب:۔ اس اثر سے بھی فریق ثانی کا استدلال صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں سعید بن عامرؒ سے گو وہ ثقہ تھے لیکن ابوحاتمؒ کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں بعض غلطیاں بھی ہوتی ہیں (تذیب جلد ۴ ص ۱۱) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ وہ کبھی وہم کا شکار ہو جاتے تھے (تقریب ص ۱۱۱) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ امام ابوحاتمؒ متعنت ہیں اس لیے ان کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں (ص ۲۰۶)
 الجواب:۔ ان کا تعنت دہل ہوتا ہے جہاں وہ متفرد ہوں اور یہاں تو حافظ ابن حجرؒ بھی ان کو وہمی بتاتے ہیں اس کا معارضہ ان کے اُس اثر سے جو بسند صحیح مؤطا امام مالک اور ترمذی کے حوالے سے نقل کیا جا چکا ہے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مبارکپوری صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں، سو یہ معارضہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اس اثر کی سند میں حماد بن سلمہؒ کا واقع ہے (گو وہ ثقہ تھے تقریب ص ۱۱۱) مگر آخر میں حافظ متغیر ہو گیا تھا (تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۱۳) مولف خیر الکلام کا پس یہ حدیث صحیح ہے (ص ۲۰۶) کن کوئی وزن نہیں رکھتا و ثانیاً علامہ ہار دینیؒ لکھتے ہیں کہ یہ اثر مضطرب المتن ہے کیونکہ ایک روایت میں غلف الام کا جملہ نہیں ہے (جزأ القرآۃ ص ۶۵ سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۹) اور دوسری روایت میں اس کا ذکر ہے (ایضاً جلد ۲ ص ۱۶۹ و سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۹) زیادت ثقہ مقبول ہوتی ہے

جب کہ وہ خطا اور وہم کا شکار نہ ہو مولف خیر الکلام یہ نکتہ کھانگے ہیں، نیز ایک مقام میں فاتحۃ الكتاب کے بعد فمافوق ذلك اوقال ما اکثر من ذلك کا ذکر ہے اور دوسرے مقام پر مافوق کے بجائے سورۃ کا ذکر ہے اور ایک روایت میں فمافوقہا ہے (بیہقی جلد ۲ ص ۶۳) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ مقتدی کے لیے سب سے بڑی نمازوں میں ما زاد پڑھنا منع نہیں لہذا اضطراب کیسا؟ (محصلا ص ۳۰) الجواب اولاً تو ما زاد کا مقتدی کے لیے سب سے بڑی نمازوں میں پڑھنے کا جواز محل نظر ہے وثانیاً وہی راوی کے الفاظ میں اس نمایاں اضطراب کا یہ جواب غیر تسلی بخش ہے وثالثاً حضرت شاہ عبد الغنی مجددی رحمہ اللہ نے فرمایا (۱۲۶۶ھ) لکھتے ہیں۔ حضرت جابرؓ کا یہ اثر اس وقت کہ ہے جب کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرآن خلف الامام کی ممانعت نہیں سنی تھی اور اپنے اجتہاد کے موافق امام کے پیچھے قرأت کرتے رہے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع کر دیا تو باز آگے (انجاء الحاجۃ) اور یہ بالکل صحیح ہے کہ یہ حضرت جابرؓ کا پہلا قول اور عمل ہے بعد کہ وہ قرآن خلف الامام کے قائل نہ رہے تھے اور ان کا یہی مسلک حضرت امام مالکؒ، حضرت احمدؒ اور حضرت امام ترمذیؒ وغیرہ ائمہ فقہ و حدیث نے سمجھا اور اس کو روایت کیا ہے اور ہم نے ان کی صحیح اور منقول روایت بھی پہلے بیان کی جو صراحت سے منع پر دل ہے۔ مولف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ منع خیالی بات ہے (ص ۳۰) خود ایک خیالی پلاؤ ہے۔ و در اینجا چونکہ اس اثر میں خلف الامام کا جملہ صرف سعید بن عامرؒ نقل کرتے ہیں۔ اور ان کی روایت میں غلطی اور وہم ہوتا ہے اس لیے یہ لفظ ان کی غلطی سے زیادہ ہوا ہے کیونکہ دوسرے راوی اس کو نقل نہیں کرتے چنانچہ یہ روایت کبھی بن سعیدؒ سے بھی مروی ہے (سنن الکبیری جلد ۲ ص ۶۳ و کتاب القراءة ص ۱۵) اور معاویہ بن ہشامؒ سے بھی (کتاب القراءة ص ۱۵) مگر ان کی روایت میں خلف الامام کا جملہ مذکور نہیں ہے اور چونکہ صحیح روایات میں مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت سے منع کا حکم آیا ہے اس لیے اصل روایت منفرد کے حق میں تھی لیکن ان کی غلطی اور وہم سے منفرد کے بجائے مقتدی سے جوڑ دی گئی ہے وخامساً اس اثر میں صرف ظہر اور عصر کی نماز کا ذکر ہے اور فرق ثانی کا دعویٰ عموم کا ہے وسادساً اس اثر میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا بھی ذکر ہے حالانکہ فرق ثانی اس کا قائل نہیں ہے اگر یہ اثر ان کے نزدیک صحیح ہے تو جو جواب وہ اس میں سورت کی نفی کا ارشاد فرمائیں گے وہی ہماری طرف سے سورۃ فاتحہ کی نفی اور

ترک کا جواب سمجھ لیں حضرت جابرؓ سے ایک اثر یوں مروی ہے کہ ان کے ایک غلام نے کہا کہ مجھے میرے آقا نے یہ حکم دیا اقرؤ فی الظہور والعصر خلف الامام (جزء القراءۃ ص ۱۱۱ کتاب القراءۃ ص ۱۱۱) وایک اور ص ۱۱۲ کہ میں ظہر اور عصر کی نماز میں اہم کے پیچھے قرأت کروں لیکن اس سے بھی استدلال صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند یوں ہے سفیان بن حسین عن الزہریؒ اور حضرت علیؓ کے اثر کے تحت اس کی پوری تحقیق گذر چکی ہے کہ یہ ضعیف ہے وثانیاً محقق نیویؒ لکھتے ہیں کہ مولیٰ جابرؓ اس سند میں مجہول ہے نہ معلوم وہ کون اور کیسا تھا؟ (تعلیق الحسن جلد ۱ ص ۱۲) وثالثاً اس میں ظہر اور عصر کی قید ہے اور فریق ثانی کا دعویٰ عام ہے حضرت جابرؓ کا مسلک صحیح سند کے ساتھ جلد اول میں نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ اہم کے پیچھے کسی نماز میں کسی قسم کی قرأت کے عموماً اور سورۃ فاتحہ کے خصوصاً ہرگز قائل نہ تھے ان کا ایک اور اثر میں لیجے اہم ابو بکرؓ بن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے وکیعؒ نے بیان کیا وہ ضحاک بن عثمانؒ سے روایت کرتے اور وہ عبید اللہ بن مقسمؒ سے اور وہ حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ سے وہ فرماتے ہیں لا یقرأ خلف الامام (المجہر النقی جلد ۲ ص ۱۶۱ مع الیہمقی) کہ اہم کے پیچھے قرأت نہیں کی جاسکتی، اس سند کے سب زوی ثقہ اور ثبت ہیں بقیہ روایت کا ترجمہ پہلے اپنے اپنے موقع پر گذر چکا ہے۔ البتہ ضحاک بن عثمان کا ترجمہ باقی ہے، امام احمد بن محمدؒ مصعب زبیریؒ، ابو داؤدؒ، ابن بکرؒ اور علی بن المدینیؒ سب ان کو ثقہ کہتے ہیں ابو حاتم ان کو صدوق کہتے ہیں ابن حبان ان کو ثقات میں لکھتے ہیں ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں ابن نمیرؒ ان کو لا بأس بہ اور جائز الحدیث کہتے ہیں (تہذیب جلد ۴ ص ۴۴) علامہ ابن ترکمانیؒ فرماتے ہیں یہ سند متصل اور عالی شرط مسلم صحیح ہے (المجہر جلد ۲ ص ۱۶۱)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا اثر :-

امام بیہقیؒ اپنی سند کے ساتھ عبد الوہاب بن فلج المکیؒ کے طریق سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے مروان بن معاویہ الغزالیؒ نے اسماعیل بن ابی خالدؒ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے الفرار بن حربؒ نے روایت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :-

سمعت ابن عباسؓ یقول اقرؤ خلف الامام میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ امام بفاختہ الکتاب هذا اسناد صحیح لا غبار علیہ کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھا کرو یہ سند صحیح ہے اس

و کتاب القراءۃ ص ۱۳۷ طبع دہلی و کٹرہ الحال ج ۲ ص ۲۵۲ و پر کوئی غبار نہیں ہے۔

تحقیق الکلام ج ۲ ص ۱۵۹ و ابکار ص ۱۲۵

الجواب :- اس اثر سے فریق ثانی کا استدلال صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سندیں مروان بن معاویہ الفزارمی ہیں اور وہ عن کے ساتھ روایت کرتے ہیں وہ اگرچہ ثقہ اور ثبت تھے لیکن وہ مجہول راویوں سے روایت کرنے تدریس کرنے اور روایات اور شیوخ کے نام بدل دینے کے عیب میں مبتلا تھے امام ابن معین فرماتے ہیں کہ وہ اگر معروف راویوں سے روایت کریں تو ثقہ ہیں (تذکرہ ص ۲۶۲) اور اگر مجہول راویوں سے روایت کریں تو ضعیف ہیں (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۹۵) امام ابن معین ہی فرماتے ہیں کہ وہ گلیوں سے ہلکے لیے شیوخ اور روایات چن لیتے تھے (تذکرہ ص ۲۶۲) اور ایسا ہی محدث ابن نمیر نے فرمایا (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۹۵) امام ابن معین فرماتے کہ میں نے تدریس کرنے میں ان سے بڑا حیلہ گزارا کوئی نہیں دیکھا (ایضاً) نیز انہوں نے فرمایا کہ وہ لوگوں سے مخفی رکھنے کے لیے راویوں کے نام بدل دیتے تھے چنانچہ انہوں نے ہم سے الحکم بن ابی خالد سے روایت بیان کی جو درحقیقت الحکم بن ظمیر ہیں (ایضاً) امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ وہ راویوں کے نام بدل دیتے تھے۔ اس کارروائی کو اصول حدیث والے تدریس شیوخ کہتے ہیں۔ صنفہم الامم البواہم فرماتے ہیں کہ وہ سچے تو ہیں مگر بکثرت مجہول راویوں سے روایت کرتے ہیں (ایضاً) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ وہ (بے تحاشا) زندوں اور مردوں سے روایت کر لیتے تھے یہ وہی عنین وب ودرج (ایضاً) اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ وہ مدرس ہونے کے ساتھ شیعہ بھی تھے (تقریب ص ۲۶۳) اور مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ وہ تدریس شیوخ کرتے تھے اور اس کا امر ہلکا ہے (محصلا ص ۳۱) لیکن اسی پیش نظر کتاب میں باحوالہ اس کی تصریح موجود ہے کہ تدریس زمانے بھی بدتر ہے (مگر صحیحین میں روایات کی تدریس اور بعض مخصوص روایات مثلاً قادیان، اعش اور ابو الزبیر محمد بن مسلم بن مدرس وغیرہ کی تدریس اس کی زواہر میں نہیں ہے کما ترمذی اور امام نووی تدریس شیوخ کے بارے لکھتے ہیں وہو قبیح مذموم الخ (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۹) کہ وہ قبیح اور مذموم ہے اور اس روایت کو الفزارمی عنعنہ سے بیان کرتے ہیں جس پر خاصا غبار ہے اور یہ صحیح نہیں ہے وثانیاً اصل سندیں امام بیہقی نے راوی کا نام الفزارمی بن حرب نقل کیا ہے جو مجہول ہے معلوم نہیں کہ وہ کون اور کیسا تھا؛ جب تک

کتب اسما الرجال سے باحوالہ اس کی توثیق سامنے نہ آجائے اس کی صحت ثابت نہیں ہو سکتی۔ امام بیہقی نے اگرچہ اس اسناد کو صحیح لاغبدا علیہ فرمایا ہے مگر امام بیہقی کا روایت کی توثیق اور تضعیف کے بارے نظر یہ خود ان کے اپنے حوالوں کی روشنی میں پہلے بیان ہو چکا ہے اور حاشیہ پر نسخہ کا عنوان دے کر امام بیہقی نے اس راوی کے بدلے العینز بن حریث لکھا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود امام بیہقی اس راوی کی تعیین کے بارے میں متردد ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ الفزاری کی تدلیس اور روایت کے نام بدلنے کا اثر اور نتیجہ ہوا امام بیہقی نے کتاب القراءۃ ص ۶۴ اور سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۶۹ میں بلا تردد العینز بن حریث کا نام لیا ہے اور اس سند میں الفزاری بھی نہیں لیکن اس کی سند میں ابو جبر برہاری ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے وہ کذاب تھا و ثالثاً اس کی سند میں اسماعیل بن ابی خالد ہیں جو الکوفی تھے (تذکرہ ص ۱۴۲) اور مؤلف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ جب اہل کوفہ کی نقل صحیح نہیں تو تطبیق کی بھی ضرورت نہیں بلقظہ (ص ۲۹) لہذا کسی کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ اس روایت کی حضرت ابن عباسؓ کی ان صحیح روایات سے تطبیق ٹینے کے لئے وجوہ تلاش کئے جو جلد اول میں بیان ہو چکی ہیں و دالعا قطع نظر اس بحث سے اگر یہ روایت صحیح بھی ثابت ہو جائے تو اس سے تمام نمازوں میں قرأت سورہ فاتحہ کا ثبوت نہیں ہو سکتا کیونکہ طحاوی ص ۱۱۱ میں اسماعیل بن ابی خالد سے غعنہ کے ساتھ العینز بن حریث کی حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے جس میں آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ تم امام کے پیچھے فاتحہ الکتاب ظہر اور عصر کی نماز میں پڑھو اس سے معلوم ہوا کہ ان کی طرف سے اجازت صرف سری نمازوں میں تھی نہ کہ جہری نمازوں میں جیسا کہ مخفی نہیں وغامسا طحاوی جلد ۱ ص ۱۲۱ کی روایت میں یونس بن ابی اسحاق کی العینز بن حریث سے غعنہ کے ساتھ روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا انہوں نے فرمایا کہ لا تصل صلوۃ الا قرأت فیہا ولو لبناحۃ الکتاب کوئی نماز تم قرأت کے بغیر نہ پڑھو اگرچہ فاتحہ الکتاب ہی کیوں نہ ہو فرقی ثانی چونکہ مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض اور لازم قرار دیتا ہے اور ولو لبناحۃ الکتاب کے الفاظ اس فرضیت کے اثبات سے بالکل قاصر ہیں جیسا کہ واضح ہے حضرت ابن عباسؓ سے کتاب القراءۃ ص ۶۴ اور اعلام السنن جلد ۲ ص ۸۱ میں ایک روایت یوں آتی ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کرو امام جہر کرے یا نہ کرے مگر اس کی سند میں عقبہ بن عبد اللہ الکلبی ہے امام ابن معینؒ اس کو یسببشہ اور امام نسائیؒ یسببشہ

اور فلاس و اہی الحدیث اور ابو حاتم^۲ لین الحدیث اور امام ابو داؤد^۳ و ضعیف کہتے ہیں (تہذیب التہذیب
 ج ۲ ص ۲۴۴) ابن حبان^۴ ان کو ضعف میں لکھتے ہیں اور ساجی^۵ فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث سے احتجاج صحیح
 نہیں اور اس میں ضعف ہے (ایضاً ص ۲۴۵) علامہ ذہبی^۶ فرماتے ہیں کہ وہ مشہور ضعیف ہے (میزان ص ۲۰۲)
 حضرت ابن عباس^۷ کی ایک روایت اس طرح مروی ہے کہ فاتحۃ الكتاب کسی رکعت میں نہ چھوڑو امام جہر
 کرے یا نہ کرے (کتاب القراءۃ ص ۶۴ و سنن البکری جلد ۲ ص ۱۶۹) لیکن سند میں لیث بن ابی سلیم ہے۔
 حضرت ابن مسعود^۸ کے اثر کے تحت گذر چکا ہے کہ وہ ضعیف ہے۔

حضرت ابن عباس^۷ سے ایک روایت کتاب القراءۃ ص ۶۴ میں بھی ہے لیکن اس کی سند
 میں عبداللہ بن سعید^۹ ہے بحث خراج میں نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ ضعیف تھا ان کی ایک اور روایت
 کتاب القراءۃ ص ۱۳۴ میں ہے لیکن سند میں زہیر نا ابو اسحاق^{۱۰} الخ سے امام بیہقی^{۱۱} امام ابو زرعہ^{۱۲} علامہ
 ذہبی^{۱۳} اور ابو حاتم^{۱۴} کہتے ہیں کہ زہیر کی روایت ابو اسحاق^{۱۵} سے ضعیف اور کمزور ہے (دیلمی سنن البکری
 جلد ۱ ص ۱۰۸، میزان جلد ۳ ص ۳۵۵ و تہذیب جلد ۲ ص ۳۵۲ وغیرہ) علاوہ بریں مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں
 کہ ابو اسحاق^{۱۶} محتلط تھے اور مدلس بھی تھے اور عنعنہ سے روایت کرتے ہیں تو ان کی سند کیسے صحیح
 ہو سکتی ہے؟ تو ان کے قاعدہ کے مطابق یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ (ابکار ص ۱۶۶) جلد اول میں اس
 کی پوری بحث عرض کی جا چکی ہے۔ الغرض حضرت ابن عباس^۷ کی ایک سند صحیح نہیں ہے جس سے
 یہ ثابت ہو سکے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ بخلاف اس کے ہم جلد اول میں آیت کی
 تفسیر میں اور آثار حضرات صحابہ کرام میں ان کی صحیح سند سے کئی روایتیں اس کے خلاف عرض
 کی چکی ہیں۔

قائدہ بر عقبہ بن الاصم کی سند میں ایک روای ہے جس کا نام بشر بن موسیٰ ہے صاحب
 اعلام السنن (جلد ۲ ص ۸۵ میں) اس کو مجہول کہتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے بشر بن موسیٰ جلیل القدر
 محدث تھے علامہ ذہبی^{۱۷} ان کو المحدث الامام اور الثبت لکھتے ہیں امام دارقطنی^{۱۸} ان کو ثقہ بنیل
 کہتے ہیں (المتوفی ۲۸۸ھ، تذکرہ جلد ۲ ص ۱۶۵ و ص ۱۶۹)

حضرت ابو الدرداء کا اثر :- ان سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ لا یترک قراءۃ
 فاتحۃ الكتاب خلف الامام جہر اولم یجہر کتاب القراءۃ ص ۶۴ و سنن البکری ج ۲ ص ۱۶۹

اہم کے پیچھے سورۃ فاتحہ کی قرأت نہ ترک کی جائے اہم جہر کرے یا آہستہ پڑھے۔

جواب :- سند میں ولید بن مسلم عن اللوزاعی الخ ہے، اولیٰ ذکر مدرس ہے ابو مسہر کہتے ہیں کہ وہ جھوٹے راویوں سے بھی تدلیس کر لیا کرتا ہے۔ علامہ ذہبیؒ اس کے بارے میں یوں فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ جب یہ عن سے روایت کرے خصوصاً ابن جریرؒ یا اللوزاعیؒ سے تو اس کی حدیث کا قطعاً کوئی اعتبار نہ ہوگا (میزان جلد ۳ ص ۲۴۵ و تہذیب جلد ۱ ص ۵۴) اور یہ روایت ان کی اللوزاعیؒ سے ہے اور جلد اول میں حضرت ابوالدرداءؒ کا بلند صحیح اثر اس کے خلاف عرض کیا جا چکا ہے حضرت ابوالدرداءؒ کا اثر ہونے میں فریق ثانی کو بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت ام بیہقیؒ نے الولید بن مسلم کا ایک متابع بھی ذکر کیا ہے جس کے سہارے پر مولانا مبارکپوری صاحب نے اس کو اپنا مستدل قرار دیا ہے اور اس سے استدلال کرتے ہوئے اس کو

متابع محمد بن کثیر الشافعی ہے اور ام بیہقیؒ نے ان کی روایت کتاب القراءۃ (ص ۶۸ طبع دہلی) میں نقل کی ہے لیکن اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ محمد بن کثیر کی اگرچہ بعض حضرات محدثین کرامؒ نے توثیق کی ہے لیکن امام احمدؒ نے ان کی سحت تضعیف کی ہے اور اسے منکر الحدیث کہا ہے اور نیز انہوں نے فرمایا ہے کہ اس نے ایسی منکر احادیث بیان کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے امام صالحؒ بن محمد اس کو صدوق کثیر الخطا کہتے ہیں، امام بخاریؒ نے بھی اس کو بہت ضعیف بتایا ہے امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ قوی نہیں اور کثیر الخطا ہے امام ساجیؒ فرماتے ہیں کہ صدوق اور کثیر الغلط ہے امام ابو احمد الحاکمؒ فرماتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک وہ قوی نہیں امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی بیان کردہ روایات میں کوئی اس کی متابعت اور تائید نہیں کرتا تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۱۶ و ص ۴۱۷ ملاحظہ اور حافظ ابن حجرؒ ان کو صدوق کثیر الغلط کہتے ہیں (تقریب ص) جب یہ راوی نہایت ضعیف اور کثیر الغلط ہے تو اس کی روایت اور اس کی تائید سے کیا فائدہ؟ ترجمان الحدیث ماہ جنوری ۱۹۴۵ء ص ۲۸، ۲۵ میں بلاوجہ ایسے راوی کا تذکرہ کر کے اس کی روایت سے سہارا تلاش کیا گیا ہے۔

حضرت عمران بن حصینؒ کا اثر :- ان سے مروی ہے انہوں نے ارشاد فرمایا :-

لا تزکو صلوة مسلم الا بطہور ودکوع کسی مسلمان کی نماز مقبول نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ طہارت و سجود و فاتحۃ الكتاب و دلہ الامام رکوع، سجود اور سورۃ فاتحہ کا اس میں خاص اہتمام نہ کھے

وغیر الامام (کتاب القراءۃ ص ۱۱۱ جزا القراءۃ مثلاً) امام کے پیچھے ہو یا اکیلا۔

جواب :- اس کی سند میں زیاد بن ابی زیاد جصاص ہے امام ابن معین اور ابن مدینی اس کو لیس بستی کہتے ہیں نسائی اور دارقطنی اس کو متروک کہتے ہیں البزرجی اس کو واہی کہتے ہیں علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے (میزان جلد ۱ ص ۳۵۶) و تہذیب جلد ۲ ص ۳۶۵) مولف خیر الکلام نے بھی علامہ ذہبی کا حوالہ نقل کیا ہے (ص ۲۲) یہ روایت بھی نہایت کمزور اور ضعیف ہے اور ان کی ایک روایت یوں ہے لا تجوز صلاۃ الا بفتحۃ الکتاب و آیتین فصاعداً (کتاب القراءۃ ص ۱۱۱) کہ نماز سورۃ فاتحہ اور دو آیتوں اور اس سے کچھ زیادہ کے بغیر صحیح نہیں ہوتی۔ لیکن اس میں ایک تو خلف الامام کا کوئی ذکر نہیں ہے اور دوسرا اس میں دو آیتیں فصاعداً کی زیادت موجود ہے۔

لطیفہ :- حضرت عمران بن حصین سے مروی ہے کہ نماز میں ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا کس نے میرے ساتھ نماز سخت اور ہاتھ پائی کی ہے؟ غرضیکہ آپ نے امام کے پیچھے قرأت کرنے سے منع کر دیا (دارقطنی جلد ۱ ص ۱۲۳) اس روایت پر فریق ثانی کی طرف سے جن میں امام دارقطنی بھی ہیں یہ اعتراض ہوا ہے کہ سند میں حجاج بن ارطاة ہے اور وہ ضعیف ہے ہم نے حجاج بن ارطاة سے کوئی روایت نہیں لی۔ لیکن فریق ثانی کی ستم ظریفی ملاحظہ کیجئے کہ حجاج بن ارطاة، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور مسلم وغیرہ کے روایت میں ہیں (ازالہ ستر ص ۱۲۱) علامہ ذہبی ان کا حدیث الاعلام اور علم کا ظرف لکھتے ہیں (تذکرہ جلد ۱ ص ۱۴۵) البزرجی اور ترمذی ان کی توثیق کرتے ہیں (تہذیب جلد ۱ ص ۱۹۶) امام نووی لکھتے ہیں کان بارعافی الحفظ والعلم کہ حفظ اور علم میں وہ بلند پایہ رکھتے تھے۔

تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۱۵۳) امام ترمذی ان کی ایک حدیث کو حسن کہتے ہوئے تحسین کرتے ہیں (جلد ۱ ص ۱۱۱) بلکہ ایک حدیث کو حسن صحیح کہتے ہیں (جلد ۱ ص ۱۱۱) افسوس ہے کہ ان کی روایت تو فریق ثانی کے نزدیک حجت نہیں ہے لیکن زیادہ کی روایت حجت ہے جو لیس بستی ہے اور اس کی تضعیف پر اجماع ہے ان کی ایک روایت یوں ہے کہ ظہر کی نماز میں ایک شخص نے سبح اسم ربك الاعلیٰ کی سورت آپ کے پیچھے پڑھی تھی (مسلم جلد ۱ ص ۱۴۲) نسائی جلد ۱ ص ۱۰۶، ابو داؤد جلد ۱ ص ۱۲۴) چوتھی لغت

توفیقی ہے اس لیے قرآن کو جہد کے معنی میں نہیں لیا جاسکتا اور پڑھنے والا بھی صرف ایک شخص تھا اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس نے قرآنہ طہ کی نماز میں کی تھی جو سہری ہے مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو بھی گوارا نہیں کیا اور پوری تحقیق گزر چکی ہے کہ اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوص سبب کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور منازعت و مخالفت میں قرأت سورۃ فاتحہ اور دوسری تمام سورتیں یکساں ہیں کیونکہ علت ایک ہے اور ما زاد علی الفاتحہ کو منازعت کے لیے متعین کر دینا اور سورۃ فاتحہ کو اس سے خارج تصور کرنا دعویٰ بلا دلیل ہے جو بہر حال مردود ہے۔

حضرت ہشام بن عمار کا اثر: حمید بن ہلال سے مروی ہے وہ کہتے ہیں۔
 ان ہشام بن عمار قرأ فقيل له اقرأ
 خلف الامام قال انا لتفعل ركتاب القراءة
 آپ امم کے تیجھے قرأت کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں ہم
 یوں ہی کرتے ہیں۔

جواب: یہ اثر بھی قابل التفات نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں ابو جبر برہباری ہے اور عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ کذاب تھا و ثانیاً اس بات میں اختلاف ہے کہ حمید بن ہلال کی ہشام بن عمار سے ملاقات ثابت ہے یا نہیں؟ امم ابو حاتم کہتے ہیں ملاقات ثابت نہیں ہے اور ان کی روایت مرسل ہے (دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۱۰ و جلد ۱۱ ص ۱۱۰ و ثانیاً اس اثر میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں بلکہ مطلق قرأت کا ذکر ہے فریق ثانی کا دعویٰ صرف سورۃ فاتحہ کی قرأت کا ہے نہ کہ مطلق قرأت کا۔

حضرت معاذ بن جبل کا اثر: ایک سائل نے حضرت معاذ سے قرآنہ خلف الامم کے متعلق سوال کیا۔

قال اذا قرأ فاتحاً بفاتحة الكتاب وقل
 هو الله احد واذا لم تسمع فاقرا ف
 نفسك ولا تؤذ من عن يمينك ولا من
 عن شمالك السنن الكبرى جلد ۲ ص ۱۶۹
 انہوں نے فرمایا کہ جب امم قرأت کرے تو تم بھی سورۃ
 فاتحہ اور قل هو اللہ احد پڑھا کر دو اور جب اس
 کی قرآنہ نہ سنو تو دل میں پڑھا کر دو دائیں اور بائیں پہلو
 والوں کو اذیت نہ دیا کرو۔

جواب: یہ اثر بھی قابل استدلال نہیں ہو سکتا اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں احمد بن محمد

واقع ہے حافظ ابن حجرؒ ایک سند کے متعلق جس میں احمد بن محمد واقع ہے لکھتے ہیں کہ سند باطل ہے اور اس سند کے راوی ضعیف ہیں دارقطنی کہتے ہیں کہ مجہول ہیں (لسان المیزان جلد ۶ ص ۲۱۴) و ثانیاً اس کی سند میں ابوشیبہ مہریؒ ہے علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ بلخ مہریؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ بدری من ذاولا من شیخہ بلخ مہریؒ اور اس کا استاد ابوشیبہ مہریؒ پتہ نہیں یہ دونوں کون تھے؟ اہم بخاریؒ فرماتے ہیں اس کی سند مجہول ہے (میزان جلد ۱۲ ص ۱۲۱ و لسان ص ۲۶۸) و ثالثاً اس سند میں علی بن یونس واقع ہے اگر یہ علی بن یونس بلخی ہے تب بھی کمزور ہے (میزان جلد ۲ ص ۱۲۱ و لسان ص ۲۶۸) اور اگر علی بن یونس مدینی ہے تب بھی ضعیف ہے (ایضاً و ایضاً ص ۲۶۹) اگر کوئی اور ہے تو اس کی توثیق درکار ہے و درایعاً اس اثر سے نظر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ نے صرف سری نمازوں میں اجازت دی ہے و خاصاً اس میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ قل هو اللہ احد کی قرأت کا بھی ذکر ہے اور فریق ثانی اس کا قائل نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اثر: حضرت سالم سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں ان ابن عمرؓ كان ينصت للامام فيما جهر فيه ولا يقرأ معه (كتاب القراءة ص ۱۱۱ و تحقیق الکلام جلد ۲ ص ۱۱۱) کہ حضرت ابن عمرؓ جہری نمازوں میں اہم کے پیچھے خاموش رہا کرتے تھے اور قرأت نہیں کرتے تھے، فریق ثانی کا کہنا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سری نمازوں میں وہ اہم کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے۔

جواب ۱۔ یہ اثر بھی فریق ثانی کو مفید نہیں اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں ابن جریجؒ ہیں، اہم دارقطنی علامہ ذہبیؒ اور مبارکپوری صاحبؒ وغیرہ لکھتے ہیں کہ وہ مدلس تھے (تہذیب جلد ۶ ص ۴۰۵، میزان جلد ۱۵ ص ۱۱۱، بکار ص ۲۳۴) اور یہاں وہ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں اور عنعنہ مدلس کا مقبول نہیں و ثانیاً اس میں ذہبیؒ ہیں اور مبارکپوری صاحبؒ ان کی مدلس روایت کو بھی صحیح تسلیم نہیں کرتے اور یہاں بھی وہ عنعنہ سے روایت کرتے ہیں و ثالثاً یہ اثر عبارتہ النص کے طور پر ہماری دلیل ہے کہ حضرت ابن عمرؓ جہری نمازوں میں قرأت کے قائل نہ تھے رہا سری نمازوں میں اس سے قرأت کا اثبات کرنا تو مفہوم مخالف پڑھنی ہے اور ہمارے نزدیک مفہوم مخالفت حجت نہیں ہے (تعلیق المجہد ص ۹۲ و اعلال السنن جلد ۴ ص ۱۱۱) و درایعاً اگر مفہوم مخالف کو بعض فقہاء

کے قول کے مطابق صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس سے اتنا ہی ثابت ہو گا کہ حضرت ابن عمرؓ
 برتری نمازوں میں اہم کیے پیچھے قرأت کرتے تھے اور فریق ثانی کا دعویٰ اس سے خاص ہے کیونکہ
 ان کا دعویٰ صرف سورۃ فاتحہ پڑھنے کا ہے و خاتمہ سواط الام مالک وغیرہ کے حوالہ سے بسند صحیح ان
 کا یہ اثر نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ اہم کے پیچھے کسی نماز میں کسی قسم کی قرأت کے قائل نہ تھے اور ان کا یہ
 مسلک ایک مسلم حقیقت ہے اور ان سے ایک روایت یوں ہے انہ کان ینہمی عن القراءۃ
 خلف الامام (الجوہر النقی جلد ۲ ص ۱۶۳) کہ حضرت ابن عمرؓ اہم کے پیچھے قرأت کرنے سے منع
 کیا کرتے تھے۔ مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی (المتوفی ۱۳۲۰ھ) جو فریق ثانی کے مقتدر اور
 پیشوا ہیں تحریر فرماتے ہیں کہ مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کی علماء احناف کے نزدیک اجازت نہیں ہے
 اور ان کا استدلال ان صحابہ کرامؓ کی روایات سے ہے اور یہ قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔
 حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت
 ابوسعیدؓ، الخدریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت زید بن ثابتؓ،
 حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ وغیرہم (منع قرأت خلف الامام۔ بحوالہ
 ایضاح الادلۃ ص ۱) اور صحیح اسانید کے ساتھ جلد اول میں ان اکابر کے آثار نقل کئے جا چکے ہیں کہ یہ
 جملہ حضرات اہم کے پیچھے قرأت کے قائل نہ تھے اور یہی بات مولانا نذیر حسین صاحب فرماتے ہیں
 حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا ایک اثر کتاب القراءۃ ص ۱۲۹ و ص ۱۳۰ میں ہے لیکن اس میں محول مدرس ہیں
 اور غصنہ سے روایت کرتے ہیں علاوہ ان میں امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ عبد اللہ بن عمرؓ نہیں بلکہ
 عبد اللہ بن عمرؓ بن العاص ہیں (ص ۱۲۹) اور مستزاد برال اس میں خلف الامام کا جملہ بھی مذکور نہیں ہے
 لہذا یہ روایت منفرذ کے حق میں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے ابو العالیہؒ نے مکہ مکرمہ میں
 دریافت کیا کہ کیا میں نماز میں قرأت کیا کروں؟ فرمایا میں بیت اللہ کے رب سے جیسا کہ تمہا ہوں کہ نماز
 میں قرأت نہ کروں ولو بام الکتاب اگرچہ ام القرآن ہی ہو (جزء القراءۃ ص ۱) لیکن اس میں
 بھی خلف الامام کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ علاوہ ہمیں کتاب القراءۃ ص ۶۵ میں اسی اثر کے آخر میں
 فاتحہ الکتاب کے بعد ہاتھ کی زیادت بھی موجود ہے اور یہ زیادت اس بات کو متعین کر
 کر دیتی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ اثر مقتدی کے حق میں نہیں ہے کیونکہ فریق ثانی کے نزدیک

بھی اس کو مازاد علی الفاتحہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے اور کتاب القراءۃ ص ۶۷ میں ان کی اسی روایت میں بام الکتب کے بعد فزائدًا یا فصاعدًا کی زیادت بھی مروی ہے حضرت ابن عمرؓ سے ایک اثر ان الفاظ سے مروی ہے۔

مسئل ابن عمرؓ عن القراءۃ خلف الامام فقال ما كانوا يريدون بأسا ان يقرأ بقلحة الكتاب في نفسه (جزء القراءۃ ص ۶۷)

ان سے سوال کیا گیا کہ کیا امام کے پیچھے قرآء کی جاسکتی ہے؟ فرمایا لوگ اس میں کوئی عرج نہیں سمجھتے تھے کہ اپنے دل میں سورۃ فاتحہ پڑھ لیں۔

لیکن اس کی سند میں ایک تو ابو جعفر رازیؒ ہے جس کا نام عیسیٰ بن ماہان ہے جس کا ترجمہ نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور دوسرا راوی اس سند کا یحییٰ البکاء ہے امام احمد، ابو داؤد، ابو نعیم اور ابن عدیؒ اس کو ضعیف کہتے ہیں، دارقطنیؒ اس کو ضعیف اور علی بن الجندیہؒ اس کو مختلط کہتے ہیں، ازہریؒ کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے، ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے (تذیب المتذیب جلد ۱ ص ۲۷۹) امام نسائیؒ اس کو متروک الحدیث کہتے ہیں (ضعفاً صغیراً ص ۵۵) حافظ ابن حجرؒ اس کو ضعیف الحدیث لکھتے ہیں (تقریب ص ۲۹۵) مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ عیسیٰ بن ماہان متکلم فیہ ہے مگر حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ صدوق ہے اس کا حافظ چچا نہیں تقریباً ۳۲۲ اور یحییٰ البکاء کو ابن سعدؒ لکھتے ہیں کہ ثقہ ہے انشاء اللہ جب راوی مختلف فیہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوتی ہے (محصلاً ص ۳۲۲) الجواب، ہاں بس ایسے ہی راویوں کی ایسی ہی حسن قسم کی حدیثوں پر آپ کے مذہب کی بنیاد ہے اور مسلمانوں کی اکثریت کی نمازوں کو باطل اور کالعدم ٹھہرانے والوں کی وکالت فرما رہے ہیں۔ سبحان اللہ تعالیٰ اور آگے لکھتے ہیں کہ تطبیق کی یہی صورت ہے کہ نفی سے مراد جہری نماز میں فاتحہ سے مازاد کی نفی مراد لی جائے اور فاتحہ کو اس نفی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے انتہا ص ۳۲۵ الجواب نہ معلوم یہ حضرات کس روایت کی کس سے تطبیق دے رہے ہیں؟ صحیح اور ضعیف کی تطبیق کا کیا معنی؟ الحاصل حضرت ابن عمرؓ ہوں یا کوئی اور صحابی ہو ان میں کسی سے بسند صحیح یہ ثابت نہیں کہ امام کے پیچھے مقتدیوں کو سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری اور واجب ہے۔

حضرت عبادة بن الصامت کا اثر۔

حضرت محمد بن ربيع فرماتے ہیں کہ:-

سمعت عبادۃ بن الصامت یقرأ خلف الامام فقلت له تقرأ خلف الامام فقال عبادۃ لا صلوة الا بقراءة رسنن الکبریٰ جلد ۱۶۸

میں نے حضرت عبادۃ کو امام کے پیچھے قرأت کرتے سنا میں نے دریافت کیا کہ آپ امام کے پیچھے قرأت کرتے ہیں؟ حضرت عبادۃ نے فرمایا قرأت کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی۔

امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ ان کی ایک اور روایت بھی نقل کی ہے جس میں امام کے پیچھے آہستہ قرأت کرنے کی اجازت ہے اور پھر لکھا ہے۔

ومذهب عبادۃ فی ذلك مشہور (ص ۱۶۸)

حضرت عبادۃ کا مذہب اس میں مشہور و معروف ہے۔

جواب :- سند کے لحاظ سے گو کلام کرنے کی کافی گنجائش ہے مگر ہم سند کے لحاظ سے اس پر کوئی کلام نہیں کرتے حضرت عبادۃ بن الصامت نے صحیح سمجھایا غلط بہر حال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادۃ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک مذہب تھا مگر فہم صحابی اور موقوف صحابی حجت نہیں ہے خصوصاً قرآن کریم، صحیح احادیث اور جمہور حضرات صحابہ کرام کے آثار کے مقابلہ میں لیکن یہ روایت خود اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ حضرت صحابہ کرام اور تابعین میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا اور یہ مسلک ان میں رائج بھی نہ تھا ورنہ محمود بن ریح جو خود صحابہ میں تھے حضرت عبادۃ بن الصامت کی امام کے پیچھے قرأت سے کبھی تعجب نہ کرتے اور نہ یہ پوچھنے کی نوبت ہی آتی کہ حضرت آپ امام کے پیچھے کیوں قرأت کرتے ہیں؟ یقینی امر ہے کہ حضرت عبادۃ بن الصامت نے نماز میں تکبیر، قیام، رکوع، سجود، تشهد، اور سلام وغیرہ جملہ امور ادا کئے ہوں گے مگر ان میں سے کسی چیز کے بائے میں پوچھنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی کہ حضرت آپ نے رکوع کیوں کیا ہے؟ سجود کیوں کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ اگر سوال کیا ہے تو اس چیز کے بائے میں کچھ آپ کے امام کے پیچھے قرأت کیوں کرتے ہیں؟ یہ بھی مت بھولیے کہ حضرت عبادۃ بن الصامت نے محمود بن ریح کو یہ نہیں فرمایا کہ بزورِ تمہاری تمام سابق نمازیں بے کار کا لعدم اور باطل ہیں کیونکہ تم نے قرأت نہیں کی اور تمام نمازیں واجب الاعادہ ہیں اور تمہاری تو یہی نماز جو تم نے ابھی ابھی میرے ساتھ بغیر قرأت کے ادا کی ہے وہی دوبارہ پڑھ لو اور لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت محمود بن ریح حضرت عبادۃ کے داماد تھے رہنمائی التذنیب جلد ۱ ص ۶۲، انہوں نے ان کو یہ بھی نہ فرمایا کہ تم امام کے پیچھے ترک قرأت کے مرتکب

ہوئے ہو اور تارکِ قرأت کی نماز باطل اور کالعدم ہے اور من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر
لہذا میری لخت جگر کو میرے گھر پہنچا دو اور خود منے اڑاتے پھرو۔ حضرت عبادہؓ وہی جلیل القدر صحابی
ہیں جو فرماتے ہیں کہ ہم نے جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک پر اس شرط سے
بیعت کی ہے کہ ان لا تخاف فی اللہ لومۃ لائسہ (مستدرک وقال صحیح جلد ۳ ص ۳۵۶) اللہ
تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ہرگز نہ گھبرائیں گے اور ایک معمولی قسم
کے مسئلہ میں حضرت امیر معاویہؓ سے اُلجھ کر ملک شام ترک کر دیا تھا اور یہ فرمایا کہ ہمارا اجتماع ناممکن ہے
لیکن حضرت عمرؓ کی زبردست مداخلت سے اپنے ارادہ سے باز آئے (دیکھئے مستدرک جلد ۳ ص ۳۵۵)۔
مسند دارمی ص ۳۳ اور ابن ماجہ ص ۷ وغیرہ) مگر جب قرأت خلف الامم کے مسئلہ کی باری آتی ہے تو اپنے
پڑھنے کی وجہ تو بتلاتے ہیں لیکن اس اہم مسئلہ کے اظہار پر کاہقہ، وہ جوش و خروش ظاہر نہیں کرتے جو
اس کے رکن اور ضروری ہونے پر کرتا چاہیے تھا۔ اگر حضرت عبادہؓ کے نزدیک قرأت خلف الامم واجب
فرض اور رکن ہوتی تو اس کے اظہار میں پوری قوت اور طاقت صرف کرتے اور اس میں کسی قسم کی کوئی
کو تاہی نہ کرتے، اس بحث کو پیش نظر رکھنے سے یہ بات بخوبی سمجھ آ سکتی ہے کہ حضرت محمود بن ربیع
مطلقاً امام کے پیچھے قرأت فاتحہ کے قائل نہ تھے اور حضرت عبادہؓ کو قائل تو تھے لیکن محض استحباب کے
طور پر اور اگر کسی کو حکم بھی کیا ہے تو صرف استحبابی امر سمجھ کر۔ اگر اس کو رکن اور فرض سمجھتے تو کتمان حق سے
بچتے ہوئے حضرت ابن مسعودؓ کی طرح (جنہوں نے قرآن کریم کی دو سورتوں کے تقدم و تأخر فی النزول
کے بارے میں اعلان کیا تھا) یہ اعلان فرماتے من شاء باہلتہ جس کا جی چاہے میں اس کے ساتھ
مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں جب حضرت عبادہؓ نے ایسا نہیں کیا تو قطعی بات ہے کہ وہ امام کے پیچھے
بلاشک سورۃ فاتحہ پڑھتے تو تھے (اور جہری نمازوں میں پڑھتے بھی صرف تنہا اور اکیلے تھے دوسرے
حضرات صحابہؓ کا ان سے اتفاق نہ تھا) مگر صرف مستحب سمجھ کر ہم نے جو یہ کہا ہے کہ دوسرے صحابہؓ کو امام
حضرت عبادہؓ بن الصامت سے جہری نمازوں میں قرأت خلف الامم کے مسئلہ میں اتفاق رائے
نہیں رکھتے تھے، سینہ زوری نہیں بلکہ تحقیق ہے۔ چنانچہ امام بیہقیؒ لکھتے ہیں کہ۔

وانما تعجب من تعجب من قرأۃ عبادۃ بن الصامت جو لوگ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں قرأت کے قائل
خلف الامم فیما یجہر فیہ بالقرأۃ لذلک نہ تھے انہوں نے حضرت عبادہؓ کی جہری نمازوں میں قرأت

من ذهب الى ترك القراءة خلف الامام فيما
يجهر الامام فيه بالقراءة حين قال النبي
صلى الله عليه وسلم مالي انازع القرآن
ولو يسمع استثناء النبي صلى الله عليه
وسلم قراءة فاتحة الكتاب سرا وقوله
صلى الله عليه وسلم فاتحه لا صلوة لمن
لم يقرأ بها وسمعه عبادة بن الصامت
واقته واداه وظهره فوجب الرجوع
اليه في ذلك (انتهي بلفظ كتاب القراءة ص ۷۷)

پر تعجب کا اظہار کیا اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا کہ میرے ساتھ قرآن
میں منازعت کیوں کی جا رہی ہے؟ اور اس کے بعد اپنے
آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا اور اسی طرح آپ نے یہ
فرمایا کہ جس آدمی نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز
نہ ہوگی تو یہ استثناء صرف حضرت عبادہ بن الصامت نے
سُنی اور دیگر حضرات صحابہؓ نہ سن سکے اور اس کو حضرت
عبادہؓ نے خوب محفوظ رکھا اس کو ادا کیا اور ظاہر کیا سوائے
بات کی طرف رجوع کرنا ضروری نہ تھا۔

صحابی اور تارک نماز؟ یہ دو متضاد باتیں ہیں اور واقعہ صبح کی نماز کا ہے جس میں سینکڑوں حضرات
صحابہؓ شریک ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مالی انازع التمسے تنبیہ فرما کر سب
حضرات صحابہ کرامؓ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی تھی اور یہ حکم بھی پیش نظر تھا۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ
يَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ اور فَاصْلِحْ بِنَا تَوَمَّرُ (یعنی اے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
اللہ تعالیٰ کے حکموں کو کھول کر بیان کریں جن میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے) مگر ہاں ہمہ جناب رسول
خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ حکم آہستہ (دہرا) بیان کرتے ہیں اور حضرت عبادہؓ کے بغیر اس حکم کو کوئی
دوسرا سنتا ہی نہیں؟ پھر حضرت عبادہؓ پر لوگ متعجب کیوں نہ ہوں کہ حضرات صحابہ کرامؓ جو آنحضرت صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک ایک حکم اور ارشاد کو عزیز از جان سمجھتے تھے اور ہمہ تن گوش ہو کر سنتے تھے
کوئی بات نہیں سمجھ آتی تو پھر استدعا کرتے تھے اور کوئی ضروری امر ہوتا تو آپ تین تین مرتبہ ایک ایک
جملہ کو دہراتے تھے لیکن جب اہم کے پیچھے قرأت سورۃ فاتحہ کے حکم کے بیان کرنے کا نمبر آتا ہے تو
آپ آہستہ بیان کرتے ہیں؟ تین مرتبہ بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے؟ اور یہ حکم صرف
حضرت عبادہؓ سنتے ہیں کسی دوسرے کے پٹے کچھ نہیں پڑتا؟ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ آپ سے
دریافت کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے کہ حضرت آپ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ اگر اہم کے پیچھے
سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کا مسئلہ ضروری فرض، واجب اور رکن ہوتا تو یقیناً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و

اسم ایک بار نہ فرماتے بلکہ کئی بار فرماتے سزا نہ فرماتے بلکہ جہراً فرماتے صرف حضرت عبادہؓ کو نہ سنتے بلکہ تمام حضرات صحابہؓ کو سنتے اور اگر حضرت عبادہؓ بھی اس حکم کو ضروری سمجھتے تو یقیناً بغیر خوفِ عمدہؓ کے اس کی خوب نشر و اشاعت کرتے اور حضرات صحابہ کرامؓ کو اس بات کا قائل کر لیتے کہ وہ بھی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے۔ یہ حکم تو ضروری نہ تھا اس لیے اس کی پوزور اشاعت کی ضرورت ہی انہوں نے نہ سمجھی، بخلاف اس کے ترک قرأت کا حکم ضروری تھا اس لیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے صرف ایک شخص نے قرأت کی تو آپ نے فرمایا میرے پیچھے کس نے قرأت کی ہے؟ کیوں میرے ساتھ نماز عت اور مخالفت ہوتی رہی ہے؟ حتیٰ کہ آپ نے بیاناگ دہل یا ارشاد فرمایا مالی انا نزع القرآن نتیجہ ہوا کہ یہ ارشاد سب نے سنا اور یہ ارشاد سن کر تمام حضرات صحابہ کرام نے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت ترک کر دی۔ جیسا کہ مفصل پہلے گزر چکا ہے۔ باقی اگر حضرت عبادہؓ سے لیند صحیح یا کسی اور صحابی سے بلا قیل و قال خلف الامم کی قید سے کوئی روایت صحیح ہوتی تو یقیناً اس کی طرف رجوع کیا جاتا مگر روایات کا حال آپ ملاحظہ کر ہی چکے ہیں اور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہ حضرت عبادہؓ کے مؤلف قول سے ہی غلطی در غلطی پیدا ہوئی ہے الغرض حضرت صحابہ کرامؓ کے یہ آثار پہلے تو سنا ہی صحیح نہیں ہیں اور اگر کچھ صحیح بھی ہیں تو ان میں صرف بری نمازوں کا ذکر ہے کسی میں مطلق قرأت کا ذکر ہے اور اکثر میں ما زاد، ما تیسر اور فصاعداً وغیرہ کی زیاد بھی موجود ہے لہذا یہ آثار فریق ثانی کو ہرگز مفید نہیں ہو سکتے۔

آثار حضرت تابعینؓ وغیرہم

فریق ثانی نے اپنے اس دعویٰ پر کہ امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے درج نماز ناقص، بیکار، کالعدم اور باطل ہوگی، حضرات تابعینؓ و اتباع تابعینؓ وغیرہم کے آثار اور اقوال سے بھی استدلال کیا ہے حالانکہ ان کے نزدیک درموقوفات صحابہؓ حجت نیست اگرچہ بصحت رسد پھر آثار حضرت تابعینؓ وغیرہم سے استدلال کیونکہ صحیح ہو سکتا ہے جب کہ وہ سنا اور روایت بھی صحت کے معیار پر پورے نہیں اترنے اور معنوی اور درایتی پہلو کے پیش نظر بھی وہ ان کو چندان مفید نہیں ہو سکتے مگر مشور ہے ڈوبتے کو تینکے کا سہارا، حضرات تابعینؓ وغیرہم کے وہ آثار جو حجت ہو سکتے

وغیرہ اور دیگر مواقع پر نفل کئے جا چکے ہیں اور جن پر کلام بھی کیا جا چکا ہے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اس موقع پر صرف وہ آثار پیش ہوں گے جو پہلے نفل نہیں ہوئے۔

حضرت محول کا اثر :- ان سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مغرب عشاء اور صبح کی نمازیں ہر رکعت میں آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھی جائے اور جہری نمازوں میں جب اہم سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد سکوت اختیار کرے تو اس وقت آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھی جائے اور اگر اہم خاموش نہ ہو تو اس کے ساتھ یا اس کے بعد یا اس سے پہلے ہر حالت میں سورۃ فاتحہ پڑھو اور کسی حالت میں نہ چھوڑو (زیبہقی جلد ۲ ص ۱۷۱)

جواب :- یہ اثر بھی قابل التفات نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اگر بالفرض یہ اثر صحیح بھی ہو تب بھی نص قرآنی، صحیح احادیث اور جمہور حضرات صحابہ کرام کے صحیح آثار کے مقابلہ میں اس کو سنتا کون ہے؟ وثانیاً قرأت سورۃ فاتحہ کے لیے سکتے کی کوئی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ بحث سکتات اہم میں اس کی سیر حاصل تحقیق پیش ہو چکی ہے اور جہراہم کے ساتھ ساتھ پڑھتے جانا مندرجہ اور محبت کا موجب ہے جو کتاب و سنت اور اجماع امت سے مردود ہے۔

حضرت عمرو بن زبیر کا اثر :- ان سے مروی ہے انہوں نے ارشاد فرمایا کہ

لَا تَتَمَّ صَلَاةَ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ لَا يَقْرَأُ فِيهَا كَسِي شَخْصٍ كِي كَوْنِي نَمَازٍ نَوَاحٍ وَهُ فَضِي هُوَ يَنْقَلِي اس وقت
بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَصَاعِدًا مَكْتُوبَةً وَلَا سَبْعَةَ تَمَّ مَكْمَلٌ نَمِيں هُوَ سَجِي جَب تَمَّ اس مِيں سُوْرَةُ فَاتِحَةٍ اُوْر
(کتاب القراءة ص ۷۰) اس سے کچھ زیادہ کی قرأت نہ کی جائے۔

جواب :- یہ اثر بھی قابل استدلال نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں محمد بن العباس ہے کتب اسماء الرجال سے اس کی تعیین نہیں ہو سکی کہ یہ کون اور کیسا ہے؟ وثانیاً اس میں احمد بن سوید ہے جس کا کتب رجال میں کوئی نام و نشان ہی نہیں ملتا، مولف خیر الکلام لکھتے ہیں کہ مگر عدم علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مجہول ہوا ۵ ص ۳۳۹ الجواب :- یہ ٹھیک ہے مگر مولف مذکور کا یہ علمی اور اخلاقی فریضہ تھا کہ وہ اس راوی کی نشاندہی کرتے اور کتب رجال سے اس کی توثیق نقل کرتے وثالثاً اس کی سند میں حماد بن سلمہ ہے ان کے اس اثر کا مقابلہ اس اثر سے نہیں ہو سکتا جو جلد اول میں لنبہ صحیح نقل کیا جا چکا ہے مبارکپوری صاحب لکھتے ہیں۔ سو یہ معارضہ بھی صحیح نہیں

ہے کیونکہ اس اثر کی سند میں حماد بن سلمہ واقع ہے آخر میں حافظ متغیر ہو گیا تھا (انتہی بلفظہ تحقیق الکلام جلد ۱ ص ۱۰۰) ورتباً اس اثر میں خلف الامام کا کوئی لفظ نہیں ہے اور مبیحۃ فعلی نماز کا لفظ اس امر کا قوی قرینہ ہے کہ یہ اثر منفرد کے حق میں ہے کیونکہ عام لفاظ میں جماعت کی کوئی پابندی نہیں ہے۔
 وضامشاً اگر یہ اثر صحیح اور قابل عمل ہے تو سزا ہی صحیح اور قابل عمل ہوگا اور اس میں فصاعداً کی زیادت بھی ہے اس کے علاوہ کتاب القراءۃ ص ۸۶، ۸۷ میں بھی فصاعداً کی زیادت مروی ہے حالانکہ فریق ثانی فصاعداً وغیرہ کی زیادت پر عمل پیرا نہیں ہے بلکہ ما زاد کو جائز ہی نہیں سمجھتا۔
 سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۰۱ میں بھی یہ روایت ہے اور یہی راوی ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے البتہ اس میں فصاعداً کی زیادت نہیں ہے اور روایت کا مضمون بھی اس سے قدرے مختلف ہے کیونکہ اس میں اہم اور سکتہ کا ذکر ہے لیکن ایک تو سکتہ کا حکم آپ کو معلوم ہے اور دوسرے ان کے دیگر آثار میں فصاعداً کی زیادت بھی نظر انداز نہیں ہو سکتی۔

حضرت حسن بصریؒ کا اثر: ان سے مروی ہے انہوں نے فرمایا۔ اقرأ خلف الامام فی کل صلوٰۃ بفاتحة الكتاب فی نفسک رکتاب القراءۃ ص ۱۰۰ والسنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۰۱ کہ امام کے پیچھے ہر نماز میں اپنے دل میں آہستہ سورت فاتحہ پڑھا کرو۔

جواب :- اس اثر میں بھی محمد بن العباسؒ ہے معلوم نہیں وہ کون اور کیسا ہے؛ بخلاف اس کے جلد اول میں بسند صحیح و اذقیمی القرآن الآتہ کی تفسیر میں ان کا اثر اس کے برعکس نقل کیا جا چکا ہے۔ چونکہ وہی اثر صحیح ہے اور قرآن کریم صحیح احادیث اور جمہور حضرات صحابہ و تابعین کے مسند کے عین مطابق ہے لہذا وہی قابل اخذ ہے اس کی یہ تاویل جو مولف خیر الکلام نے (ص ۳۲) میں کی ہے کہ مقتدی کو اہم کے پیچھے بلند آواز سے پڑھنے اور شور ڈالنے سے منع کیا گیا ہے (مصلیٰ بالکل ان کے قول کی تحریف ہے۔ کیونکہ حسن بصریؒ اہم کے پیچھے کسی قسم کی قرأت کے قابل نہ تھے وہ تو آیت و اذقیمی الآتہ کو خلف الامام کے بارے میں مانتے ہیں جس میں استماع و انصات کا وجوبی حکم ہے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ جلد اول میں گذر چکا ہے۔

حضرت اہم شعبیؒ کا اثر: مالک بن مغولؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہم شعبیؒ کو سنا جس نے القداۃ خلف الامام سنن الکبریٰ جلد ۲ ص ۱۰۱ و کتاب القراءۃ ص ۱۰۱ کہ وہ اہم کے پیچھے قرأت

کو پسند کرتے تھے۔

جواب :- یہ اثر بھی قابل احتجاج نہیں اولاً اس کی سند میں ابو بکر بہاری ہے اور گذر چکا ہے کہ وہ کذاب تھا و ثانیاً اس اثر میں مطلق قرأت کا ذکر ہے اور فریق ثانی کا دعویٰ خاص سورہ فاتحہ سے متعلق ہے امام شعبیؒ کا ایک دوسرا اثر اس طرح مروی ہے انہوں نے فرمایا یعنی یقول اقراء فی خمسین یقول الصلوات کلاماً (بیہقی جلد ۲ ص ۱۷۷) پانچوں نمازوں میں قرأت کرنی چاہیے۔ لیکن اس کی سند میں بھی وہی ابو بکر بہاری ہے علاوہ ازیں اس میں اسمعیل بن ابی خالد بھی ہے جن کی نقل ہی کوئی ہونے کے لحاظ سے مؤلف خیر الکلام کے نزدیک صحیح نہیں ہے کما ممد اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ بسا اوقات یہ امام شعبیؒ سے ارسال بھی کرتے تھے اور یحییٰ بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ ان کی مرسل روایتیں محض ایچ ہیں (تذیب التذیب جلد ۱ ص ۲۹) ان کی ایک اور روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ظہر اور عصر کی پہلی دونوں رکعتوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورت بھی اور پچھلی دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیے (بیہقی جلد ۲ ص ۱۷۷) اگر یہ اثر صحیح بھی ہو تب بھی فریق ثانی کو مفید نہیں ہے کیونکہ اس میں صرف ظہر اور عصر کی قید ہے اور سورہ فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورت کا بھی صریح ذکر ہے حالانکہ ان کا دعویٰ تمام نمازوں میں قرأت کا ہے اور ما زاد علی الفاتحہ کی قرأت کو وہ جائز ہی نہیں سمجھتا مؤلف خیر الکلام کا اس اثر کو روای کے مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے حسن قرار دینا دیکھئے ص ۲۴ مضمون خیر ہے اور وہ اکثر اسی قاعدہ کے سہارا پر چلتے ہیں فواصفنا

حضرت امام اوزاعیؒ کا اثر :- امام بیہقیؒ اپنی سند کے ساتھ امام موصوفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ امام کو سورت فاتحہ کی قرأت کے بعد سکوت کرنا چاہیے تاکہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لیں اور اگر وہ سکوت نہ کرے تو قراءت معہ بفاتحہ الکتاب اذا قراءہا واسرع القراءة ثم استمع (کتاب القراءة ص ۱) اس کے ساتھ ساتھ سورہ فاتحہ کی قرأت کر لی جائے اور عبدی سے قرأت کر چکنے کے بعد پھر استماع اور توجہ کیجئے۔

جواب :- اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اس کی سند کیسی ہے؟ اور یہ صحیح بھی تو تب بھی قرآن کریم صحیح احادیث اور حضرات صحابہ کرام کے صحیح آثار کے مقابلہ میں یہ کیونکر حجت ہے؟

اور جلد اول کے مقدمہ میں حضرت امام احمد بن حنبلہ اور امام ابن قدامہ کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ جو حضرات ائمہ کرام امام کے پیچھے ترکِ قرآنہ کی وجہ سے نماز کو باطل اور فاسد نہیں سمجھتے تھے ان میں حضرت امام اوزاعیؒ بھی ہیں اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کو صرف مستحب سمجھتے تھے وجوب کے قائل نہ تھے اور فریق ثانی کا دعوے بڑا سنگین ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

حضرت مجاہدؒ کا اثر :- امام بخاریؒ نقل کرتے ہیں :-

قال مجاهد اذا لم يقرأ خلف الامام مجاہد نے فرمایا جس نے امام کے پیچھے قرأت نہ کی تو اس اعاد الصلوٰۃ (جزء القراءۃ ص ۹) کو نماز دہرائی چاہیے۔

جواب :- حضرت امام بخاریؒ نے اس کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بغیر سند کے ایسا سنگین حکم کون سناتا ہے خصوصاً قرآن کریم اور صحیح احادیث کے مقابلہ میں اور پھر یہ قرأت بھی مجمل ہے اس میں سورۃ فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں ہے اور جلد اول میں بسند صحیح مجاہدؒ کا اثر اور آیت کا شان نزول اس کے خلاف عرض کیا جا چکا ہے۔

حضرت قاسم بن محمدؒ کا اثر :- ان سے مروی ہے انہوں نے ارشاد فرمایا :-

كان رجال ائمة يقرؤون خلف الامام کہ بڑے بڑے امام امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے (کتاب القراءۃ ص ۵ جزء القراءۃ ص ۵ سنن الکبریٰ ص ۱۳۱) تھے۔

جواب :- یہ اثر بھی حجت نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں اسامہؓ ہے امام احمدؒ ان کو لیس بستی کہتے ہیں نسائیؒ ان کو لیس بالقوی کہتے ہیں ابو حاتمؒ کہتے ہیں ان سے احتجاج صحیح نہیں ہے امام بیہقیؒ بن سعیدؒ نے ان کو ضعیف سمجھ کر بالآخر مطلقاً ترک کر دیا تھا امام ابن معینؒ کہتے ہیں کہ ان کی احادیث کا محدثین نے انکار کیا ہے اور وہ ان کے مناکیر میں شمار کی ہیں امام دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے عطارؒ کے طریق سے جابرؒ کی یہ روایت مرفوعاً بیان کی منحنی کلمہ منحنی یعنی قربانی چاروں تک جائز ہے اور غیر مقلدین حضرات کا اس پر عمل اس پر راقم الحروف کا رسالہ مسئلہ قربانی دیکھئے تو امام بیہقیؒ بن سعیدؒ نے فرمایا تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے اس کی حدیث بالکل ترک کر دی ہے امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ اسی حدیث کی وجہ سے امام بخاریؒ نے اس

کو ترک کر دیا تھا (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۲۹) و ثانیاً اس میں سورہ فاتحہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور بغیر اس کے فریق ثانی کا مدعی اصل نہیں ہو سکتا، ثالثاً ابتدائے صحیح جلد اول میں حضرت قاسم بن محمد کا اثر نقل کیا جا چکا ہے کہ وہ جہری نمازوں میں اہم کے پیچھے سورہ فاتحہ کے قائل نہ تھے۔

قاریں کو ام۔ آپ نے آثار حضرت تابعین وغیرہم کی حقیقت بھی معلوم کر لی ہے کہ ان میں اکثر و بیشتر سزا کے لحاظ سے ضعیف اور کمزور ہیں اور بعض میں ظہر اور عصر کی نماز کی تخصیص ہے اور بعض میں فصحاء اور سورت وغیرہ کی زیادت بھی ساتھ ہی موجود ہے اور بعض میں مطلق قرأت کا ذکر ہے مخصوص طور پر سورہ فاتحہ کا ذکر ان میں نہیں ہے اور ان واضح اور غیر مبہم قرآن کے ہوتے ہوئے فریق ثانی کا دعویٰ یقیناً باطل ہو جاتا ہے ان آثار کے علاوہ بعض اور بھی ہیں لیکن نہ ان کا سر ہے نہ پاؤں لہذا ایسے بے سرا اور بے اصل اور غیر مستند آثار کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اس لیے ان کے نقل کرنے اور پھر ان کا جواب دینے کی کوئی حاجت معلوم نہیں ہوتی خلاصہ اس یہ ہے کہ جمہور نے جو روایات و آثار اپنے استدلال میں پیش کئے ہیں ان میں سچا نوٹھے فیصدی راوی ثقہ ثبت اور حجت ہیں اور تقریباً پانچ فیصدی راوی متکلم فیہ ہیں لیکن جمہور اکثرہ جرح و تعدیل ان کی بھی توثیق کرتے ہیں بخلاف اس کے جن روایات اور آثار سے فریق ثانی نے استدلال کیا ہے ان میں تقریباً پچانوٹھے فیصدی راوی کذاب، دجال، مجہول، متروک، مستور، لیس، بشقۃ، لیس بالقوی، لا یجتب بہ اور کشیں التذلیس والارسال وغیرہ اوصاف سے موصوف ہیں اور پانچ فیصدی ایسے ہیں جو ثقہ ہیں مگر جرح سے خالی نہیں ہیں اور یہ بھی آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ جن روایات میں فصحاء، ماتیسر، ما زاد اور الا واد الامام کی زیادت موجود ہے ان کے علاوہ اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور خاص طور پر وہ روایات جن میں خلف الامام اور الا بفاتحۃ الكتاب کی قید موجود ہے وہ تو کسی طرح بھی صحیح نہیں ہیں تو ان ضعیف احادیث سے شریعت کے رو سے صحیح نمازیں کیونکر باطل، بیکار، ناقص اور کالعدم ہو سکتی ہیں؟ اور ایسی ضعیف روایات و آثار پر بنیاد رکھ کر مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ کی فرضیت اور رکعت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟ اور حنفیوں کو مفیدین صلوٰۃ کا خسروانہ خطاب کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اور ان کی بیسیوں سے بغیر ان کے خاندان کے طلاق دینے اور حدت گزرنے نکاح کیسے درست ہو سکتا ہے؟

چوتھا باب

قیاسی دلائل

فریق ثانی نے قرآن کریم کی جن آیات سے اہم کے تیجھے قرأت سورہ فاتحہ پر استدلال کیا ہے اس کی حقیقت آپ معلوم کر چکے ہیں کہ ان آیات سے ان کا استدلال تو نہیں ہو سکتا البتہ انہوں نے بعض آیات سے غلط استدلال اور بعض میں تفسیر بالرائے کا ارتکاب ضرور کیا ہے اسی طرح آپ یہ بھی معلوم کر گئے ہیں کہ بغیر ان روایات کے جن میں فصاعداً، ماتیسراً اور ما زاد وغیرہ کی زیادت اور إِلَّا وَرَاءَ الْأَمَامِ کی استثناء موجود ہے اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور خاص طور پر وہ روایات جن میں خلف الایم کی قید اور إِلَّا بِنِهَايَةِ الْكِتَابِ وغیرہ کی استثناء ہے وہ تو انتہائی درجہ کی ضعیف، معلول اور کمزور ہیں اور ان کی اسانید پر جو جرح اور کلام کیا گیا ہے وہ کتب اسما الرجال اور فریق ثانی کے مسلم اور طے شدہ قواعد کے لحاظ سے واضح دلائل سے کیا گیا ہے جس سے ان کو کوئی مفر نہیں ہے نیز آثار حضرت صحابہ کرام و تابعین وغیرہم پر جو تنقید کی گئی ہے وہ بھی حضرات محدثین کرام اور خاص طور پر فریق ثانی کے مسلمات کے عین مطابق ہے اور کوئی بات حوالہ کے بغیر نہیں کہی گئی ہے اب اس باب میں ان کا قیاس اور اجتہاد بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

پہلی قیاسی دلیل

اہم دارقطنی اور امام بیہقی وغیرہ اپنی سند سے یہ مرفوع روایت نقل کرتے ہیں إِلَّا مِمَّا ضَامِنٌ فَأَصْنَعُ فَمَا ضَعُفُوا (دارقطنی جلد ۱۲ و کتاب القراءۃ ص ۵۸) امام ضامن ہے جو وہ کرے سو تم بھی کرو اور یہ روایت مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۶۶ وغیرہ میں بھی مذکور ہے امام بیہقی وغیرہ فرماتے ہیں کہ جبری نمازوں میں ہمارا مشاہدہ ہے اور سب سے بھی ہمیں یقین ہے کہ امام سورہ فاتحہ پڑھتا ہے

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو تمہارا امام کرے سو وہ تم بھی کرو لہذا ہمیں بھی سورہ فاتحہ پڑھنا ہوگی۔

جواب: نہ تو یہ روایت صحیح ہے اور نہ یہ قیاس صحیح ہے اولاً اس لیے کہ اس کی سند میں موسیٰ بن شیبہ ہے امام احمد اس کو ضعیف مانتے ہیں (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۶۶) نیز یہ فسرہ آیا کہ احادیث مناکبہ اس کی روایتیں منکر ہیں۔ (یران جلد ۳ ص ۲۱۱) حافظ ابن حجرہ لکھتے ہیں لین الحدیث (تقدیب ص ۳۶) کہ حدیث میں وہ ضعیف ہے اور ثانیاً اس لیے کہ معنی تو یہ ہیں کہ قابل اقتدار امور میں امام کی مخالفت نہ کی جائے بلکہ جو کچھ وہ کرے سو تم بھی کرو یہ مطلب تو ہرگز صحیح نہیں کہ جو امام کرے وہ تم بھی کرو ورنہ امام نے یہ کیا ہے کہ مقتدیوں کے آگے کھڑا ہوا ہے بلند آواز سے تکبیر کہتا ہے سمع اللہ من حمدہ اور سلام کہتا ہے جہر سے قرأت کرتا ہے اور سورہ فاتحہ کے بعد کی لمبی لمبی سورتیں پڑھتا ہے تو کیا یہ سب کچھ مقتدی بھی کر سکتے ہیں؟ اس قیاس کے رُو سے مقتدیوں کو چاہیے کہ جیسے امام مقتدیوں کے آگے کھڑا ہوا ہے وہ بھی آگے نکل جائیں حتیٰ کہ امام بیچارہ بھی منہ تکتا رہ جائے اور امام کی طرح مقتدی بھی جہر سے قرأت کریں حتیٰ کہ مسجد گونج اٹھے اور کان پڑھی قرأت نہ سنائی دے اور لطف کی بات یہ ہے ما زاد علی الفاتحۃ میں بھی جیسا امام نے کیا ہے ویسا ہی کرنا ہوگا آخر حدیث کے الفاظ ہیں فاصنعوا حکما صنع الامام (او کما قال) اس کی مخالفت کون کر سکتا ہے؟ علاوہ ازیں اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس میں قرأت کا کوئی لفظ نہیں بلکہ صنع (صنعت) کا ذکر ہے جو عملی کارروائی پر اطلاق کیا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ امام قیام کرے تم بھی قیام کرو، امام رکوع کرے تم بھی رکوع کرو، امام سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو وغیرہ وغیرہ عملی طور پر اس کی مخالفت نہ کرو، رہی قولی بات تو اس کے متعلق ارشاد یہ ہے اذا قدر فانصت جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو غرضیکہ اس روایت سے مقتدیوں کے لیے سورہ فاتحہ کی قرأت پر استدلال کرنا روایتاً باطلہ ہے۔

دوسری قیاسی دلیل

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا المصلیٰ یناجی ربہ نمازی اپنے رب سے مناجات کرتا ہے۔

اور مناجات نطق سے ہوتی ہے سوکت سے نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے
سورت فاتحہ پڑھنی چاہیے (محصلاً کتاب القراءۃ ص ۵۶)

جواب: امام بیہقیؒ ہی ازراہ انصاف فرماتے ہیں کہ کیا یہ مناجات صرف سورۃ فاتحہ کی مختصر سی سنت
آیتوں سے ہی ہو سکتی ہے قرآن کریم کی باقی ایک سو تیرہ سورتوں سے مناجات نہیں ہو سکتی، اور کیا خدا تعالیٰ
کی مناجات کا وقت صرف سورۃ فاتحہ کے وقفہ تک محدود ہے اس کے بعد سورۃ بقرہ جیسی طویل سورتوں
کے وقفہ میں خدا تعالیٰ کی مناجات کی ضرورت باقی نہیں رہتی؟ اور یہ آداب مناجات کا کونسا پہلو اور طریقہ
ہے کہ وفد کا امیر اور پارٹی کالیڈر (امام) جب قوم کی نمائندگی کرتا ہے تو ہر طرف سے محفل اور مجلس کے آداب
سے قطع نظر کرتے ہوئے وفد کا ایک ایک رکن درخواست کا ایک ایک لفظ دہراتا ہے؛ ہاں یہ ضروری
ہے کہ سب اپنے نمائندہ کی آئین کہتے ہوئے تائید کریں لیکن جس سچی سرکار سے نماز میں مناجات ہوتی ہے
وہ تو دلوں کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے اور وہ بے ریا اور مخفی دعا کو زیادہ پسند کرتی ہے اس
لیے امام کی آہستہ آہستہ تائید زیادہ بہتر اور جن ہوگی اور مناجات اور درخواست کے پیش کرنے کے لیے
امام ہی کافی ہوگا۔

تیسری قیاسی دلیل

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ایک روایت آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے نماز میں کلام
کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نماز میں گفتگو اور کلام نہیں کرنا چاہیے نماز تو تسبیح
تبکیر اور تلاوت قرآن کا نام ہے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے
(سورۃ فاتحہ کی) قرأت کرنی چاہیے۔ (محصلاً کتاب القراءۃ ص ۵۶)

جواب: امام بیہقیؒ کا یہ قیاس بھی مردود ہے اولاً اس لیے کہ نماز میں تلاوت قرآن باقاعدہ
ہوتی ہے اور امام قرآن کریم پڑھتا ہے مقتدیوں کا فریضہ تلاوت نہیں بلکہ استماع اور انصات ہے
جیسا کہ نص قرآنی اور صحیح احادیث سے معلوم ہو چکا ہے و ثانیاً کیا تلاوت قرآن کا اطلاق صرف
سورۃ فاتحہ پر ہی ہوتا ہے اور مازد علی الفاتحہ میں قرآن کریم کی تلاوت نہیں ہے؟ پھر دوسرے
حضرات عموماً اور حضرت امام بیہقیؒ خصوصاً کیوں یہ فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ مقتدی کے لیے
کسی اور قرأت کی اجازت نہیں ہے اور یہ حدیث فلا تقرأوا البشیر من القرآن کے تحت ممنوع ہے؛

چوتھی قیاسی دلیل

اہم بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس مضمون کی ایک حدیث آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص سے دریافت فرمایا تم کس طرح نماز پڑھتے ہو اُس نے جواب دیا میں فاتحۃ الكتاب پڑھتا ہوں جنت کا سوال کرتا ہوں، دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں اور مجھے معلوم نہیں آپ کا طریقہ اس میں کیا ہے؟ اہم بیہقیؒ فرماتے ہیں اس میں اہم و مقتدی کی کوئی قید نہیں لہذا اس سے مقتدی کے لیے بھی قرآنہ ثابت ہوگئی۔ (کتاب القراءۃ ص ۷)

جواب :- اگر یہ روایت صحیح ہے تو اتنی طویل مسافت طے کرنے اور چکر کاٹنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ کیوں نہ ہو جائے کہ یہ روایت صرف منفرد کے حق میں ہو اور وہ بھی محض نفل نماز میں جیسا کہ ابو داؤد جلد ۱ ص ۱۲۸ وغیرہ ہی کی ایک روایت اس کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوة تطوع (نفل نماز) میں اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ السَّارِ وغیرہ پڑھا کرتے تھے، چونکہ اس روایت میں خلف الامم کی کوئی قید نہیں اس لیے یہی بات متعین ہے کہ یہ حکم منفرد کے لیے ہو کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاف اور صریح الفاظ میں یہ ارشاد فرمایا ہے اِذَا قَرَأْتَ فَانصِتْ وَاجِبِ اہم قرآنہ کرے تو تم خاموش رہو اور یہ محال ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو متضاد حکم صادر فرمائیں کہنے والے نے کیا ہی سچ کہا ہے

نہی باشد مخالفت قول و فعل راستاں باہم

کہ گفتار قلم باشد ز رفتار قلم پیدا

یہ ہیں وہ قیاسات جو حضرت اہم بیہقیؒ وغیرہ نے مقتدی کے لیے سورہ فاتحہ پڑھنے پر پیش کئے ہیں حضرت اہم بخاریؒ نے جو قیاسات کئے ہیں وہ ان سے بھی عجیب تر ہیں جن کی پوری تشریح جلد اول میں قرآن کریم کی آیت کے تحت نقل کر کے ان کے جوابات دے دیے گئے ہیں اور قرآن کریم کی آیات سے جو قیاسات کئے گئے ہیں ان کے جوابات بھی باب اول میں عرض کر دیے گئے ہیں اور باقی جو قیاسات پیش کئے گئے ہیں وہ ضعیف، کمزور اور بے کار ہیں، اس لیے وہ قابل التفات ہی نہیں ہیں الغرض حق اور منصور مسلک صرف یہی ہے کہ اہم کے بیچھے سبھی نمازیں ہوں یا جہری کسی نماز میں کسی قسم کی قرأت ثنویاً اور سورہ فاتحہ کی قرأت خصوصاً ممنوع ہے قرآن کریم صحیح احادیث آثار حضرات صحابہ کرام

وَابْعِيْنُ وَاَتْبَاعُ مَا بَعِيْنُ اور دیگر جمہور اہل اسلام کا یہی مسلک ہے اور ہماری نمازوں میں ترک قرآن خلف
 الامم کا مسلک حضرات ائمہ اربعہ اور دیگر بالغ نظر حضرات فقہاء اور محدثین کا متفق علیہ مسلک ہے
 اور فریق ثانی کا یہ دعویٰ کہ جو شخص امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ناقص ہے
 کا عدم ہے، بیکار ہے اور باطل ہے (بلفظہ) قطعاً مردود اور باطل ہے اس دعویٰ پر ان کے پاس
 ایک بھی صحیح صریح اور مرفوع حدیث موجود نہیں ہے اور اس کے خلاف جمہور علماء کا عموماً اور احناف کا دامن
 خصوصاً احادیث اور دلائل سے مالامال اور پُر ہے مگر فریق ثانی کا تعصب اور عناد دیکھئے کہ صحیح حدیثوں
 کو ٹھکراتے ہوئے بھی وہ اہل حدیث ہیں اور ہم لوگ صرف اہل الرائے ہیں اور صرف فقہ اور اماموں کے ماننے
 والے ہیں تعصب کی اس سے بدترین مثال شاید ہی دنیا میں کوئی اور موجود ہوگی باوجودیکہ فریق ثانی کا دامن
 مستور زیر بحث میں دلائل سے یکسر خالی ہے مگر ہم پھر بھی ان کی قدر کرنے ہیں اور کوئی ایسا لفظ جو موسم تکفیر
 ہوکنے کے لیے تیار نہیں ہے حضرت شیخ الحدیث نے مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کے حق میں کیا ہی خوب
 ارشاد فرمایا ہے کہ گو آپ صاحب کیسی ہی بدزبانی سے پیش آویں مگر ہم انشاء اللہ تعالیٰ کلمات موسوم
 تکفیر و تفسیق پر گزرتے آپ کی شان میں نہ کہیں گے بلکہ اللہ آپ کے اسلام ہی کا اظہار کریں گے ولنفسہ ما قبلہ
 اگر خواندی مرا کافر عنی نیست چراغ کذب را بنود فروغی
 مسلمات بگویم در جوابش دہم شیرت بجائے ترض دوغی
 اگر خود مومنی نہی و مگر نہ
 دروغی را جز باشد دروغی (ایضاح الأدلۃ ص ۱۰)

راقم الحروف نے ایک مجلس کی تین طلاقیں پر عمدۃ الایمان نے حکم طلاقات الثلاث
 اور مستند تقلید پر الکلام المفید اور اسی طرح مستند تراویح اور رفع یدین وغیرہ پر پٹوس معلومات یکجا
 کئے ہیں اور ان کی ترتیب دی جا رہی ہے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اشاعت کے اسباب بھی پیدا کرے۔
 آخر میں ہم پھر یہ گزارش کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت امام بخاری، حضرت امام بیہقی، اور امام قسطلی
 وغیرہ کے پیش کردہ دلائل پر جو گرفت کی ہے تو اس سے مقصد صرف ان کے دلائل کی خامی کا اظہار ہے
 ورنہ خدا تعالیٰ شام ہے کہ ہمارے دل میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے
 علیہم السلام اللہ تعالیٰ یہ کتاب طبع ہو کر حقیرے ہی عرصہ میں ختم ہو گئی ہے اب طبع سوم کی تیسری جہور ہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق احادیث اور دین کی بڑی خدمت کی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ معصوم
 صرف حضرات انبیاء کریم علیہم السلام ہی ہوتے ہیں اور فریق ثانی کی خدمت میں نہایت ہی ادب سے
 مخلصانہ اپیل ہے کہ وہ اپنے اس غلو سے باز آجائے اور تمام مسلمانوں کی صحیح نمازوں کو ناقص، کالعدم
 اور باطل نہ ٹھہرائے۔ اللہ تعالیٰ ان کو حق کے قبول کرنے کی توفیق دے اور ہمیں بھی حق پر ثابت قدم رکھے
 یہی دل ناتواں کی دیرینہ آرزو ہے اور اسی پر واہم و قائم رہنے کی دلی خواہش ہے۔

یہ دیکھ کر میرا دیدہ تہ سمجھ لو خود حالِ قلب مضطر

کہ ہو گا کس جو کس میں سمندر جو یہ تلاطم بجا ہیں

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد خاتم الانبیاء و امام الرسل و سید
 ولد آدم و علی آلہ و اصحابہ و جمیع امتہ الی یوم القیمۃ آمین ثم آمین

ابوالنہاد

محمد سرفراز خاں صفدر خطیب جامع گکھڑ

ضلع گوجرانوالہ (پاکستان)

۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۴ھ ۳ فروری ۱۹۵۵ء



وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (القرآن)

وذكر الامام احمد بن حنبل الاجماع على انها نزلت في الصلوة. (فتاوى ابن تيمية ١٣٣/٢)

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا -

مسلم ١٤٢/١ ، والبرهان ١٣٣٣/٢

مقدمة

تدقيق الكلام

از: شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سر فراز خان صفدر دام مجدم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سر فراز خان صفدر دام مجدم کے استاد و معتمد جامع المقبول و المنقول حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی نے مسئلہ قاسم خلف الامام پر علمی و تحقیقی کتاب تدقیق الکلام تصنیف فرمائی جو دو جلدوں میں کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی نے شائع کی۔ اس سے کتاب میں مؤلف غیر الکلام و مؤلف توضیح الکلام کے شکوک و شبہات کا علمی انداز میں جواب دیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ حضرت شیخ الحدیث صاحب دام مجدم نے تحریر فرمایا تھا۔ اس مقدمہ میں بیان کر دہ بحث کا احسن الکلام کی مباحث سے گہرا تعلق ہے جس کی وجہ سے بہت سے اہل علم حضرات نے فرمائش کی کہ اس مقدمہ کو احسن الکلام کے ساتھ بھی شائع کیا جائے تو ان حضرات کی فرمائش کا احترام کرتے ہوئے اس مقدمہ کو احسن الکلام کیساتھ شائع کیا جا رہا ہے (بشکریہ نامتہ تدقیق الکلام)

حافظ عبد القدوس خان قاری

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
 اَمَّا بَعْدُ ؟ مذہب اسلام کے مسائل اصولاً دو حصوں میں منقسم ہیں۔ (۱) اصول،
 (۲) فروع۔ اصول دین میں اختلاف انتہائی مذموم اور قبیح ہے اور اس اختلاف کی وجہ
 آدمی یا تو سرے سے دین ہی سے خارج ہو جاتا ہے اور یا اہل حق سے کٹ اور ہٹ
 کر اہل بدعت کے فرقوں میں شامل ہو جاتا ہے اور فروع دین میں اختلاف اگر مجتہد سے
 رُخسہ ہو تو وہ معذور بلکہ مأجور ہوگا اور اگر غیر مجتہد یہ کاروائی کرے اور اس میں تعصب نہی
 بھی شامل ہو تو وہ گنہگار ہوگا۔ حضرات ائمہ دین کے فرعی اختلافات سے جو خالص نیت
 اور خلوص نیت پر مبنی ہیں۔ کتب فقہ، شرح حدیث اور کتب تفسیر بھری پڑی ہیں۔ ان
 اختلافی اور فروعی مسائل میں سے ایک مسئلہ قرأت یا ترک القرات خلف الامام کا بھی ہے
 جو حد نبوت سے تاہنوز اختلافی چلا آ رہا ہے۔ ہر فریق اپنی علمی تحقیق پر عمل کرتا رہا، کرتا
 ہے اور کرتا رہے گا۔ مگر غیر مقلدین حضرات نے اس میں بھی نہایت غلو اور تعصب کا مظاہرہ
 کیا اور تمام دنیا کے احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعت کو چیلنج کیا اور ان کی نماز کو باطل بلکہ
 اور کالعدم قرار دے کر ان کو فی السار والسقر تک کا حکم خسرانہ سنایا ان کے یہ باطل
 دعاوی اور ان کے الفاظ سبب تالیف احسن الکلام میں مذکور ہیں وہاں ہی ان کو
 دیکھ لیا جائے۔ الحمد للہ تعالیٰ احسن الکلام کے مضبوط اور واضح دلائل اور حوالوں کا یہ اثر
 ہوا کہ مصنف خیر الکلام اور مؤلف توفیح الکلام یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ہمارا تو یہ مسلک
 ہے کہ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ فروعی اختلافی ہونے کی بنا پر اجتہادی ہے پس جو شخص
 حتیٰ الامکان تحقیق کرے اور یہ سمجھے کہ فاتحہ فرض نہیں خواہ نماز جبری ہو یا سبزی، اپنی تحقیق

پر عمل کرے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔ ذخیر الکلام ص ۳۳۳ و توضیح الکلام ص ۴۵ کاش کہ
 یہ حضرات پہلے ہی اس حق گوئی سے کام لیتے اور اپنے غالی دوستوں کو چیلنج بازی اور احسان
 کی صحیح نماز کے باطل بے کار اور کالعدم ہونے کے نارہ افتویٰ سے باز رکھتے تو ہمیں احسن
 الکلام لکھنے کی سرے سے ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ بفضلہ تعالیٰ یہ احسن الکلام کے ٹھوس
 اور محکم دلائل ہی کا نتیجہ ہے کہ ان حضرات نے ترک القراءت خلف الامام کر لے والوں کی نماز
 کے باطل نہ ہونے کا اقرار کیا۔ ورنہ غیر مقلدین حضرات کبھی کھلے لفظوں میں اپنی شکست فاش
 کو تسلیم نہ کرتے اور نہ یہ ان کا شیوہ اور عادت ہے۔ اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ جن
 آیات اور احادیث کو وہ قرأت خلف الامام کے سلسلہ میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں وہ
 نص اور قطعیت کے ساتھ ان کے نزدیک بھی اس دعویٰ پر دال نہیں ہیں ورنہ وہ اس
 مسئلہ کو اجتہادی مسئلہ کبھی نہ کہتے کیونکہ اجتہاد وہاں ہوتا ہے جہاں صراحت نہ ہو اور ان
 حضرات کا اس مسئلہ کو اجتہادی کہنا ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صریح، صحیح اور
 منطوق طور پر ان کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے جیسی تو یہ مسئلہ ان کے نزدیک اجتہادی
 ہے لہذا آیات و احادیث کو ترک کرنے کا احناف پر الزام اور طعن بالکل بے جا ہے
 اس لیے کہ بقول ان حضرات کے احناف نے ان دلائل اور احادیث کو ترک نہیں کیا۔
 بلکہ ان کے اس مفہوم اور معنی کو ترک کیا ہے۔ جس کو مجوزین حضرات اپنے اجتہادی رنگ
 میں اپناتے ہیں اور اس کے برعکس احناف نص قطعی اور صریح و صحیح احادیث سے
 مقتدی کا وظیفہ ترک القراءت خلف الامام بتاتے ہیں جیسا کہ پیش نظر کتاب تدقیق الکلام
 میں اس کی محققانہ و علما نہ بحث کی گئی ہے۔ لہذا مصنف خیر الکلام اور مؤلف توضیح
 الکلام کا چند آیات و احادیث کو پیش کر کے احناف پر طعن و الزام قائم کرنا کہ ہمارے
 پاس تو یہ یہ دلائل ہیں اور احناف ان کے قائل نہیں محض تفسیح وقت اور سمع خراشی ہے
 اس لیے کہ وہ تو ان کے نزدیک بھی ان کے مدعی پر نص قطعی نہیں۔ ورنہ وہ اس مسئلہ کو
 اجتہادی کبھی نہ کہتے :

سے نکل جاتی ہو سچی بات جس کے منہ سے مستی میں فقہہ مصلحت بین سے وہ رند بادہ خوار اچھا

مؤلف توضیح الکلام کی لاملی اور بے خبری

موصوف لکھتے ہیں کہ امام بخاری سے لے کر دور قریب کے محققین علمائے اہل حدیث تک کسی کی تصنیف میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے۔ وہ بے نماز ہے وغیرہ (توضیح الکلام ص ۴۳)۔ بجائے اس کے کہ ہم طویل راستہ اختیار کریں انحصاراً صرف دور حاضر کے بعض غیر مقلدین حضرات کی چند کتابوں کے حوالے ہی عرض کرتے ہیں۔ غور فرمائیں کہ انھوں نے کیا کہا؟

(۱) پہلے باب میں احادیث صحیحہ صحیحہ سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے الحمد پڑھنا واجب ہے بغیر الحمد پڑھے اسکی نماز درست نہیں۔ (تحقیق الکلام ص ۱۳۱) ظاہر بات ہے کہ جب نماز درست نہ ہوئی تو باطل ہی ٹھہرے گی اور جب نماز نہ ہوئی تو پڑھنے والا بے نماز ہی تصور ہوگا۔

(۲) سوال: فاتحہ خلف الامام فرض ہے یا واجب یا سنت یا مستحب ہے؟
الجواب: فاتحہ خلف الامام پڑھنا فرض ہے بغیر فاتحہ پڑھے ہوئے نماز نہیں ہوتی تمام کتب احادیث میں مرقوم ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ السید محمد عبدالغنیظ غفرلہ۔ سید محمد نذیر حسین، سید محمد ابوالحسن، سید محمد عبدالسلام غفرلہ۔ (فتاویٰ نذیریہ ص ۳۹۸ و فتاویٰ علمائے اہل حدیث ص ۱۳۱) (۳) سوال: جو شخص امام کے پیچھے کسی رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھ سکا اس کی وہ رکعت ہوئی یا نہ؟

الجواب: بغیر سورۃ فاتحہ کے رکعت پوری نہیں ہوتی۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے پس صورتِ مسئلہ میں اس شخص کی وہ رکعت نہیں ہوئی اس کو دہرانا چاہیے۔ الخ حررہ محمد عبدالحق ملتان، سید محمد نذیر حسین۔ (فتاویٰ نذیریہ ص ۳۹۸، فتاویٰ علمائے اہل حدیث ص ۱۳۱) (۴) خلاصہ تمام مضمون کا یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بامر اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کو فرمایا میرے پیچھے سورۃ فاتحہ ضرور پڑھا کرو ورنہ تمھاری نماز باطل ہو جائے گی۔ (فتاویٰ ثنائیہ ص ۴۸۹)

سوال: امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے متعلق آپ کی تحقیق از روئے قرآن و حدیث کیا ہے؟ کیا فاتحہ کے بغیر نماز ہو جاتی ہے؟

الجواب: میں سورۃ فاتحہ کو امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری جانتا ہوں۔ از روئے قرآن و حدیث میری تحقیق ہے کہ فاتحہ کے بغیر منفرد ہو یا مقتدی، کسی کی نماز نہیں ہوتی۔ (تفسیر ثنائی ۱۵ جولائی ۱۹۳۸ء و فتاویٰ ثنائیہ ص ۵۵۵)

صاف عیاں ہو گیا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے، اور جب نماز نہ ہوئی تو پڑھنے والا بے نماز ہی رہا۔

(۵) سوال: سورۃ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھنا ان الفاظ میں ثابت کر دیا جائے کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو یہ ارشاد فرمایا ہو کہ امام کے پیچھے ہر نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھا کرو؟

جواب: کتاب القراءت ہیئت ۴۷ میں یہ حدیث ہے لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب خلف الامام۔ یعنی جو امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اسکی نماز نہیں لیجے مگر الفاظ کا آپ نے سوال کیا ہے۔ ان سے بھی یہ سخت ہیں کیونکہ آپ نے امر کا سوال کیا ہے اور یہاں سرے سے نمازی کی نفی ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث عبداللہ روپڑی ص ۱۲۲ و تنظیم اہل حدیث جلد ۱۵ شمارہ ۲ بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث ص ۱۱۱)

جب سرے سے نماز ہی نہ ہوئی تو پڑھنے والا بے نماز ہی رہا۔

(نوٹ) اس روایت میں خلف الامام کا جملہ بعض روایت کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ (ملاحظہ

ہو فصل الخطاب ص ۷۹)

(۶) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے، "نہیں ہوتی نماز اس شخص کی جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے تنہا ہو یا امام یا مقتدی، بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے کسی کی کوئی نماز نہیں ہوتی، خواہ فرض ہو یا نقل ہر ایک میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے کیونکہ حکم عام ہے۔ (از مولانا عبدالسلام بستوی مدرس مدرسہ ریاض العلوم دہلی۔ اخبار اہل حدیث دہلی جلد ۹، شمارہ ۲۳)

بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث (۱۲۲)۔

مؤلف توضیح الکلام ہی از نئے انصاف و دیانت و اگر ان کے نزدیک انصاف و دیانت نامی کوئی چیز ہے اور اس کی ان کے ہاں قدر بھی ہے، یہ فرمائیں کہ کیا یہ تمام محققین علمائے اہل حدیث امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کو بے نماز نہیں کہہ رہے اور کیا اسکی نماز کو باطل نہیں کہہ رہے؟ یہ احسن الکلام کے محکم براہین و ادلہ ہی کا نتیجہ اور اثر ہے کہ مؤلف خیر الکلام و توضیح الکلام عدم بطلان کے فیصلہ پر مجبور ہوئے ہیں۔ ورنہ غیر مقلدین حضرات کا فیصلہ اور فتویٰ یہی ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نماز باطل ہے اور وہ بے نماز ہیں اور بے نماز کا ٹھکانہ ہی سفر ہے۔

استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب دامت برکاتہم نے جو تقریباً ساٹھ سال تک علوم نقلیہ اور عقلیہ کے کامیاب مدرس رہے ہیں۔ ڈابھیل میں بھی استاد حدیث رہ چکے ہیں اور اب بھی مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں شیخ الحدیث ہیں، انکے اور علمی انداز میں ترک القرات خلف الامام کے دلائل پیش نظر کتاب تدقیق الکلام میں بیان فرمائے ہیں۔ علمائے کرام کے لیے یہ انمول موتی ہیں اور ایسے انداز سے پیش کیے ہیں جو حقیقت کی خوب خوب گرہ کشائی کرتے ہیں اور خیر الکلام میں نقل کردہ دلائل کا باحوالہ تانا بانا بھی روشن کیا گیا ہے اور بعض مقامات پر نام لے کر توضیح الکلام میں نقل کردہ دلائل کا بھی خوب تعاقب کیا ہے مگر زیادہ تر ترویج خیر الکلام کے شعبات کی کی گئی ہے۔ کیونکہ توضیح الکلام، خیر الکلام کا علمی سرفہ اور اسی کا چہرہ ہے۔ جب اصل کارد ہو گیا تو فرع کا خود بخود ہو جاتا، قارئین کرام کو تدقیق الکلام میں بعض بعض مقامات میں تکرار بھی نظر آئے گا۔ مگر کہیں بھی تکرار نامدہ سے خالی نہ ہوگا۔ پڑھنے والے اہل علم حضرات اس کا بخوبی اندازہ لگالیں گے۔ اس مسئلہ کے جن جن گوشوں کو حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اُجاگر کیا ہے اور جن دلائل کو سلی اور تحقیقی طور پر روشن کیا ہے بلا خوف لومۃ لائم یہ کہا سکتا ہے کہ وہ انہی کا حصہ ہے اور اسی ہی کتاب میں آپ پر وہ عیاں ہوں گے۔ غیر مقلدین حضرات کو اس سے ناگواری تو ضرور ہوگی مگر ٹھنڈے دل سے اس کتاب کو اول سے آخر تک ایک بار پڑھ لیں، چھوڑیں نہیں۔

سہ رٹھا ہے وہ مجھ سے مجھے منظور ہے لیکن

یلد اسے سمجھاؤ میرا شہر نہ چھوڑے

غیر مقلدین حضرات کے تعصب اور خیانیوں کو تدقیق الکلام میں جس طرح نمایاں کیا گیا ہے اور ان کی علمی غلطیوں کو واشگاف کیا گیا ہے وہ اسی کتاب کا خاصہ ہے۔ عیاں را چہ بیاں مصنف خیر الکلام اور ان کے شاگرد درشید مؤلف توضیح الکلام پر جو علمی تنقید کی گئی ہے اور ان کی سوقیانہ اور غیر عالمانہ زبان سے انماض کیا گیا ہے وہ کتاب کی قدر و قیمت کو اور دو بالا کر دیتا ہے۔ دونوں مؤلفوں نے اپنے عوام کو اندھیرے میں رکھنے کی بے فائدہ کوشش کی ہے اور محقق اقبال کو محض تاریخِ عنکبوت قسم کے شبہات سے رد کرنے کی نامحسوس کوشش کی ہے۔ مؤلف توضیح الکلام کا کتاب میں اکثر یہی طریقہ اور وتیرہ ہے مثال کے طور پر بعض باتیں ملاحظہ ہوں:

اول: حضرت امام مالکؒ مؤطا امام مالکؒ ۲۹ طبع مجتہبائی دہلی میں الامر عندنا فرما کر یہ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں طے شدہ بات اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ امام کے پیچھے ساری نمازوں میں قرأت کی جائے مگر جہری نمازوں میں نہ کی جائے۔ (محصلاً)

اس عبارت کو کاٹنے کے لیے مؤلف توضیح الکلام ۶۵ میں تفسیر قرطبی ۱۱۹ کا یہ حوالہ پیش کرتے ہیں اور ایک قول امام مالکؒ کا یہ ہے کہ فاتحہ ہر رکعت میں ہر ایک کے لیے ضروری ہے... الخ اور دیکھتے ہیں کہ علامہ قرطبیؒ فقہ مالکی کے مسلمہ امام ہیں۔ ان کے کلام کو بلا دلیل رد کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔

کیوں جناب؟ حضرت امام مالکؒ جو بلا اختلاف مجتہد مطلق اور مسلم امام ہیں، اور وہ الامر عندنا فرما کر اپنا فیصلہ خود سناتے ہیں اور طبقہ اولیٰ کی کتاب مؤطا امام مالکؒ میں یہ موجود ہے ان کے اس فیصلہ کو ساتویں صدی کے (محمد بن احمد بن ابی بکر الاندلسی القرطبیؒ ہستوفی ۴۱۱ھ) بقول مؤلف توضیح الکلام مسلمہ امام کے بلا سند منقول ایک قول سے رد کرنا

کون سا انصاف و دیانت ہے؟ کیا یہ اس کا مصداق نہیں کہ: صخر میں وہ جواں ہوں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں

دوم: احسن الکلام میں ہم نے حضرت امام شافعیؒ کی یہ عبارت نقل کی تھی: و نحن نقول كل صلوة صليت خلف الامام والامام يقرأ لا يسمع فيها قرأ فيها (کتاب الام ۱۵۳/۷) یعنی ہم کہتے ہیں کہ تمام سبھی نمازوں میں مقتدی قرأت کرے۔ (چہری میں نہ کرے)

اس کے جواب میں مصنف خیر الکلام اور مؤلف توضیح الکلام نے جو جو شکوے چھوڑے اور پاپڑیلے ہیں وہ قابل دیدنی ہیں۔ (۱) یہ کہ کتاب الام کے مطبوعہ نسخوں میں یہ عبارت موجود نہیں ہے۔ معارف السنن ۱۸۶/۳ میں ہے کہ یہ عبارت مطبوعہ نسخہ سے گر گئی ہے۔ (۲) فلاں اور فلاں اور فلاں بزرگ لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ تمام نمازوں میں قرأت خلف الامام کے قائل تھے۔ (۳) کتاب الام کے نام سے جو مجموعہ سات جلدوں میں مطبوع ہے۔ اس میں امام شافعیؒ کے مختلف رسائل بھی آگئے ہیں۔ یہ عبارت امام شافعیؒ کے دوسرے رسالہ اختلاف علیٰ وجہ اللہ کی ہے۔ جنہیں کتاب الام کو حصہ شمار کرنا علم و عقل کا ماتم کرنا ہے۔ (محصلاً توضیح الکلام ص ۶۵ تا ۷۵)

الجواب: غیر مقلدین حضرات کے ان وکیلوں نے جس بہانہ سازی اور حیلہ دری کا ثبوت دیا ہے وہ صرف انہی کا خاصہ لازمہ ہے۔ ترتیب وار جوابات ملاحظہ ہوں:

(۱) مشہور تو یہی ہے کہ النقد خیر من الفسئحة کہ نقد ادھار سے بہتر ہے ہم نقد حوالہ بتاتے ہیں اور آپ اس کو سینہ زوری سے ٹالنے کے لیے بہانہ سازی سے کام لیتے ہیں کہ عبارت کتاب الام سے ساقط ہو گئی ہے یہ وہ معہودہ عبارت نہیں ہے جناب! یہی وہ معہودہ عبارت ہے جس کا حضرت امام شافعیؒ نے وعدہ فرمایا ہے: لا تریب فیہ۔ جو حضرات اس کو مسقوطہ اور گری ہوئی فرماتے ہیں وہ خود وہم کا شکار ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ معہودہ عبارت صلوة کے باب میں ہوگی جو جلد اول میں ہے مگر چونکہ یہ عبارت ساتویں جلد میں ہے اس لیے ان کا ذہن اس طرف نہیں گیا۔

(۲) حضرت امام شافعیؒ کی اپنی صریح اور واضح عبارت کو چھوڑ کر دوسروں کا سہارا لینا جو قول قدیم کے چکر میں پڑ کر خود غلطی کا شکار ہیں۔ کہاں کا انصاف ہے! حضرت امام شافعیؒ

کامسک سمجھنے کے لیے خود اپنی اپنی عبارت ہی واضح اور کافی و روانی ہے۔

(۳) کتاب الام متداول کتاب ہے اور تمام اہل علم جانتے ہیں کہ اس کی سات جلدیں ہیں اس میں قطع و برید اور اختلاط کا دعویٰ کرنا بعینہہ ایسا ہے جیسا کہ رافضی قرآن کریم کے بارے یا منکرین حدیث کتب حدیث کے بارے کرتے ہیں لیکن ایسے لایعنی دعویٰ اور قول سے ان پر کیا زد پڑتی؟ یا پڑ سکتی ہے؟ کتاب الام فقہ کی کتاب ہے اس میں کسی مقام پر کسی کے اختلاف کا ذکر ہے اور کسی دوسرے مقام میں کسی اور سے اختلاف کا تذکرہ آجاتا ہے۔

خود مؤلف توضیح الکلام نقل کرتے ہیں کہ ۲۸۳ تا ۲۹۳ میں سیر الادزاعی اختلاف علی و عبد اللہ، اختلاف العراقین اور اختلاف مالک و شافعی کے مباحث ہیں (مصلحہ توضیح الکلام ص ۱) علاوہ ازیں ذیل کے حوالے بھی ملاحظہ کریں:

(۱) کتاب الام ص ۶۳ میں ہے باب فی العُمَرُی من کتاب اختلاف مالک و الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۲) ص ۶۹ میں ہے: و فی اختلاف مالک و الشافعی اللقطة

(۳) ص ۶۶ میں ہے و ترجم فی کتاب اختلاف علی و ابی مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(۴) ص ۶۶ میں ہے و ترجم فی اختلاف مالک و الشافعی باب المنبوذ و غیر ذلک۔

کیا ہر مقام پر یہ نارواد دعویٰ کیا جائے گا کہ کتاب الام میں ان کے مختلف رسائل کا اختلاط ہو گیا ہے اس لیے کتاب الام قابل اعتبار نہیں؟ ماشا و کلا کہ کسی بھی ذی علم کے ذہن میں یہ شیطانی وسوسہ آتا ہو۔ سبھی ہی جانتے ہیں کہ کتاب الام حضرت امام شافعیؒ کی اپنی تالیف ہے اور اس میں درج شدہ تمام مسائل کتاب الام ہی کے ہیں ایسی لایعنی باتوں سے نہ تو رافضی قرآن کریم پر سے اعتماد اٹھا سکے ہیں اور نہ منکرین حدیث کتب حدیث سے اور نہ غیر مقلدین کتب فقہ اور کتاب الام پر سے اعتبار اٹھا سکتے

ہیں اور نہ کوئی ایسی بیہودہ گوئی کو تسلیم کرتا ہے۔ وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقُّ وَهُوَ
يَهْدِي السَّبِيلَ۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھ عطا فرمائے۔

۔ دل بیسنا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں

سوم: مؤلف توضیح الکلام ص ۵۴ میں خود امام محمد کی اپنی کتاب مؤطا ص ۹۴
اور کتاب الآثار ص ۱۶۴ کے حوالہ سے ان کا یہ مسلک نقل کرتے ہیں لا قرأه خلف
الامام فيما يجهر فيه ولا فيما لم يجهر وهو قول ابی حنیفہؒ
اور معنی یہ کرتے ہیں امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہیے خواہ امام باوا بلند قرأت
کرتا ہو یا آہستہ امام ابوحنیفہؒ کا یہی قول ہے؟

اس کے بعد مؤلف توضیح الکلام نے ص ۵۴ تا ۶۴ تک متعدد حضرات کے حوالے
درج کیے ہیں اور آخر میں لکھا ہے ص ۶۴ کہ امام محمدؒ (بلکہ امام ابوحنیفہؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی) سب سے
نمازوں میں فاتحہ پڑھنا محسن اور جائز کہتے ہیں۔ (مجلس) مگر یہ صرف دفع الوقتی اور مغالطہ
آفرینی ہے کیونکہ جب حضرت امام محمدؒ جو حضرت امام ابوحنیفہؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے براہ
راست شاگرد ہیں اور خود اپنی کتابوں میں بانگِ دہل و اشکاف الفاظ میں اپنا اور حضرت
امام ابوحنیفہؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک بتاتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لیے
نہ تو جہری نمازوں میں قرأت ہے اور نہ سب سے نمازوں میں۔ تو ان کے اپنے قول اور
ارشاد کے مقابلہ میں فلاں نے یہ کہا اور فلاں نے یہ کہا کیا حیثیت رکھتا ہے؟ تمام
حقل مند اس کے قائل ہیں کہ توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ ناپسندیدہ
امر ہے اور مشہور ہے کہ صاحب البیت ادریٰ بما فیہ۔

غرضیکہ مؤلف توضیح الکلام اور ان کے استاد محترم شیخ الحدیث گرامی قدر نے آیات
اور صحیح و صریح احادیث اور اقوالِ راجحہ کو تعصب کی بنا پر ترک کے محتمل معانی ضعیف
اور غیر صریح احادیث اور اقوالِ مرجوحہ پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی ہے اور بلاوجہ غیر متعلق
حوالے اور اقوالِ درج کر کے اپنے حواریوں کو یہ باور کرانے کے درپے ہیں کہ ہم بھی

دلائل سے یس ہیں۔ لیکن مجد اللہ تعالیٰ کتاب تدقیق الکلام کو پڑھنے والے قوی و ضعیف
 دلائل اور راجح و مرجوح اقوال کا اچھی طرح سے موازنہ کر سکیں گے اور مسئلہ قرأت خلف الامام
 کی پوری حقیقت انشاء اللہ العزیز ان پر منکشف ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث
 دام مجدہم مؤلف تدقیق الکلام کو اُمت مسلمہ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں
 نے خالص علمی اور تحقیقی انداز میں مسئلہ کی حقیقت واضح کی ہے اور اس کتاب کو اللہ تعالیٰ
 علماء کے لیے استفادہ کا ذریعہ اور موصوف کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین ثم
 آمین۔ وصلى الله تعالى وسلم على خاتم الانبياء والمرسلين وعليهم
 وعلى اله واصحابهم وازواجهم واتباعهم الى يوم الدين۔

احقر العباد

ابوالزاہد محمد سر فراز

صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ و خطیب مرکزی جامع مسجد گکھڑ

۲ ریح الثانی ۱۴۰۹ھ

۱۳ نومبر ۱۹۸۸ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خزان السنن

مع مقصد دفائن السنن

ترمذی شریف کی مع اضافات ان تقریروں کا مجموعہ جو شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر ترمذی شریف پڑھاتے وقت مختلف سالوں میں بیان کرتے رہے جن کو عزیزم المولوی الحافظ القاری شید الحق خان عابد سابق مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے مرتب کیا اور کئی مقامات پر اصل عبارت کے ساتھ قابل بڑی محنت کے ساتھ رقم الحروف لکھے اور بعض اغلاط کی تصحیح کی مگر پھر بھی طبع اول میں کتابت اور بعض حوالہ جات کی اغلاط رہ گئی تھیں طبع دوم کے لیے حضرت شیخ الحدیث صاحب دام مجدہم نے بیماری پیرائے سال اور گونا گوں مصروفیات کے باوجود خود ان اغلاط کی تصحیح فرمائی اور فن حدیث اور سند سے متعلق ضروری اصطلاحات پر مشتمل نہایت علمی مقدمہ کا اضافہ فرمایا۔ شاہیقین علم حدیث کے لیے یہ تقاریر گرانقدر علمی ذبیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین

حافظ عبد القدوس خان قاری
مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ

مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ کی مطبوعات

خزائن السنن تقریر ترمذی	احسن الکلام مسئلہ فاتحہ خلف الامام کی مدلل بحث	تسکین الصدور مسئلہ حیات النبی پر مدلل بحث	الکلام المفید مسئلہ علم غیب پر مدلل بحث	ازالۃ الریب مسئلہ علم غیب پر مدلل بحث
راہِ سنت روایات پر لاجواب کتاب	مقامِ ابنِ حنیفہ	اسماءِ منقوۃ	طائفہ منصورہ انہما پانچواں گروہ کی علامت	ارشاد الشیعہ شیعہ نظریات کا مدلل جواب
آنکھوں کی ٹھنڈک مسئلہ حاضر و ناظر پر مدلل بحث	عبارات اکابر اسرار علم دیوبندی عبارات پر ۳۰ صفحات کے جوابات	صرف ایک اسلام	گلدستہ توحید مسئلہ توحید کی وضاحت	دل کا سرور مسئلہ عقائد کل کی مدلل بحث
درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ	احسان الباری بخاری شریف کی ابتدائی اسماحت	تبلیغ اسلام ضروریات دین پر مختصر بحث	چراغ کی روشنی سراج النجم کے بارہویں تا دینی دوسرے کے اعتراضات کے جوابات	مسئلہ قربانی قربانی کی فضیلت اور ایام قربانی پر مدلل بحث
عیسائیت کا پس منظر عیسائیوں کے عقائد کا رد	مقالہ ختم نبوت خزائن سنت کی روشنی میں	بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم دیوبندی کے حالات زندگی اور ان پر اعتراضات کے جوابات	راہِ ہدایت کرامات و معجزات کے بارہ میں صحیح عقیدہ کی وضاحت	ینا بیع غیر مقلد عالم مولانا نظام رسول کے رسالہ تراویح کا اردو ترجمہ
آئینہ محمدی سیرت پر مختصر رسالہ	تفریح الخواطر بجواب تنویر الخواطر	انعام البرہان روایت صحیح البیان	صلیۃ المسلمین ادوی کا مسئلہ	توضیح المرام نزول صحیح علیہ السلام
ثبوت جہاد	الکلام الخاوی سادات کے لئے زکوٰۃ وغیرہ لینے کی مدلل بحث	ملا علی قاری اور مسئلہ علم غیب حاضر و ناظر	المسلک المنفرد	الشہاب المبین بجواب الشہاب الثاقب
ثبوت حدیث حجیت حدیث پر مدلل بحث	انکار حدیث کے قائل مگر حدیث کا رد	سورودی صاحب کا غلط فتویٰ	چالیس دعائیں	اختفاء الذکر ذکر آہستہ کرنا چاہیے
حکم الذکر بالجہر	اظہار العیب بجواب اثبات علم الغیب	اطیب الکلام مخلص احسن الکلام	چہل مسئلہ حضرات بریلویہ	مولانا ارشاد الحق اثری صاحبؒ کے مہذبانہ وادبانا
عمر اکادمی کی مطبوعات	خزائن السنن جلد دوم کتاب الجمع	بخاری شریف غیر مقلدین کی نظر میں	حمیدیہ مناظرہ کی کتاب رشیدیہ کا اردو ترجمہ	جنت کے نظارے علامہ ابن القیم کی کتاب مادی الارواح کا اردو ترجمہ
تین طلاقیوں کے مسئلہ پر مقالہ کا جواب مقالہ		علامہ کوثری کی تائیب الخطیب کا اردو ترجمہ امام ابوحنیفہ کا عادلانہ دفاع		